دستک درِ سلطانی پر

یہ کاغذی ہاتھ جن کی لکیروں میں خدائے تعالیٰ کی اُس مخلوق
کے اعمال نوشتے ہیں جنہوں نے نوعِ انسان کے مکمل کرنے
میں حصہ لیا اور اپنی علمیت ذہانت و قابلیت سے طبقۂ نسواں
کی مفروضہ ظلمت میں چار چاند لگا کر دکھائے۔ اس حرمِ اعلیٰ
کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ اُس سراپردہ ہمایوں کے
دامنِ عاطفت کو تلاش کرتا ہے جو اس زمانے میں علم نوازی
کی دُنیا میں نیّرِ درخشاں ہے یعنی ظلِ سُبحانی ہر ہائینس حضور
عالیہ حضرت بیگم صاحبہ اقلیم لازوال بھوپال۔
توقع ہے کہ سلطانی دروازے پر یہ دستک مقبول ہوگی
اور دستِ فیض پرور اس علمی یادگار کو اپنی حمایت میں
منسوب ہونے کی عزت مرحمت فرمائے گا۔

اُمیدوارِ قبولیت
احقر الزمن سید ظہور الحسن [illegible]

مقام
صوبہ دہلی

۷۸۶

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبیدہ خاتون

ام جعفر امۃ العزیز زبیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر منصور بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس عم رسول اللہ صلعم - یہ خاتون عرب کی اُن پاک نہاد خاتونوں میں ہے جنہوں نے شرافت و عزت صورت و سیرت دولت و حشمت اور عصمت و عفت - غرض تمام صفتوں اور نعمتوں کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا - بنی عباس کا زمانہ شباب گویا اسی خاتون کی اقبالمندی کا نمونہ تھا اور ہارون رشید کی فتحمندیوں اور اُس کی ہیبت و جبروت کا تاج اسی ملکہ کے خوبصورت سر پر تھا عم رسول اللہ حضرت عباس کی اولاد سے تھی - دوسرے خلیفہ بنی عباس المنصور کی پوتی - ہارون الرشید اعظم کی والا مرتبت ملکہ اور مظلوم و نوعمر خلیفہ امین کی ماں تھی -

الف لیلہ کی کہانیوں نے جو خدا جانے کس مجہول زمانے میں مرتب کی گئی ہیں اس اسلامی ملکہ کے چال چلن کو مشتبہ اور عشرت پرستی کا نمونہ ثابت کر دیا ہے - مگر مورخانہ تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن کی وقعت بے بنیاد افسانوں سے زیادہ نہیں ہے - اُس کا اصلی نام امۃ العزیز تھا - بچپن میں چونکہ خوب صورت گوری گوری اور موٹی تازی لڑکی تھی لہذا دادا یعنی خلیفہ منصور اُسے اپنے دونوں ہاتھوں پر نچاتے اور کہتے "زبیدہ ہے زبیدہ" زبیدہ عربی میں اُس آٹے کو کہتے ہیں جسے گھما گھما کے مکھن نکالا جاتا ہے - یہ لقب ایسا پسند آیا کہ سب اُسے زبیدہ ہی کہنے لگے اور اسی وقت سے زبیدہ کے نام سے مشہور ہو گئی چونکہ یہ نام اسی

وقت کا تصنیف تھا لہذا ایک عربی خاتون کیلئے سب سے پہلا نام تھا۔ مگر اُس کی ذات سے اس نام کو اس قدر شہرت ہوئی کہ اب ہا گھرانوں میں یہ نام رکھا جاتا ہے اور عموماً پسندیدہ ہے۔

زبیدہ کی نسبت یہ تو نہیں پتہ چلتا کہ کس سنہ میں پیدا ہوئی۔ مگر ہاں ۱۶۵ھ میں اسکا عقد نکاح ہارون کے ساتھ ہوا۔ جو ابھی ایک نوعمر شاہزادہ تھا۔ یہ شادی ہارون کے حق میں ایسی مبارک ثابت ہوئی کہ اُسی سال اپنے باپ خلیفہ مہدی کے حکم سے رومیوں کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ اور ہر قلعہ تک برابر فتوحات کے پھریرے اُڑاتا چلا گیا۔ آخر رومیوں نے دب کے صلح کر لی۔ اور ہارون بہت کچھ دولت و حشمت لیکے واپس آیا۔ اس کارگزاری پر مہدی ایسا خوش ہوا کہ زبیدہ کی فرخندہ طالعی کا نمونہ دوسرے برس یہ نظر آیا کہ باوجودیکہ ہارون مہدی کا بڑا بیٹا تھا اور اس بڑا بھائی ہادی پیشتر ہی سے ولی عہد خلافت تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مگر مہدی نے لیاقت و کارگزاری کے صلے میں ہادی کے بعد جانشین خلافت اسی کو تسلیم کر لیا۔ اور ایک بڑے دربار میں ہارون کیلئے تمام علماء و فضلا اور اکابر قوم سے بیعت لیگئی آخر ۱۷۰ھ میں حسب قسمت نے تخت خلافت کو ہادی سے خالی کیا تو ہارون ہارون الرشید کا لقب اختیار کر کے مسند آرائے خلافت ہوا۔ اور زبیدہ ساری دنیائے اسلام کی فیاض و ہر دلعزیز ملکہ بن گئی۔

دولت و حشمت نے ہارون کو اگرچہ ہزارہا پری جمال اور حور وش لونڈیاں دی تھیں اور اُس عہد کے مختلف مورخوں کو اتفاق ہے کہ ساری دُنیا کا منتخب حُسن بغداد کی حرم سرائے خلافت میں جمع تھا مگر زبیدہ کی لیاقت اور رشید کی نیک نفسی سے اصلی بی بی اور گھر کے مالک ہونیکا تاج زبیدہ ہی کے سر پہ رہا۔ رشید کے آخر عہد تک زبیدہ ہی سارے محل کی مالک تھی۔ اور رشید نے کبھی کسی معاملے میں اُس کی دلشکنی نہیں کی۔ آخر تیئیس سال تک اُسی ساری دنیائے اسلام کا سر تاج رکھ کے ۱۹۳ھ میں رشید نے جام فنا پیا اور زبیدہ کا بیٹا امین الرشید تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا مگر افسوس کہ امین بالکل شاہزادہ ہی تھا۔ عشرت پرستی اور لہو و لعب کے سوا اُسے ملک داری و ملک گیری میں دلچسپی نہ تھی۔ اس پر یہ قیامت ہوئی کہ مامون رشید کے ایسے لائق و ہوشیار اور ہر دلعزیز بھائی کی دشمنی پر آمادہ ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ہوئی مامون کے بعض سنگدل سپہ سالاروں کے ہاتھ سے امین

نہایت مظلومی کیساتھ مارا گیا اور مامون الرشید سارے مقبوضات خلافت کا مالک تھا۔
یہ وقت زبیدہ کے لیئے نہایت ہی نازک تھا۔ اور شاید اس سے زیادہ صدمہ اسے کبھی زندگی بھر نہ اٹھانا پڑا ہوگا کیونکہ اکلوتا بیٹا تخت سلطنت پر سے کھینچ کے مارا گیا اور وہ مجبور تھی کہ یہ سوتیلے بیٹے اور خاص اپنے لخت جگر کے قاتل کیسامنے سر اطاعت جھکائے اور راضی برضا ہوجائے۔ یہ کام اگرچہ بہت مشکل تھا۔ مگر اس لائق ضابطہ اور نیک ملکہ نے نہایت خوبی سے سرانجام دیا چند پرجوش و پرسوز اشعار کے ذریعے سے مامون پر اپنی فرمان برداری بھی ظاہر کردی۔ امین کی موت پر افسوس بھی ظاہر کیا اور ان لوگوں کی شکایت بھی کردی جنھوں نے امین کو بے رحمی سے قتل کیا تھا اور غالباً انہیں اشعار کا اثر تھا کہ اس کے بعد مامون کے دل میں اپنے اسی سپہ سالار کی جانب سے ایک دشمنی پیدا ہوگئی جس نے اسے تخت خلافت دلوایا تھا۔
بیٹے کے داغ سے زبیدہ کے دل کو چاہے کتنا ہی بڑا صدمہ پہونچا ہو۔ مگر مامون نے اس کے ساتھ ایسی سعادت مندی کا برتاؤ کیا کہ غالباً اس حسرت نصیب اور سبیدہ ملکہ کو اپنے بیٹے کی جگہ خالی نہ نظر آتی ہوگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مامون نے جب سنہ ۲۱۰ھ میں پوران بائیوں کہیئے کہ حسن بن سہل کی بیٹی پوران دخت کیساتھ نہایت ہی دھوم دھام سے اپنی شادی کی ہے اور دولہن تزک و احتشام سے لاکے حجلۂ عروسی میں بٹھائی گئی ہے اس وقت اس کے پاس یا تو خود اس کی ماں تھی یا زبیدہ خاتون جو یقیناً مامون رشید کی ماں کی جگہ لاکے بٹھائی گئی تھی۔ زبیدہ نے پوران دخت کو رونمائی کے طریقے سے ایک موتیوں کا جوڑا پہنایا ماں نے اس پر سے موتی پھینکا ور کیئے۔ اور مامون رشید نے آکے دولہن سے کہا "جو چاہتی ہو یا تمہیں جس بات کی آرزو ہو بیان کرو"۔ اتفاق تو دولہن خاموش رہی مگر جب اس کی ماں نے کہا کہ "تامل کس بات کا ہے جو کہنا ہو کہو"۔ تو اس نے صرف دو درخواستیں پیش کیں ایک یہ کہ ابراہیم بن مہدی کی خطا معاف کیجائے"۔ اور دوسری یہ کہ "زبیدہ خاتون کو حج کی اجازت دیجیئے"۔ ابراہیم بن مہدی تو دعوائے خلافت کرنیکا مجرم تھا۔ اور اس کے لیئے معافی کی سفارش کرنا بھی نہایت ہی مناسب امر تھا۔ مگر یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ زبیدہ کو اگر حج کا شوق تھا تو خود ہی اجازت کیوں نہ لی"۔ یا معلوم ہوتا ہے کہ

کرتا ہوں زبیدہ کو کسی حال میں اپنے پاس سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور اُسے اتنا بھی
گوارا نہ تھا کہ زبیدہ خاتون چند روز اسکی نظر سے دور رہ کر حج کر آئے۔ خیر ماہوش عجیبہ دولھن
کی دونوں درخواستیں پوری ہوئیں۔ اور اسی سال زبیدہ نے حج کی تیاریاں کر دیں
ابن خلکان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ کے اس حج کا واقعہ مصنفین میں مشہور
ہے۔ مگر افسوس کہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ورنہ پوری حالات تفصیل کیساتھ بیان کرتے
تاہم اس کے معلوم ہونے پر بھی اتنا جانتے ہیں کہ زبیدہ خاتون کا یہ حج رہتی دُنیا تک یادگار
رہیگا اور مسلمان اس عباسیہ خاتون کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہوسکیں گے۔ ارض
بطحا میں اور اپنے اجداد کے اصلی وطن میں آکے زبیدہ نے جو اور فیاضیاں کی ہیں سب
ایکطرف لیکن یہ ایک فیاضی کہ اُس نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ایک ایسی نہر جاری کرادی
جو ہمیشہ اور ہر موسم میں جاری رہتی ہے ایسی یادگار ہے جس کی جہاں تک قدر کیجائے کم ہے
عرب کا ملک جس میں کبھی کبھی پانی کا ایک ایک قطرہ انسان کی جان سے زیادہ قیمتی ہو جاتا
ہے اور جہاں چاہے کیسی ہی نہر لائی جائے اُسکے پانی کو خشک اور ریتلی زمین پی جاتی ہے
ایک چشمہ کا ہمیشہ اور یکساں شان سے جاری رہنا ایسا عجیب امر ہے جسپر جہانتک حیرت
کیجائے کم ہے اور جسے اگر زبیدہ کی ایک زندہ کرامت کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ حاجیوں
سے سنتے ہیں کہ یہ نہر دجلہ سے کھود کے لائی گئی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں دجلہ
اور کہاں مکہ و مدینہ لیکن جب اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ دجلہ سے نہیں لائی گئی ہے
تو متحیر مجبور ہو کے ماننا ہی پڑتا ہے کہ واقعی یہ بغداد کے سوا اور کہیں کی فیاضی نہیں ہو
سکتی۔ ہمارے خیال میں یہ نہر اس قابل ہے کہ اس کا شمار دنیا کے عجائبات میں کیا جائے۔
بلکہ موجودہ تمام عجائبات میں یہ نہر انسانی کمال کا سب سے زیادہ کامل اور حیرتناک نمونہ ہے
اس نہر کے جاری ہونے سے پیشتر مکہ معظمہ میں اتنا پانی جتنا کہ ایک دفعہ میں پیا جا سکے ایک
دینار یعنی ایک اشرفی کو ملتا تھا۔ یہ صرف اسی نہر کی برکت ہے کہ آج حاجی مکہ معظمہ میں اسی
آسانی سے سیراب ہوتے ہیں جس آسانی سے کہ ہندوستان میں لوگ گنگا کنارے سیراب
ہوا کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ اس نہر کے لانے میں دس میل کی مسافت

بڑی مشقتوں سے قطع کیگئی ہے اس لئے کہ پہاڑ کاٹے گئے بڑی بڑی چٹانیں توڑیں گئیں
تو یہ نہر مکہ تک لائی جا سکی۔ پھر اس نہر کے لانیکے ساتھ یہ امر اور زیادہ حیرتناک ہے کہ اسے
کھدے ایک ہزار ایکسو دس برس ہو گئے اور بغیر اس کے کہ کسی قسم کا فتور آئے آج تک حاجیوں
کو اسیطرح سیراب کر رہی ہے۔ اس عربیہ ملکہ کی یہی خوبی اور یہی زندگی بخش یادگار ہے جسکا
خیال فرما کے سعدی کہتے ہیں۔ ؎

مشکل زبیدہ ست بہر بیوہ

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ اپنی شان کے مناسب نہایت ہی فیاض و سیر چشم ملکہ
تھی ایک مرتبہ اپنا ایک باغ بنوا رہی تھی داروغہ نے آکے کہا "اس میں بڑا صرف ہوگا"!
بولی "میں جانتی ہوں مگر کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر مزدور پھاوڑے کی ہر چوٹ پیچھے ایک
اشرفی مانگیں تو بھی مجھے دینے میں تامل نہ ہوگا"!

ایسی نیک نفس اور آل ہاشم کی عصمت مآب خاتون کی جانب جب ہم بہت سے بیہودہ اور
بے اصل قصوں کو منسوب دیکھتے ہیں تو ہمیں افسوس معلوم ہوتا ہے۔ مورخین اسکی دینداری
کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ سو پڑھی لکھی لونڈیاں جن میں سب کی سب قرآن مجید کی حافظ
تھیں اُس کے محل میں صرف اس امر پر مامور تھیں کہ قرآن مجید کی خوش الحانی کیساتھ
تلاوت کیا کریں۔ ہر لونڈی پر فرض تھا کہ تین پارے روز ضرور پڑھے اُن کے باری باری
پڑھنے سے تلاوت قرآن کا سلسلہ ہر وقت قائم تھا اور... زبیدہ کے محل میں ہر وقت شہد
کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کیطرح ایک گونج کی آواز سنی جایا کرتی تھی۔

حج سے واپس آنیکے چھ ہی برس بعد ۲۱۶ھ میں اس نے انتقال کیا اور خاک بغداد
میں دبا دی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ام الخیر رابعہ البصریہؒ

مسلمانوں میں بہت کم لوگ ہونگے جو جناب رابعہ کے مبارک نام سے واقف نہ ہوں
اس نام کو مقبولیت عام اور لوگوں کی حسن عقیدت نے یہاں تک شہرت دی کہ آج مسلمان

گھرانوں میں اکثر خاتونوں کا نام رابعہ رکھا جاتا ہے عابدہ و زاہدہ عورتوں کی تعریف میں "رابعہ زماں" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مگر باوجود اس شہرت اور زندگی جاوید کے شاید شاذ و نادر ہی کوئی جانتا ہوگا کہ جناب رابعہ تھیں کون؟ کہاں تھیں؟ کب تھیں؟ اور ان کے کیا حالات ہیں؟

آپ کے والد کا نام اسمٰعیل تھا۔ خاک بصرہ کو آپ کا وطن ہونے پر ناز و فخر ہے۔ اور چونکہ عرب کے قبیلۂ بنی عدی سے علاقہ رکھتی تھیں جس میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ لہٰذا بصریہ کے ساتھ عدویہ بھی کہلاتی تھیں۔ آپ کے خاندان نے گردش زمانہ سے ایسا افسوسناک انقلاب دیکھا کہ آزادی ہاتھ سے کھو کے غلامی میں مبتلا ہوا اور اسی سبب سے آپ کی نسبت بصریہ و عدویہ ہونے کے ساتھ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ آپ آل عتیک کے گھرانے کی لونڈی تھیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ خود لونڈی رہی تھیں یا آپ کی ولادت سے پیشتر خاندان کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی۔

لیکن سچ کہا ہے۔ ع

ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

آپ کا زہد اتقا آپ کا علم و فضل۔ اور آپ کی خدا پرستی و پرہیزگاری اسقدر غالب آئی اور یہاں تک مشہور ہوئی کہ زمانہ اس دنیاوی ذلیل عیب کو بھول گیا۔ اور بصد دل ذوق و شوق سے آپ کی تعظیم و تکریم کر رہا ہے۔ جس گمنامی اور بے پروائی کا پردہ تمام خاتونان قوم کے حالات پر پڑا ہوا ہے اسی نقاب میں آپ کا روشن و نورانی چہرہ بھی نہیں چھپا نظر آتا ہے ہم نہیں جانتے کہ آپ کس سنہ میں پیدا ہوئیں۔ کیونکر اور کس حالت میں ولادت ہوئی اور کسطرح آپ نے وہ بزرگی و فضیلت حاصل کی جس کی بدولت اسلام آجتک آپ کے نام کا ادب کر رہا ہے۔ ہمیں جو کچھ بتایا گیا ہے صرف اسقدر ہے کہ اپنے عہد کے ممتاز و نمایاں لوگوں میں تھیں۔ زہد و عبادت بےنفسی و نفس کشی کی کوئی حد نہ تھی اہل تصوف کا سا ذوق و جذب آپ کے دل میں تھا۔ لہٰذا اللہ جل شانہ سے دعا کی کرتیں تو اسی وضع اور اسی طریقے سے جو صوفیوں اور فلسفۂ الٰہی کے رمز شناسوں کے ساتھ مخصوص تھا

مناجات میں درگاہِ رب العزت میں اکثر یہ دعا فرمایا کرتی تھیں "الٰہی تحرق بالنار قلبا یحبک" (خداوندا جس دل میں تیرا عشق ہو اُسے آگ میں جلا کے خاک کر دے) آخر ایک دن اُسی غیب کی آواز نے جس نے حضرت موسیٰ سے "انی انا اللہ" کہا تھا۔ جناب رابعہ کی اس دعا میں کہا "ہم ایسا نہیں کرتے۔ اور ہم سے ایسا بُرا گمان نہ رکھو"

جناب رابعہ اور سفیان ثوری میں باہم ربط و ضبط تھا اور وہ کبھی کبھی اس نیک اور خدا کے عشق میں ڈوبی ہوئی خاتون کی صحبت میں شریک ہوا کرتے تھے سفیان صحیح بھی اسلام کے دورِ اولین کے اُن گراں پایہ بزرگوں میں ہیں جن کی وساطت سے تمام دینی علوم حضرت رسالت سے ہم تک پہنچے ہیں اور بڑے باخدا مقبول روزگار لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے اُن کی زبان سے نکل گیا "واحزناہ!" (افسوس غم نہیں چھوڑتا) یہ سنتے ہی جناب رابعہ بولیں "سفیان جھوٹ نہ بولو۔ تمہیں تو کہنا چاہئے "واقلۃ حزناہ!" (افسوس ہمیں کتنا تھوڑا غم ملا ہے) اگر غم ہوتا تو تمہیں دم مارنے کی بھی مجال نہ ہوتی" یہ ایسا جواب تھا جس کے بعد یقیناً حضرت سفیان کو قائل اور متنبہ ہو کے خموشی ہی اختیار کر لینی پڑی ہوگی۔

رابعہ بصریہ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ میرے جو اعمال نیک ظاہر ہو جاتے ہیں انہیں میں شمار ہی نہیں کرتی۔ یعنی کالعدم خیال کرتی ہوں۔ اور واقعی ان پاک نہاد و پارسا بی بی کے حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ریاکاری سے بچنے کی وہ سب سے زیادہ کوشش کرتی ہیں جس اخلاقی مرض سے متقی و پرہیزگار لوگ بہت ہی کم بچ سکتے ہیں وہ خود ہی اس بُرائی سے نہیں بچتی تھیں بلکہ اور لوگوں کو بھی اس عیب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔ ہر شخص اور ہر گروہ سے اُن کی یہ عام نصیحت تھی کہ "جس طرح اپنے گناہوں اور عیبوں کو چھپایا کرتے ہو اُسی طرح اپنی نیکیوں اور اپنے بھلے کاموں کو چھپایا کرو"

جناب رابعہ کی اتقا و پرہیزگاری کا سب سے بڑا نمونہ یہ ہے کہ آخر میں انہوں نے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ اور جب کبھی کسی سے شاید بضرورت کے وقت بات کرتیں بھی تو صرف قرآن پاک کے فصیح و مبارک الفاظ میں۔ ایک مرتبہ حج سے واپس آتے وقت کسی رہگذار میں

تنہا پڑی رہ گئی تھیں۔ عبداللہ بن مبارک یا کوئی اور بزرگ ملے۔ اُن سے اول سے آخر تک اس نیک خاتون نے صرف قرآن کی آیات ہی کے ذریعے سے گفتگو کی۔ اور اس کمال کے ساتھ کہ اپنا گھر بار اور تمام حالات و واقعات قرآن ہی پڑھ پڑھ کے ظاہر کر دیے یہ قصہ اخلاق کی کتابوں میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ لہذا اُس کے مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہیں اسی قصہ میں جناب رابعہ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اپنے ما فی الضمیر کو قرآن کے الفاظ میں اس لیے ظاہر فرماتی تھیں کہ انسان کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے اُسے کاتبان اعمال لکھ لیتے ہیں۔ لہذا جب سوا قرآن کے کوئی کلمہ زبان ہی سے نہ نکلیگا۔ تو انہیں سوا نیکی کے کوئی برائی لکھنے کو ملے ہی گی نہیں یہ ہے اتقا اور یہ ہے پرہیزگاری جس کو ایک نیک نفس خاتون نے اس اعلے کمال پر دکھایا جو کمال کہ شاید مردوں میں سے بھی کسی کو نہ نصیب ہوا ہوگا۔

عبدہ بنت شوال ایک نیک خاتون اور خدا کی پاک بندی تھیں۔ انہیں جناب رابعہ سے بڑی محبت تھی اور شب و روز انہیں کی خدمت گزاری میں مصروف رہا کرتی تھیں وہ اپنی پاک باطن و نیک سیرت مخدومہ کے حالات میں فرماتی ہیں کہ ساری رات اللہ جل شانہ کی عبادت اور قیام و رکوع و سجود ہی میں صرف کر دیا کرتی تھیں مگر چونکہ تمام شب علی الاتصال عبادت کرنا سنت نبوی اور حضرت رسالت کے طریقۂ عمل کے خلاف تھا لہذا سفیدۂ صبح کے نمودار ہوتے ہی جا نماز پر لیٹ جاتیں۔ مگر ہنوز غنودگی نیند کے درجے تک نہیں پہونچنے پاتی کہ پھر اُٹھ بیٹھتیں اور اپنی اتنی غفلت پر بھی نہایت ہی خائف نظر آتیں۔ عبدہ فرماتی ہیں میں روز اسوقت انہیں اکثر یہی کہتے سنتی کہ اے نفس کتنا سوئیگا؟ اور کبتک سوئیگا؟ قریب ہے کہ تو اس نیند میں سو جائے جس سے سوا اس روز کے جب آواز صور پھٹکے مردے قبروں سے اُٹھ کھڑے ہونگے کبھی اُٹھنا نصیب ہی نہ ہوگا۔ الغرض مرتے وقت تک ان کا یہی معمول رہا۔

سچ یہ ہے کہ جن پاک نفس اور صادق الیقین لوگوں کو پیغمبر کی ترغیب و ترہیب کا کامل یقین ہو جاتا ہے آسی عالم کے حالات کو اپنا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اور جزا و سزا کی

سچی تصویر نظر کے سامنے جم جاتی ہے انہیں اس دنیا کی کسی مسرت اور زندگی کے کسی لطف میں کبھی مزہ نہیں آسکتا انہیں ہر راحت میں ہر تھکن اور ہر عیش سے دوچار ہوتے ہی انجام کی حالت یاد آتی ہے۔ اور فوراً ان تمام دنیوی مسرتوں کو چھوڑ کے نجات اُخروی کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی حالت جناب رابعہ کی تھی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ انہیں کسی دنیاوی مسرت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا۔

آخر ۱۳۵ھ ہجری میں اور بعض لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵ھ میں وصال کا وقت آگیا۔ مرض موت میں مبتلا ہوئیں۔ اور اگرچہ بیماری نے بہت کچھ ستایا ہوگا۔ مگر کبھی کو بلا کے پریشان کرنا نہ گوارا کیا۔ عبدہ جو مدت ہائے دراز سے خدمت کرتی رہی تھیں انہیں کی طرف متوجہ ہو کے بستر مرگ پر پڑے پڑے یہ وصیت کی کہ "عبدہ میری موت سے کسی کو تکلیف نہ دینا" یہ تھی سچی اور کامل شان بے ریائی کہ مرتے وقت بھی نہیں چاہتیں۔ کہ جنازہ دھوم دھام سے اُٹھے۔ اس کے بعد فرمایا "اور یہ جو کرتا جو میں پہنے ہوئے ہوں بس یہی میرا کفن ہے۔ تم اسی کو پہنا کے مجھ کو دفن کر دینا" یہ سیدھا سادہ اور موٹا جھوٹا کرتا بالوں کا یعنی کمل کا بنا ہوا تھا۔ نہ یہ کربلا کا کفن تھا اور نہ زمزم کے پانی میں دھویا گیا تھا۔ مگر ہاں اسے یہ سب سے بڑی فضیلت حاصل تھی کہ اسی کو پہن کے عبادت شب بیداری اور یاد الٰہی کرتے کرتے ایک مدت گزر گئی تھی۔ لہٰذا اس مرحومہ کے تقدس و زہد کا اس سے بہتر کوئی گواہ نہ ہو سکتا تھا غرض عبدہ نے انہیں اسی کرتے میں دفن کیا پھر سال بھر کے بعد ایک دن خواب میں دیکھا تو اس شان سے کہ نہایت ہی پُرتکلف سندس و استبرق کے حلّے پہنے ہوئی ہیں پوچھا "اے بی بی رابعہ وہ کملی کا کرتا کیا ہوا؟" جواب دیا "اب خدا نے اس کے عوض مجھے یہ کپڑے پہنا دیے ہیں۔ اور یہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ خدا کے دوستوں کے مراتب اور مدارج تم یہاں آکے دیکھو تو معلوم ہو کہ کیا ہیں۔ اور کیسے کیسے ہیں" عبدہ نے پوچھا "اچھا بتائیے عبیدہ بنت ابی کلاب کس حال میں ہیں؟" یہ بھی اس عہد کی ایک نیک خاتون تھیں۔ رابعہ نے کہا "وہ فضیلت اور رتبہ میں ہم سب سے بڑھ گئیں" پوچھا "کیوں؟"

کہا اس لیئے کہ انہیں اس کی بالکل پروا نہ ہوتی تھی کہ دنیا میں کیسی گذر رہی ہے۔ بس ان کی یہی بے نفسی خدا کو پسند آگئی"۔

مضغہ۔ مخہ۔ زبدہ

اسلام کے دور اولین کے متقی و پرہیزگار اور عابد و زاہد لوگوں میں ایک حضرت بشر حافی تھے جنکا نام صاحب ورع و تقوی لوگوں اور خاصۂ صوفیہ کی جماعت میں بہت مشہور ہے۔ یہ تینوں پاک نفس خاتونیں انہیں کی عابدہ و زاہدہ اور پاک نفس و پاک سیرت بہنیں تھیں۔ حافی عربی میں برہنہ پا کو کہتے ہیں بشر چونکہ اکثر ننگے پاؤں رہا کرتے تھے۔ لہٰذا حافی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بلکہ ایک دن یہ اتفاق پیش آیا کہ معافی بن عمران نام ایک بزرگ ان سے ملنے کو گئے اور دروازے پر جا کے زنجیر ہلائی۔ پوچھا گیا کون؟ جواب دیا بشر حافی۔ یہ جواب سنتے ہی اندر سے ایک لڑکی بولی۔ "اگر آپ دو چار آنے صرف کر کے ایک جوڑا جوتے کا مول لیتے تو پھر کوئی آپ کو حافی نہ کہتا"۔

بہر حال بشر حافی اپنے عہد میں نہایت ہی متقی و پرہیزگار مشہور تھے مگر باوجود اس زہد و تقوی کے انہیں اعتراف تھا کہ پرہیزگاری میں نے اپنی بہن سے سیکھی۔

ان تینوں خاتونوں کے والد کا نام حارث بن عبد الرحمن تھا۔ جو عبد اللہ نام ایک شخص کی نسل سے تھے۔ جس نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کیا تھا۔ اور واقعی وہ حضرت علی مرتضیٰ ہی کی برکت تھی۔ جو ان نیک نہاد خاتونوں۔ اور ان کے بھائی بشر حافی کے کمالات سے ظاہر ہوئی۔

ان کا اصلی وطن شہر مرو تھا جس کی سواد میں ۱۵۰ھ کے قریب کسی زمانے میں پیدا ہوئیں۔ مگر دینی کشش آخر الامر انہیں اور ان کے بھائی کو کھینچ کے بغداد لے گئی جو ان دنوں اسلامی حکومت کے ساتھ دینی برکتوں اور مذہبی کمالات کا بھی مرجع دنیا بنا ہوا تھا۔

جناب مضغہ تینوں بہنوں میں بڑی تھیں مگر زہد و عبادت اور تقوی و طہارت

میں تینوں بہنیں برابر تھیں اور جب کے حالات کو دیکھئے دوسروں سے بڑھی نظر آتی تھی۔ مضغہ نے اپنے بھائی کی زندگی ہی میں انتقال کیا اور جب یہ رخصت ہوئیں تو بشر حافی کو بڑا صدمہ ہوا۔ بہت روئے اور کہا "میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب کوئی بندہ خداوند جل و علا کی خدمتگزاری میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کے کسی انیس کو چھین لیتا ہے۔ اور دنیا میں میری انیس میری بہن مضغہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیشک مجھ سے عبادت و اطاعت الٰہی میں کوئی کوتاہی ہو گئی"

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ بیان فرماتے ہیں۔ ایک دن میرے سامنے والد کی خدمت میں ایک عورت آئی اور پوچھا "ابو عبداللہ میں اکثر راتوں کو چراغ کی روشنی میں بیٹھ کے چرخہ کاتا کرتی ہوں۔ مگر کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ چاندنی راتوں میں چراغ گل کر کے ماہتاب کی روشنی میں کاتنے لگتی ہوں۔ تو کیا ضرورت ہے کہ خریدار کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ سوت چاندنی کا کاتا ہوا ہے اور یہ چراغ کی روشنی کا ہے"۔ والد نے کہا "اگر دونوں سوتوں میں کچھ فرق ہوتا ہو تو بتا دیا کرو" پھر اس نیک بخت عورت نے پوچھا "اور حضرت مریض جو تکلیف سے کراہتا اور آہ آہ کرتا ہے تو اس سے خدا کی شکایت تو نہیں سمجھی جاتی؟" والد نے کہا "مجھے خدا سے امید ہے کہ یہ کراہنا شکایت نہ سمجھا جائیگا بلکہ یہ سمجھا جائیگا کہ اگر شکایت ہے تو خود حضرت رب العزت کی درگاہ میں"

یہ جواب پا کے وہ خاتون چلی گئی اور والد نے میری طرف دیکھ کے کہا "بیٹا جس قسم کے سوالات اس عورت نے پیش کئے ہیں ایسے سوالات کبھی کسی آدمی کی زبان سے نہیں سنے۔ ذرا جا کے دیکھو تو یہ کون خدا کی نیک بندی ہے" میں فوراً اٹھ کے اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور جب دیکھا کہ وہ بشر حافی کے گھر میں چلی گئی تو میں نے سمجھا کہ وہ ان کی مشہور عابدہ و زاہدہ بہنوں میں سے ایک ہے۔ جب یہ حال واپس آ کے جناب والد سے بیان کیا تو انھوں نے کہا بیشک ان کے سوا اور کوئی عورت ایسی متقی و پرہیزگار ہو سکتی ہی نہیں۔

اسی طرح عبداللہ بن احمد بن حنبل ایک واقعہ جناب مخہ کا بھی بیان کرتے

ہیں جو غالباً منجھلی بہن تھیں کہ انھوں نے آ کے ابا جان سے دریافت کیا کہ "میرا کل سرمایہ دو دانگ ہے (دانگ اس زمانے کا ایک بہت چھوٹا سکہ) اس کی روئی مول لیتی ہوں اور اس کا سوت کات کے نصف درہم کو بیچتی ہوں اور اس کی قیمت میں سے ایک دانگ میں اپنا ایک ہفتہ کاٹتی ہوں۔ اتفاقاً ایک رات کو ایک سواری نکلی جس کے ساتھ مشعل تھی اس کی روشنی میں میں نے دو پونیاں کات لیں اور اب مجھ کو اپنے دل پر بار نظر آتا ہے کہ خدا اُسکی بابت سوال کریگا تو کیا جواب دونگی لہٰذا مجھے اس تکلیف سے نجات دیجئے"۔ ابا جان نے کہا وہ دونوں دانگ خدا کی راہ میں صرف کر ڈالو اور کوئی سرمایہ نہ چھوڑو۔ اس لئے کہ کل کائنات یہی رقم اُن کے پاس تھی) اُمید ہے کہ خدا تمہیں اس کے عوض میں اس سے اچھا اور پاک سرمایہ دیگا۔ یہ جواب سن کے منہ کھلی گئیں۔ اور میں نے ابا جان سے کہا آپ نے ذرا تو نرمی کی ہوتی۔ انھوں نے فرمایا۔ بیٹا۔ اس نیک بخت نے سوال ہی ایسے عنوان سے کئے کہ مجھے تاویل کی ذرا گنجایش نہ تھی"

ان نیک نہاد اور پاک دامن خاتونوں کے زہد و اتقا کی جہانتک تعریف کیجائے کم ہے۔ اور مورخین ان کے ورع اور تقوای کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ خود بشر حافی کہتے ہیں کہ غذا میں نہیں یہاں تک احتیاط تھی کہ ہر چیز کو اس کی اصلی پیدایشی حالت میں کھانے کی کوشش کرتی تھیں اور جس کھانے میں انسان کی کاریگری کو دخل ہوتا اُس سے حتی الوسع احتراز کرتی تھیں چنانچہ اس بات کو حضرت بشر نے بھی ان سے سیکھ کے اختیار کیا۔ مگر ہاں ہندوستانی شریعت اور اٹک اس پار کی فقہ میں شاید اُن کی ساری پرہیزگاری اور نیک نفسی خاک میں ملجائیگی کیونکہ گھر کی چار دیواری چھوڑ کے باہر نکلیں اور امام احمد بن حنبل سے آ کے باتیں کرنے لگیں جو بالکل نامحرم تھے اور پہچانتے بھی نہ تھے کہ کون ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے مذہب میں عورت اسلام کے بھی خلاف کرتی ہے اور شرافت سے بھی دور ہو جاتی ہے۔

تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں ان تینوں بہنوں نے دنیا کو رخصت کیا خدا مغفرت کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رابعہ شامیہ

رابعہ بصریہ جن کو عرب کے قبیلۂ بنی عادی سے تعلق تھا۔ اُن کے حالات سے اس سے قبل کے صفحے رونق پا چکے ہیں۔ اب ہم اسی نام کی ایک اور صاحب دل اور ذی علم و ذی فضل خاتون کے حالات سے پبلک کو مطلع کرتے ہیں تاکہ لوگ دیکھیں کہ عورتوں میں کیسی کیسی خداشناس دیندار۔ اور صاحب علم و فضل بی بیاں گزری ہیں۔

ان نیک نفس اور ستودہ صفات بی بی کا نسب اور اُن کا صحیح زمانہ تو ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔ مگر ہاں اس امر میں سب کو اتفاق ہے کہ وہ بڑی پارسا و پاک طینت اور عابدہ و زاہدہ تہیں۔ علوم ظاہری کے علاوہ مراحل حقیقت اور مدارج عرفانی طے کر کے وہ اس درجے پر پہونچ گئی تہیں کہ بہت سے لوگوں نے اُن کے شمع ہدایت سے اپنے چراغ جلائے۔ اور اُن سے بہت سی کرامتوں کو ظاہر ہوتے دیکھا۔ معمولاً انکی یہ حالت رہتی کہ خداوند جل و علی کے عظمت و جلال کے خیال سے خائف رہتیں اور دل ہی دل میں کانپا کرتیں۔ پھر اسی حالت میں جب عشق الٰہی کے جذبات میں جوش پیدا ہوتا تو یہ اشعار پڑھا کرتیں ؎

حَبیبٌ لَیْسَ یعدلہ حبیبٌ   وَمَا لسواہُ قلبی نصیبٌ

وہ ایسا حبیب ہے کہ اور کوئی حبیب اُس کا سا نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کے سوا اور کسی کو میرے دل میں جگہ نہیں مل سکتی۔

حبیبٌ غابَ عن بصری و شخصی   ولکن عن فوادی ما لغیب

اور وہ ایسا حبیب ہے کہ میری نظر کے سامنے سے تو غائب ہے لیکن دل میں سے نہیں جاتا۔

مگر باوجود اس خداپرستی اور اس معرفت اور حقیقت شناسی کے اس پاک خاتون میں وہ رہبانیت نہیں پیدا ہونے پائی تہی جو اکثر عباد و زہاد میں نفس کشی کرتے کرتے پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس کی بدولت وہ اکثر اسلامی تعلیمات سے دور جا پڑتے ہیں۔

آپکے پہلے شوہر انتقال کر چکے تھے۔ قرآن کا وہ تاکیدی حکم جو بیوہ عورتوں کے عقد کے متعلق ہے یاد آیا۔ اور آمادہ ہوئیں کہ کسی نیک نفس عالم اور دیندار فاضل سے نکاح کر لیں۔
احمد بن ابی الحواری ان دنوں علمائے گراں پایہ میں شمار کئے جاتے تھے اور مرجع امت بنے ہوئے تھے انہیں سے نکاح کی خواہش کی۔ علامہ مذکور کو افسوس ہوا اگر ایسی نیک نہاد خاتون کی درخواست کی قدر نہ ہوئی۔ جواب دیا "میں اپنے حال میں اسقدر مبتلا ہوں کہ متاہل ہونے کی فرصت ہی نہیں"۔ رابعہ نے یہ انکاری جواب سن کے کہلا بھیجا "خدا کی قسم میں آپ سے زیادہ اپنے حال میں مبتلا ہوں۔ یہ جو میں نے عقد کی درخواست کی اس سے میری غرض خواہش نفس نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ چاہتی ہوں کہ پہلے شوہر میرے پاس بہت کچھ مال و دولت چھوڑ گئے ہیں اُسے آپ کے سپرد کر دوں تاکہ آپ مناسب دیکھ کے خدا کے نیک بندوں اور فقیروں پر اُسے صرف کریں۔ اور میری آپ کے ذریعے سے اولیاء اللہ اور خدا کے دوستوں تک رسائی ہو"۔ یہ جواب سن کے شیخ ابن ابی الحواری اپنے استاد ابو سلیمان دارانی کے پاس دوڑے گئے۔ اُن سے ساری سرگذشت بیان کی اور کہا "آپ کیا فرماتے ہیں میں اس خاتون سے عقد نکاح کر لوں یا نہ کروں؟" استاد نے اجازت دی۔ وہ راضی ہوئے اور ساتھ ہی جناب رابعہ شامیہ ان کی پاک نہاد بی بی بن گئیں۔ مگر ہمیں حیرت ہے کہ ارض شام میں نہ کہ ارض دہلی ہے نہ فنس ہے۔ یہ نیک بی بی بغیر ہندوستانی مذاق کی بے عزتی گوارا کئے اپنے علامۂ وقت شوہر کے گھر میں کیونکر آئی ہونگی؟
اب جناب رابعہ عبادت الٰہی کے علاوہ اپنا سارا وقت شوہر کے خوش کرنے اور اُن کو راحت پہونچانے میں صرف کرتی تھیں۔ چنانچہ خود امام مذکور کو اعتراف ہے کہ "وہ میرے لیے طرح طرح کی غذائیں پکاتیں میرا لباس درست کرتیں۔ کپڑوں میں عطر لگاتیں۔ اور اس طرح مجھ کو آراستہ کر کے کہتیں کہ اپنی بی بیوں کے پاس جاؤ۔ اور جن بی بیوں کے پاس بھیجتیں اُن کی یہ سرگزشت تھی کہ جناب رابعہ کے عقد سے پہلے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ احمد ابن ابی الحواری کی کوئی اہلیہ بی بی نہ تھی خود انہوں

نئی بی بی بننے کے بعد ان کے تین اور نکاح کرائے تاکہ وہ خوش رہیں اور یہ نہ خیال کریں کہ وہ ان کے آرام اور حظوظ میں خلل انداز ہونا چاہتی ہیں۔

اگر غور سے دیکھو تو اس سے بڑی کوئی نفس کشی نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی عورت کے دل کی اس وقت کی حالت دریافت کرنی ہو جب اس کا شوہر کسی اور سوت کو لا کے گھر میں بٹھا دے تو مردوں کے دل کو اس وقت دیکھو اور ٹٹولو۔ جب انہیں معلوم ہو کہ ان کی جورو کو کسی اور سے تعلق ہے۔ ایسے وقت کے جوش کے دبانے سے زیادہ کوئی نفس کشی نہیں ہو سکتی۔ مگر چونکہ مرد کے لیئے شرعاً چار بی بیاں جائز ہیں۔ لہذا رابعہ نے خود ہی تین بی بیاں اپنے شوہر کے پاس بڑی خندہ پیشانی سے لا کے بٹھا دیں اور اسی قدر نہیں بلکہ شوہر کو ان کی صحبت کے لیئے روز بنا بنا چنا یا کرتی تھیں۔

دیکھو ایسا ہی عورت کا نفس۔ اور ایسی ہی اسکی وفاداری جس کا شکریہ درکنار ہمارے وطن کے ناحق شناس مرد الٹے شکایت کیا کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ جو عورت کے ان حقوق کا شکر گذار نہ ہو وہ خدا کی نعمتوں کا بھی شکر گذار نہیں ہو سکتا۔

اس بارے میں رابعہ ممدوحہ کا صبر اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ سننے والوں کو حیرت ہو جاتی تھی۔ چنانچہ وہ ایکدفعہ اپنی استاد طریقت حکیمہ دمشقیہ کے پاس گئیں جو اس دور کی ایک بڑی عالمہ و فاضلہ اور دیندار و خداشناس خاتون تھیں اور بہت بڑی عارفہ رموز طریقت مانی جاتی تھیں۔ حکیمہ اسوقت تلاوت قرآن میں مشغول تھیں۔ رابعہ کو دیکھا کے پوچھنے لگیں "میں نے سنا ہے کہ تمہارے شوہر احمد بن ابی الحواری کوئی اور نکاح کرنے والے ہیں؟" (اس وقت تک انکا کوئی اور نکاح نہیں ہوا تھا) رابعہ نے کہا "جی ہاں ان کا ارادہ تو ہے" حکیمہ نے حیرت کے لہجے میں کہا "ایک عقلمند شخص اپنے نفس کو خدا کی طرف سے ہٹا کے دو عورتوں کی طرف کیونکر مشغول کر سکتا ہے؟" اس کے بعد انہوں نے قرآن کی وہ آیت جو تعدد ازدواج کے متعلق ہے پڑھی اور بہت ہی شرح و بسط سے اسکا مطلب بیان کیا جو غالباً وہی ہوگا۔ جو آجکل کے محققین کہتے ہیں کہ "اگر عدالت نہ کر سکو تو ایک ہی عورت پر کفایت کرو" لیکن اپنی خداشناس استانی کے اس قول کی

رابعہ نے کچھ پروا نہ کی اور ان کے بعد والی نکاحوں میں شوہر کی یہاں تک شیدا رہیں کہ انہیں
دوسری بی بیوں کے لئے آراستہ کیا کرتی تھیں۔

شہدہ کاتبہ

یہ عالمہ و فاضلہ اور فریدۂ عصر خاتون علامہ ابو نصر احمد بن فرج بن عمر ابری کی صاحبزادی تھیں ایران و عراق کے درمیان میں جو سلسلۂ کوہ واقع ہے۔ اُس کے قدیم تاریخی شہر دینور نے جن مشہور روزگار اور قابل فخر بزرگوں کو دنیا کے سامنے پیش کر کے چمکایا انہیں میں ایک علامہ ابو نصر ممدوح بھی تھے جو وطن کے لحاظ سے دینوری اور پیشہ اور ذریعۂ معاش کے خاندانی تعلقات کے اعتبار سے ابری کہلاتے تھے۔ ابر عربی میں سوئی کو کہتے ہیں ان کے اجداد میں کسی نے کسی زمانے میں اس چھوٹے سے آلۂ کاریگری کو ذریعۂ معاش قرار دیا تھا جس کی رعایت سے ساری خاندان نے جو "الکاسب حبیب اللہ" کی بشارت سن چکا تھا ابری کے لقب کو شعار خاندانی قرار دے لیا۔ بغداد کی خاک ان دنوں علما و فضلا اور ہر قسم کے باکمالوں کے مقابلے میں ایک پرزور مقناطیس کا اثر رکھتی تھی۔ جہاں اس کشش نے اور بہت سے کاملین فن کو اپنی طرف کھینچا وہاں علامہ ابو النصر کو بھی کھینچ کے اپنی آغوش میں لے لیا۔

یہاں غالباً چند ہی روز قیام کیا تھا کہ تقریباً ۴۸۲ھ میں اُن کی پاک دامن بی بی کے بطن سے شہدہ پیدا ہوئیں جن کے لیئے زمانے نے بہت سے علمی اور ناموری کے خزانے مقرر کر رکھے تھے۔ فاضل عصر باپ کی تعلیم و تربیت نے چند روز میں اس درجے اور اس رُتبے کو پہونچایا کہ مورخین اس عصمت مآب اور فاضلہ بے ہمتا خاتون کو فخر النساء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور اُن کا شمار علمائے نامدار اور فضلائے گراں پایہ میں کیا گیا ہے۔ اکثر طلباء علم و فضل کے شوق میں کتابت کی طرف سے غافل ہو جاتی ہیں اور لکھنے کی اتنی مشق نہیں کرتے کہ خط درست ہو مگر جناب شہدہ نے پدر بزرگوار کی مدد اور آزاد خیالی کی تعلیم سے اپنا خط ایسا درست کیا کہ تحریر دیکھ کے لوگ عش عش کرتے

تھی لکھتی نہیں بلکہ موتی پروتی تھیں اور اسی وجہ سے مورخین جہاں انہیں عالمہ و فاضلہ
کے معزز و قابل فخر اوصاف سے یاد کرتے ہیں وہاں کاتبہ کے خطاب سے بھی شہرت دیتے ہیں
اور بیان کرتے ہیں کہ اس نیک خاتون کا خط نہایت شیریں - پاکیزہ اور پسندیدہ تھا۔

اس فاضلۂ روزگار خاتون کی خوش نصیبی سے بغداد میں اُن دنوں ہندوستان کا سا
پردہ اور مردوں میں یہ جنون کے درجہ کو پہونچا ہوا وہم نہ تھا مگر باپ کی صحبت و علم سے پورا
نفع اٹھانے کے بعد انہیں دیگر مدرسوں اور درسگاہوں میں جانے اور نامحرم اساتذۂ
عصر کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا موقع مل گیا پہلے ابو الخطاب نصر بن احمد بطردانی
کے حلقہ درس میں گئیں - اور وہاں کی طرز تعلیم کے مطابق متبحر استاد کے پر مغز لکچر سُنے -
کچھ اسی ایک درسگاہ پر نہیں موقوف ہے - اُس عہد کے قریب قریب کل سرچشمہ ہائے علم و
فضل پر پہونچ کے وہ سیراب ہوئیں - ابو عبد اللہ حسن بن احمد نعمانی ....
.... ابو الحسین احمد بن عبد القادر بن یوسف اور فخر الاسلام
ابوبکر محمد بن احمد شاشی - یہ تمام وہ گردوں وقار اور ذی فضل و ذی علم اساتذہ ہیں
جن کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا فخر فاضلہ شہدہ نے حاصل کیا جن کی شاگردی
کی جن کے دینی و علمی لکچر سُنے اور جہاں تک ہم پتہ لگا سکتے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ
سب بزرگوار نامحرم تھے۔

استنے مدارج طے کرنے مصیبتیں جھیلنے - ایک ایک کے آگے کتاب کھولنے کی یہ برکت
تھی کہ چند روز بعد شاگردی اور طالب علمی کے حلقے سے نکل کے فضیلت کی مسند اور اُستادی کے
شہ نشین پر جا بیٹھیں - اب وہ دور گزر گیا تھا جبکہ وہ علم کی شمعوں پر پروانے کی طرح ٹوٹتی
تھیں بلکہ خود شمع علم بنی ہوئی تھیں - اور چاروں طرف سے طلبہ اور شائقین علم و فضل
کا اُن کے گرد اور اُن کے دروازے پر ہجوم تھا - نام شہرت کے پروں سے اُڑ کے دور دور
پہونچا - ان کے تبحر و کمال علمی کا ہر جگہ چرچا ہوا اور سب طرف سے طالبان علم آنے لگے -
اب وہ نہایت فصاحت و بلاغت سے علوم دینیہ اور نکات حکمیہ پر لکچر دے رہی تھیں - اور طلبہ
ان کی مبارک زبان سے سن سن کے اور ان کی بارگاہ علم سے سندیں حاصل کر کر کے ہر طرف

جاتے اور ان کی روایت سے احادیث و علوم کو دنیا میں پھیلاتے تھے۔ اور اسی وجہ سے مورخین دعویٰ کرتے ہیں کہ فاضلۂ شہدہ اُس پائے کی عالمہ تھیں کہ بزرگوں کے فیوض علمی ان کے ذریعے سے بعد والوں میں پہونچے۔ اور روایات حدیث میں وہ ایک کڑی تھیں جس نے نیچے والوں کا سلسلہ اوپر والوں سے ملا دیا۔

جناب شہدہ کے متقی و پرہیزگار اور صاحب علم و فضل والد جن دنوں بغداد میں درس دیتے تھے اور شب و روز اتقا و زہد میں مصروف رہتے تھے ایک لائق طالب علم نے جو علی بن محمد بن یحییٰ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے علامہ ممدوح سے علم و فضل حاصل کیا۔ ذہانت و ذکاوت کا جوہر دکھایا اور اسکے علاوہ تمام طلبہ سے زیادہ فرید عصر اُستاد کی خدمت و اطاعت کی۔ مثل مشہور ہے۔ ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

یہی بے نفسی و سعادت مندی گران پایہ استاد کے دل میں ایسا اثر کر گئی کہ لائق و ہونہار شاگرد سے محبت کرنے لگے اور چند روز میں اپنی فاضلۂ عصر لخت جگر اور عصمت مآب بیٹی شہدہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ الغرض اس طریقے سے جناب شہدہ علی بن محمد کی بی بی بنیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فاضلہ شہدہ کا عقد کس سنہ میں اور کس عمر میں ہوا۔ مگر یقیناً بیس برس سے زیادہ عمر ہوگی اسلیئے کہ شادی کے بعد ۲۳ جمادی الاول ۵۰۶ھ میں جب ان کے والد ماجد ابو نصر احمد کا انتقال ہوا ہے اس وقت ان کی عمر تقریباً بائیس سال کی تھی۔ اور ان کے شوہر ان سے گیارہ برس بڑے تھے کیونکہ وہ ۴۷۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

علی بن محمد نے اول تو خود ہی اُستاد کی جوتیاں سیدھی کر کے اور سعادت مندی کے جوہر دکھا کے بہت کچھ علم و فضل حاصل کر لیا تھا۔ اب شہدہ کاتبہ کی سی فاضلۂ عصر استاد زادی کو مونس و ہمدم اور رفیق زندگی بنا کے ترقی کی دنیا میں قدم بڑھانا شروع کیا جسمیں یقیناً سب سے زیادہ دخل عالی مرتبہ بی بی کی صلاح نیک اور ہمدردی و ہم آہنگی کو تھا۔ شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد ابو نصر احمد کے اس شاگرد رشید نے

ادب وانشا اور شاعری وسخن سنجی میں اپنے آپ کو اسقدر ممتاز کیا کہ تقادیر نے یاوری کرکے
خلیفہ بغداد المقتفی لامر اللہ کے دربار میں پہونچایا۔ اور اُس کے تھوڑے زمانہ کے بعد جو دیکھا
تو وہ طالب علم بغداد کا ایک رئیس اعظم۔ رکن رکین اور علی بن محمد کے عوض ثقۃ الدولہ کے
خطاب سے مشہور تھا۔

عالمہ وفاضلہ بی بی کے علم وفضل نے اب شوہر کی امارت کے پہلو سے علم پرستی و
دینداری کا یہ جوہر دکھایا کہ دریائے دجلہ کے کنارے جہاں الف لیلہ کے قصوں نے بڑی
بڑی دلچسپیاں دکھائی ہیں ان میاں بی بیوں کی فیاضی وسرپرستی سے شافعی طلبہ کیلئے ایک
عالیشان مدرسہ تعمیر ہوا۔ اُس کے متصل صوفیوں کی ریاضت ونفس کشی کیلئے ایک
خانقاہ قائم ہوئی۔ ان دونوں پر بہت سی جائدادیں وقف ہوئیں اور وہ ایسے علمی و دینی
سرچشمے جاری ہوگئے جن سے خدا جانے کتنے زمانے اور کتنی صدیوں تک اہل عالم سیراب
ہوتے رہے ہونگے۔

آخر ثقۃ الدولہ علی بن احمد نے کامیابی ونا موری اور نیک نامی کی زندگی حاصل کرکے
اور فیاض وعالمہ بی بی کے طفیل میں زندگی جاوید کے رجسٹر میں اپنا نام لکھا کے ایک
منگل کے دن ۱۶ شعبان ۵۶۹ھ کو عالم آخرت کی راہ لی۔ اور جامع رحبہ کے قریب خاص
اپنے مکان میں دفن ہوئے۔

بیوی اپنے شوہر کی ایسی دلدادہ اور عاشق زار تھیں کہ مرنے کے بعد بھی شوہر
کی خاک کو جدا رکھنا نہیں پسند کیا۔ بلکہ اپنے گھر ہی میں اور اپنی نظر کے سامنے رکھا۔ اور غالباً
وصیت کردی کہ جب میں مروں تو اُن کی ہڈیاں میرے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کردی
جائیں جسکا ثبوت فاضلہ شہدہ کی وفات کے حالات سے ملجائیگا۔ شوہر کی وفات
کے وقت اُنکا [illegible] کی عمر ۷۶ برس کی تھی لیکن ابھی انہیں زندگی کے بہت دن [illegible]
کرنے تھے [illegible] اور اُنکو تنہائی کی حیات بسالت کی طرح یہ خوش نصیبی
بھی اُن کو حاصل ہونیوالی تھی کہ ایک بہت بڑی عمر پاکے اور اہل عالم کو بہت زیادہ اور
ایک طویل زمانے تک فائدہ پہونچا کے دنیا سے رخصت ہوں۔ چنانچہ مفارقت شوہر

سو کچھ اوپر پچیس سال بعد نوے برس سے زیادہ عمر پاکے ایک یکشنبہ کے دن ۳ محرم الحرام سنہ ۵۷۴ھ کو نماز عصر کے بعد اُس عالمہ جلیلہ اور فاضلہ وحیدہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور غالباً جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں انہیں کی وصیت کے مطابق شوہر کی ہڈیاں بھی نکال کے بغداد کے باب ابرز کے حوالی میں مدرسۂ تاجیہ کے قریب دونوں میاں بی بی مدفون ہوئے۔ اللّٰھم اغفر لہما وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

عُلیّہ بنت مہدی

یہ خاتون محترم تیسرے خلیفہ بنی عباس یعنی مہدی کی بیٹی اور مشہور خلیفۂ بغداد ہارون رشید کی بہن تھی۔ ان کی ماں مروان کے گھرانے کی ایک لونڈی تھی جو مکنونہ کہلاتی تھی اور اپنی لیاقت و شہرت اور موسیقی میں کافی دستگاہ رکھنے کی وجہ سے عالی مرتبہ خلیفۂ آل عباس کے خلوت گاہ میں پہنچ گئی۔ مہدی کی محبوبہ بی بی خیزران جس کے بطن سے ہارون رشید پیدا ہوا ہی کہتی ہے کہ مجھے مہدی کی اور کسی بی بی سے نہیں دبنا پڑا سوا مکنونہ کے جو اُس کے دل پر بہت حاوی تھی۔ جبتک خلیفہ منصور یعنی مہدی کا باپ زندہ رہا اس وقت تک مہدی نے اپنے اور مکنونہ کے تعلق کو چھپایا۔ یہاں تک کہ اُس کے بطن سے علیہ پیدا ہوئی۔

علیہ چونکہ خلافت کی گود میں اور ایسی ماں کے بطن سے پیدا ہوئی تھی جو علم موسیقی میں کافی دستگاہ رکھتی تھی۔ لہذا اُس کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ ماں نے گانے بجانے کی بھی تعلیم دی۔ اور ایسا باکمال بنا دیا کہ بہت کم لوگ تھے جو اُس دور میں علم موسیقی

میں اس عباسیہ شاہزادی کا مقابلہ کر سکتے ہوں۔

اس موقع پر ہمیں اتنا اور بتا دینے کی ضرورت ہے کہ علیہ جس زمانے اور جس دور میں تھی اُن دنوں گانا اتنا معیوب نہ تھا جتنا کہ اب سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ خلفا جو بہت کچھ پابند شرع تھے کامل مغنیوں کی قریب قریب ویسی ہی قدر کرتے تھے جیسی کہ علما و فضلا اور دیگر باکمالوں کی قدر کیجاتی تھی۔

علیہ کی پیشانی پر کوئی داغ تھا جو دیکھنے میں بدنما معلوم ہوتا تھا اُس کے چھپانے کے لیئے علیہ نے ایک خوشنما اور مرصع مطلا سر بند باندھنا شروع کیا۔ جو بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا اور عام عورتوں میں اس قدر پسندیدہ ثابت ہوا کہ اکثروں نے اسے وضعداری اور زینت و زیبایش میں داخل کر لیا۔

یہ شاہزادی علاوہ خوش گلوئی۔ کمالات موسیقی اور نہایت ہی خوش الحانی سے تلاوت قرآن کرنے کے پڑھی لکھی اور بہت اچھی شاعرہ بھی تھی ہم جانتے ہیں کہ ایک عورت کی نسبت چاہے وہ کتنے ہی بڑے گھرانے کی ہو یہ سن کے کہ وہ گانے میں کمال رکھتی تھی۔ اور شاعرہ بھی ہمارے دوستوں اور ہم وطنوں پر اچھا اثر نہ پڑیگا۔ مگر اس کے بعد یکایک یہ سن کے وہ حیرت کر جائینگے کہ علیہ باوجود ان دنیاوی فنون میں کمال رکھنے اور عیش و عشرت کے سامانوں پر قادر ہونیکے بہت بڑی عابدہ و زاہدہ اور اول درجے کی پارسا و عفت شعار تھی۔ اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جن چند دنوں میں ہر مہینے عورتوں کو نماز معاف ہوتی ہے صرف انہیں معدودہ ایام میں اگر جی چاہتا تو گاتی ورنہ ہرگز نہ گاتی تھی! افسوس کہ اُس کی نظر سے ہمارے نوجوان علمائے فرنگی محل کی اس تازہ تصنیف کے مضامین نہیں گزرے تھے ورنہ ہر وقت گانے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتی

طاہر ہو جانے کے بعد پھر وہ قرآن خوانی اور مطالعۂ کتب میں مصروف ہو جاتی۔ اور اب تفریح طبع کیلئے اگر کبھی جی چاہتا تو شعر البتہ کہنے لگتی۔ مگر ہاں اس سے مجبور تھی کہ بھائی خلیفہ ہارون الرشید جسے اُس کے بغیر کسی بات میں لطف ہی نہ آتا بلاتا اور زبردستی مجبور کر کے گواتا۔

اُس کی پاکبازی اور پابندی شرع کی یہ حالت تھی کہ لوگوں میں تو مشہور تہا کہ علیّہ اور اسکے سگے بھائی ابراہیم ابن مہدی سے بہتر موسیقی دان بھائی بہن کسی خاندان میں نہ جمع ہوئے ہونگے (اس لیئے کہ ابراہیم بھی باوجود شاہزادگی کے اور ایک زمانے میں چند روز کے لیئے خود خلیفہ ہو جانے کے اس عہد کا بہت بڑا مغنّی تہا) اور خود علیّہ کا یہ قول تہا کہ ”خدا نے جو چیز حرام کی ہے اس کے عوض کوئی نعمت حلال بھی کر دی ہے۔ پھر کسی کو ضرورت ہی کیا پڑی ہے کہ اس کی نافرمانی کرے اور اس کے حدود کو توڑے“

علیّہ کے بھائی ابراہیم کو اگرچہ کمال موسیقی کے لحاظ سے اُس وقت کے تمام موسیقی دانوں پر فوقیت حاصل تھی اور سوا اسحاق موصلی کے جو اُس دور کا سب سے بڑا کامل مغنّی تہا کوئی اسکا مقابلہ نہ کر سکتا تہا۔ مگر پھر بھی سب لوگوں کو اعتراف تہا کہ علیّہ کے کمالات اپنے بھائی سے بڑھے ہوئے تھے۔

ان دنوں شعرائے عرب کا معمول تہا کہ شعر کہتے تو کسی نازنین کو نام لیکے اپنا مخاطب ضرور بنا لیتے۔ اگرچہ ان میں اکثر [illegible] پاکبازی کا مادہ ہوتا تہا۔ مگر یہ ظاہری طرز عمل بھی شرفا کو اکثر بہت ہی ناگوار گزرا کرتا تہا۔ علیّہ نے یہ غضب کیا کہ ہارون رشید کے ایک غلام طل کو اپنی شاعری کا مخاطب بنایا اور اُس کی محبت میں اپنے جوش کو اشعار کے ذریعے سے ظاہر کرنے لگی۔ رشید کو جب یہ معلوم ہوا تو نہایت ہی برہم ہوا۔ تاہم بہن کی محبت نے اس کی اجازت نہ دی کہ کسی سختی کا برتاؤ کرے۔ ہاں اتنا کیا کہ علیّہ کو بلا کو قسم دلا دی کہ بہن دیکھو اب کبھی طل کا نام زبان پر نہ لانا۔ اب علیّہ نے اس وقت سے طل کی شان میں شعر کہنا چھوڑ دیا۔ تاہم رشید کے دل میں تہوڑی بہت بدگمانی ضرور تھی۔ ایک دن رات کو علیّہ کے حجرے کے دروازے کے پاس چھپ کے کھڑا ہوا۔ علیّہ اسوقت نہایت خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہی تھی اور اس کی آواز رشید کو بے صبر کیئے دیتی تھی کہ قرآن پڑھتے پڑھتے علیّہ اُس آیت پر پہنچی ”فان لم یصبہا وابل فطل“ اور بجائے اس فقرے کے کہ ”طل“ کا لفظ زبان سے نکالے پڑھ گئی ”وابل فالذی نہانا عنہ امیر المؤمنین“ [illegible]

رشید میں پھر کہاں تاب تھی۔ دوڑ کے لپٹ گیا اُسکا منہ ... چومنے لگا اور کہا در اصل میں کسی بات سے نہیں منع کرتا۔ تمہارا جو جی چاہے کرو۔ اور اپنا غلام طل بھی اُسی کو دیدیا۔ مگر اس کے بعد پھر سوا پاکدامنی اور نیک نفسی کے علیہ سے کوئی ایسا فعل نہیں سرزد ہوا جس پر اُسے الزام دیا جا سکے۔

کچھ اسی واقعہ پر منحصر نہیں۔ ہارون رشید کو اپنی بہن علیہ کے ساتھ اسقدر محبت تھی کہ اکثر بغیر اس کی موجودگی کے کسی صحبت میں مزہ ہی نہ آتا اس کا عقد غالباً ہارون رشید ہی کے زمانے میں موسیٰ بن علی کے ساتھ ہو گیا تھا۔ جو نسل عباس میں نہایت ہی باوقعت رتبہ رکھنے کی وجہ سے اُس دور میں شاہزادگی کی شان رکھتا تھا مگر مورخین اس امر سے بالکل ساکت ہیں کہ یہ شادی کب ہوئی اور شوہر کا علیہ کے ساتھ یا علیہ کا شوہر کے ساتھ کیا برتاؤ رہا۔ زیادہ تر علیہ کو ہم رشید ہی کی صحبت میں پاتے ہیں۔ اور اس صحبت میں رشید اس کی موجودگی کو اسقدر ضروری خیال کرتا تھا کہ ایک مرتبہ علیہ حج کعبہ کو گئی۔ واپسی کے وقت غالباً کسل راہ سے تھک کے مقام طیرناباذ میں چند روز کے لئے فروکش ہو گئی۔ یہ خبر رشید کو پہونچی تو خفا ہوا۔ اور علیہ نے تین چار نہایت ہی دلچسپ اور پُر معنی شعر کہہ کے اپنے آقا اور تاجدار بھائی کی ناراضی دور کی۔

ایک مرتبہ رشید رے کے سفر میں بہن کو پُر تکلف محمل میں بٹھا کے ساتھ لیچلا۔ مرج نام ایک منزل میں شاہی سواری ٹھہری۔ اور رشید بیٹھ کے لطف صحبت اٹھانے لگا۔ علیہ نے اس موقع پر چند پُر جوش شعر کہے اُن میں نہایت ہی دلکش دھن قائم کی۔ اور رشید کو گا کے سنایا۔ جن میں ظاہر کیا تھا کہ وہ جیسے ایک غریب الوطن مقام مرج میں اپنی مصیبت پر رو رہا ہے۔ جن لوگوں سے محبت تھی وہ دور ہیں۔ اور اُس کی یہ حالت ہے کہ وطن کیطرف سے جب ہوا چلتی ہے تو [illegible] دوڑ دوڑ کے سونگھتا ہے کہ شاید ان میں بوئے وطن آجائے [illegible] ان اشعار نے ایک خوش گلو صاحب علم اور علم موسیقی میں کمال رکھنے والی بہن کی زبان سے ادا ہوتے ہی رشید کے دل پر کیا اثر کیا ہوگا۔ سمجھ گیا کہ بہن کا سفر میں دل نہیں لگتا۔ فوراً واپسی کی اجازت دیدی۔

اور علیہ راستہ ہی سے پلٹ کے بغداد میں آ گئی۔

آخر جب زمانے نے ہارون رشید سے سریر خلافت کو خالی کرایا تو علیہ کو بہت ہی صدمہ ہوا۔ جیسی محبت بھائی کو بہن سے تھی۔ ویسی ہی بہن کو بھائی سے بھی تھی رشید کے بعد علیہ کی زندہ دلی اور بذلہ سنجی میں بالکل فرق آ گیا۔ اور قسم کھائی کہ اب نہ گاؤں گی۔ مگر زبیدہ کے بیٹے امین الرشید نے تخت پر بیٹھنے کے بعد خوشامد درآمد کر کے یہاں تک اصرار کیا کہ آخر گواہی کے چھوڑا۔ مگر اب اس بجھے ہوئے دل کے ساتھ گانے میں وہ لطف کہاں ہو سکتا تھا؟

تھوڑی ہی مدت نے زمانہ نے آخر امین کا بھی ورق الٹا۔ اور مامون رشید سریر آرائے خلافت ہوا موسیقی سے مامون کو بھی انتہا ذوق تھا۔ اور کیونکر ممکن تھا کہ جس لائق پھوپی کا نغمہ امین نے زبردستیاں کر کے سنا تھا وہ بھی نہ سنتا۔ غرض علیہ کو مامون کیسامنے بھی گانا پڑا۔ مگر مامون نے غضب ہی کر دیا۔ رشید نے بہن کا گانا ہمیشہ سنا تھا مگر کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے بہن کے دل پر برا اثر پڑے۔ اسی طرح امین نے بھی باوجود انتہا سے زیادہ طفلانہ مزاجیوں کے پھوپی کے حفظ مراتب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی مامون نے یہ ستم کیا کہ پھوپی کا نغمہ سنتے ہی وجد میں آ گے اور بیخود ہو کے اُسے گلے سے لپٹا لیا اور اُس کے سر اور منہ کے بوسے لینے لگا۔

یہ ایسی سخت رسوائی تھی جس سے علیہ کو زندگی بھر سابقہ نہیں پڑا تھا مارے شرم کے سر جھکا لیا۔ اور دل کو یکایک ایسا صدمہ پہونچا کہ چہرہ جوش ندامت سے سرخ ہو گیا اور ساتھ ہی بخار چڑھ آیا اور اسی بخار میں اس پاکدامن عباسیہ شاہزادی نے اس عالم فانی کو رخصت کیا۔ سنہ ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئی تھی۔ اور سنہ ۲۱۰ھ میں پچاس برس کی عمر پا کے رہگرائے آخرت ہوئی۔

علیہ نے عربی موسیقی میں اپنی لیاقت سے بہتر چیزیں جاری نہیں جن سے مدت ہائے دراز تک بغداد کی صحبتیں لطف اٹھاتی رہیں مگر باوجود اس کے کہ علم موسیقی میں وہ کمال رکھتی تھی نہایت ہی پارسا و پاکدامن اور عابدہ و زاہدہ تھی اور ہمیں یقین ہے کہ رحمت الٰہی نے اُسے اپنے جوار میں لے لیا ہو گا۔

امِ علی تقیہ

جو ابوالفرج غیث بن علی صوری کی صاحبزادی اور علامہ تاج الدین بن حسن کی والدہ تھیں۔ تقیہ آں نیک صاحب علم وفضل اور پاک طینت و پاک سیرت خاتونان شام سے ہیں جنکی بدولت علم وفضل ارض شام سے دیگر ممالک میں پہونچا اور جنکی زندگی اس قابل ہے کہ ہماری ہم وطن خاتونوں کے سامنے علم وفضل اور عصمت وعفت کا ایک سچا نمونہ قرار دے کے پیش کی جائے یہ نیک بیوی اپنے عہد کی فاضلہ باکمال اور شاعرہ بے مثال تھیں۔ مگر انکی شاعری اس قسم کی نہ تھی جیسی اخلاق کش اور برباد کن شاعری اس دور میں مروج ہے انہوں نے قصائد اور مختلف قطعات کے ذریعہ سے نئی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے اور بتایا ہے کہ علم ادب میں عورت اگر ترقی کرے تو کس درجہ کمال تک پہونچ سکتی ہے ۵۰۵ھ کے ماہ صفر میں خاص شہر دمشق میں پیدا ہوئیں۔ مگر افسوس انکی ابتدائی زندگی کے حالات کا پتہ لگانے کی طرف مورخین نے بہت کم توجہ کی ہے ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے کیونکر کسطرح اور کن اساتذہ سے علوم ادبیہ دینیہ اور کمال شاعری کو حاصل کیا اور باوجود عورت ذات ہونیکے علم کے شوق نے انہیں کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھلائیں ایک زمانہ کے بعد اور غالباً جبکہ عمر نے پختگی حاصل کر لی ہوگی انہیں بندرگاہ اسکندریہ میں حافظ سلفی کی صحبت میں پاتے ہیں اور حافظ سلفی ہی کی تحریر سے ہمیں اس عالی مرتبہ فاضلہ کے حالات معلوم ہو سکے ہیں جنہوں نے اپنی بعض حواشی میں انکا ذکر کیا ہے۔ اور بہت کچھ تعریف کی ہے کتنا بڑا خوش نصیب ہے وہ شاگرد جسکی تعریف یگانۂ دہر استاد اپنی تصنیفوں میں کرے۔ منجملہ اور باتوں کے علامہ ممدوح نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے گھر میں گر پڑا اور ایسی چوٹ آئی کہ میری ٹانگ زخمی ہوگئی ایک لڑکی کھڑی دیکھ رہی تھی اس نے جھپٹ کے اپنی اوڑھنی میں سے ایک دھجی پھاڑی اور میرے زخم کو باندھ دیا اس واقعے کا تذکرہ اتفاقاً میں نے تقیہ سے کیا تو اس نے عجیب ذوق وشوق سے یہ اشعار پڑھے جو خود اسی کی طبع خداداد کا نتیجہ ہیں ؎

لو وجدت السبیل جدت بخدی — عوضا عن خمار تلک الولیدہ

اگر مجھے موقع ملتا تو اس لڑکی کی اوڑھنی کے عوض خود اپنے گالوں کو لگا دیتی ؎

کیف لی ان اقبل الیوم رجلا — سلکت دہرہا الطریق الحمیدہ

اور کیونکر مجھے نصیب ہو کہ آج اس قدم کو بوسہ دوں جو اپنی زندگی بھر راہ نیک میں چلتا رہا ہے تاہم فاضلہ تقیہ کو پیدا ہوتے ہی زمانے کا یہ سخت ظلم سہنا پڑا کہ چار ہی سال کی عمر میں یتیم ہو گئیں ہم جیسا

بیان کرآئے ہیں ۵۰۵ھ میں پیدا ہوئیں اور ۵۹۷ھ میں انکے والد علامہ ابو الفرج نے جو مشہور علمائے
عصر میں سے تھے انتقال کیا غالباً اس یتیمی ہی نے مصیبت میں مبتلا کرنیکے بعد علم کے راستوں میں اس
پاک خاتون کی رہبری کی ہوگی اسلئے کہ دولت علم نے فلاکت و مصیبت کا اکثر ساتھ دیا ہے۔

ان دنوں سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کا زمانہ تھا۔ اور حروب صلیبیہ کے حملے
زور شور سے روکے جاتے تھے۔ فاضلہ موصوفہ نے جواب حافظ سلفی کی صحبت سے بہرہ یاب ہوکے بانتائے
عصر تسلیم کرلی گئیں تھیں اور شیخہ وقت کہلاتی تھیں سلطان صلاح الدین کے چچازاد بھائی ملک مظفر
تقی الدین عمر کی مدح میں ایک قصیدہ تھا جسکی تمہید شراب کی تعریف سے کی تھی اور یاران میکش کی
صحبت کا بیان بہت زور دیکے کہا یا تھا۔ اس قصیدے کو جب ملک مظفر نے سنا تو ہنس کے کہا "غالباً شیخہ
محترمہ کو ان دلچسپی کی صحبتوں کا حال اپنی ابتدائی عمر میں معلوم ہوا ہوگا" جب اسکا یہ جملہ فاضلہ مذکورہ کے گوش
گزار ہوا تو ایک دوسرا قصیدہ رزمیہ لکھا جسمیں میدان جنگ کی تصویر کھینچی تھی اور جانبازی و نبرد آزمائی کے
نمونے نہایت شان و شوکت سے دکھائے تھے یہ قصیدہ ملک مظفر کے پاس بھیج کے کہلا بھیجا کہ "مجھے صحبت شراب کا
علم اسی طریقہ سے حاصل ہوا ہے جس طریقے سے کہ آپنے عرصہ رزم کی کیفیتیں دریافت کرپائی ہیں" اس قصیدے
کو دیکھکے اور خاتون عفت کیش کا پیام سنکے ملک مظفر کو ندامت ہوئی اور اپنی گستاخی پر بہت شرمندہ ہوا۔

یہ ہمیں بالکل نہیں معلوم ہوسکا کہ فاضلہ تقیہ کی شادی کس سن میں ہوئی اور بشادی کیوقت وہ کتنی بڑی تھیں مگر
ہاں اتنا معلوم ہے کہ ۵۶۹ھ میں جبکہ انچاس برس کی عمر ہوگی انہوں اپنے عالم قدر شناس شوہر فاضل بن سعد اللہ
کی دائمی مفارقت کا داغ اپنے سینہ پر لینا پڑا ہمیں یہ بھی نہیں خبر کہ انکے صاحبزادے علامہ تاج الدین کس سنہ میں
پیدا ہوئے تھے۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت طولانی عمر پا کے ۶۰۳ھ میں رہگرائے عالم آخرت ہوئے

فاضلہ تقیہ کی عمر ستر سال کی ہوئی اور ۵۷۹ھ میں اس مرحومہ اور جلیلہ عصر فاضلہ نے دنیا کو
رخصت کرکے کنج لحد میں عزلت گزینی اختیار کی افسوس مورخین کی بے پروائی سے ہم یہ بھی نہیں
جانتے کہ وہ آخر عہد تک مصر ہی میں رہیں یا کبھی اپنے وطن مالوف دمشق میں بھی آئی تھیں۔ لیکن
قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وفات پانیکے وقت تک ارض مصر میں تھیں کیونکہ ملک شام پر آئے دن
مسیحی حملہ اور روز کی یورش تھی۔ اور ایک نیک عالمہ کو بجز اسکے کہ اس خونریزی کے میدان سے دور رہی
ہے اور کسی بات میں مفر نظر نہ آیا ہوگا۔ اگرچہ ہم صراحتہً یہ نہیں بتا سکتے کہ انہوں نے کس شہر میں
انتقال فرمایا لیکن اتنا ثابت ہے کہ ۵۶۹ھ یعنے اپنے شوہر کی وفات کے وقت اور اپنے مرنے سے گیارہ
سال پیشتر تک اسکندریہ ہی میں تھیں جہاں حافظ سلفی کی صحبت سے انہوں نے علم و فضل حاصل کیا تھا

قطر الندیٰ

یہ ایک عربیہ شاہزادی تھی جس کا باپ ابوالجیش خمارویہ بن احمد بن طولون
ملک مصر اور شام پر حکومت کرتا تھا۔ اور اس خاندان میں سے تھا جس نے خلافت عباسیہ کی
ماتحتی میں نشوونما پا کے سب سے پہلے ایک بڑی مملکت کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا خمارویہ کی
قوت توڑنے کے لئے فرمانروایان آرمینیہ قنسرین وغیرہ نے ۲۷۱ھ میں ملک مصر پر حملہ کیا
مگر خمارویہ نے انہیں اس کا موقع ہی نہ دیا کہ حدود مصر میں داخل ہوں۔ ایک زبردست
لشکر لیکے ان کے مقابلے کو شام میں آگیا اطراف دمشق میں لڑائی ہوئی اور آرمینیہ کی
حملہ آور شکست کھا کے بھاگ گئے۔ اس فتح سے خمارویہ کی وقعت و عظمت اس قدر بڑھ
گئی کہ حریف کو دباتا ہوا علاقہ عراق تک جا پہونچا خاص شہر رقہ میں اس کے لشکر نے
پڑاؤ ڈالا۔ اور اس طرح اپنی سطوت دکھانے کے بعد اتنا بڑا بادشاہ بن کے مصر میں
واپس گیا کہ اب علاقہ نوبہ سے دریائے فرات کے کنارے تک اسی کی حکومت تھی۔

لیکن اس زمانے میں یہ عجیب بات تھی کہ کسی شخص کو ہزار قوت و سطوت حاصل
ہو جاتی مگر جب تک عباسیوں کے دربار سے سند شاہی نہ حاصل کر لیتا جائز حکمران نہ مانا جاتا
تھا۔ اتفاقاً اسی اثنا میں خلیفہ بغداد معتمد مرا اور اس کی جگہ معتضد باللہ سریر آرائے
خلافت ہوا۔ خمارویہ نے موقع دیکھ کے اسے مبارکباد دینے کے لئے ایک سفارت
بھیجی جس کے ساتھ بہت سے ہدیے اور تحفے بھی روانہ کئے۔ اور یہ بھی خواہش کی کہ اس
کی بیٹی قطر الندیٰ کا عقد ولی عہد خلافت مکتفی باللہ کے ساتھ ہو جائے۔ معتضد نے
اس دوستانہ سفارت کی عزت کی۔ اور کہا "قطر الندیٰ کو میں خود اپنے عقد نکاح میں
لوں گا" خلیفہ کی اس خواہش کو خمارویہ نے پسند کیا اور ۲۸۱ھ میں دس لاکھ درہم پر
اس شاہزادی کا عقد نکاح خلیفہ المعتضد باللہ کے ساتھ ہو گیا۔

قطر الندیٰ اس شاہزادی کا لقب ہے جسے اس نے اپنی شرافت اور اپنے حسن و جمال

کے انعام میں حاصل کیا تہا۔ مگر اصلی نام اسمار تہا جس قدر اُس کے حسن و جمال کا شہرہ تہا اسی قدر اس کی لیاقت و دانائی کی بھی تعریف کیجاتی تھی۔

عرب میں یہ قاعدہ نہ تہا کہ لڑکی اپنے گہر ہی میں رہے اور لڑکے والے برات لیکے اسکے دروازے پر آئیں۔ بلکہ عموماً لڑکیاں دولہن بنا کے اور نہایت آراستگی کے ساتھ بنا سنوار کے وہاں بھیجی جاتی تہیں۔ جہاں دولہا ہوتا چنانچہ نکاح وکالتہً ہوگیا تو وہ بنا سنوار کے بڑے تزک و احتشام سے مصر سے بغداد کو روانہ کیگئی۔ اور اُس کی چچی عباسہ ساتھ چلی کہ مصر کی سرحد تک پہونچا کے رخصت کردے۔ راستے میں ایک مقام پر عباسہ نے پڑاؤ ڈالدیا۔ اور اپنے خیمے کہڑے کئے۔ یہ خیمے کچہ ایسی گہڑی میں ڈالے گئے تھے۔ کہ وہاں مستقل آبادی ہوگئی اور ایک شہر آباد ہوگیا جو اسی شاہزادی عباسہ کے خیموں کی یادگار میں "فسطاط" کے نام سے مشہور ہوگیا (فسطاط عربی میں سراپردہ یا خیمے کو کہتے ہیں) اور بعض لوگ تو اس شہر کو عباسہ کے نام کے لحاظ سے "عباسیہ" ہی کہتے تھے۔ یہ شہر مصر میں آج تک قائم ہے اور شاہزادی عباسہ کی یادگار ہے۔

الغرض قطر الندیٰ ارض عراق میں داخل ہو کے حرم خلافت میں پہونچی اور معتضد کے دل کو جس قدر اُنس اور لگاؤ اُس کے ساتھ تہا اور کسی بی بی کیساتھ نہ تہا۔ ایک مرتبہ معتضد اس کی گود میں سر رکھ کے سوگیا تہا قطر الندیٰ نے چپکے سے اُس کا سر گود سے اُٹھا کے تکیہ پر رکھدیا۔ اور خود نکل کے کمرے کے دروازے کے پاس جا بیٹھی۔ اتنے میں معتضد کی آنکھ کھلی۔ سر کو محبوب بی بی کے زانو کے عوض تکیہ پر پاکے برہم ہوا۔ اور پکارا۔ قطر الندیٰ نے پاس ہی سے جواب دیا۔ اور فوراً پھر اُس کے پاس چلی گئی معتضد نے کہا "میں نے تو تمہاری یہ عزت کی کہ اپنی تمام بی بیوں اور لونڈیوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور تمہاری یہ کیفیت کہ میرا سر تکیے پر رکھ کے چلی گئیں"۔ قطر الندیٰ نے ادب سے جواب دیا "آپ نے جن عزتوں سے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ اُن سے انکار نہیں کرسکتی۔ مگر حضور میرے چلے جانے کو ناشکری نہ خیال کریں۔ یہ وہ ادب ہے جو میں نے اپنے میکے میں اپنے والد سے سیکھا ہے"۔ معتضد نے پوچہا "وہ کیا؟" جواب دیا "ابا جان کی نصیحت ہے کہ خبردار نہ جاگنے

والوں کی صحبت میں سونا اور نہ سونے والوں کے پاس بیٹھ کے جاگنا"۔

قطر الندیٰ اس کے بعد برابر معتضد ہی کے پاس رہی۔ مگر افسوس اس نے عمر بہت تھوڑی پائی۔ اُس کے عقد کے دوسرے ہی برس یا پانچ برس بعد اپنے بے وفا غلاموں کے ہاتھ سے بچھونے پر سوتا ہوا مارا گیا۔ اس کے مرنے کے پانچ برس بعد جب کہ اس کی عمر ابھی تیئیس سال سے زیادہ نہ ہوگی بغداد میں راہی ملک عدم ہوئی۔ اور دار الخلافت کے خاص محل قصر الرصافہ میں آغوش لحد کے سپرد کی گئی۔

قطر الندیٰ کی ذہانت و لیاقت کا سب سے بڑا نمونہ یہ تھا کہ اسکی وجہ سے خلافت عباسیہ اور نوخیز دولت مصر میں نہایت ہی مضبوط تعلقات قائم ہوگئے۔ خلافت نے اُسے جائز بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور بنی طولون اس اطمینان سے حکومت کرنے لگے کہ اب کسی حریف کو ان کی دولت پر حملہ کرنے کی بہت کم جرأت ہوتی تھی۔

خدیجہ بنت القیم

یہ نیک نہاد اور صاحب علم و فضل خاتون جس کا مبارک اور قابل فخر نام اوراق زمانہ پر طبقہ نسواں کی لیاقت و ترقی کا نمونہ بنکے قائم رہ گیا ہے۔ اور آفتاب بنکے دنیا کی تاریخ پر روشنی ڈال رہا ہے۔ خاک پاک بغداد سے پیدا ہوئی تھی جس خاک سے خدا جانے کیسے کیسے علما و فضلا اور کس کس پائے کے ائمہ و محدثین پیدا ہوئے اور حیات دائمی کے صحیفہ میں میں اپنے نام ثبت کرا کے خاک میں مل گئے۔

یہ عالمہ عصر و فاضلہ دہر زیادہ تر امۃ العزیز کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان پاکدامن و پاک نہاد بیٹیوں میں ہیں جن سے بجائے اسکے کہ وہ باپ کے نام سے کوئی فخر و شرف یا شہرت و ناموری حاصل کریں خود باپ کو ان کے نام سے عزت و شہرت حاصل ہوتی ہے۔ انکے والد ماجد جو جمام قیمی ناطوری کے نام سے یاد کئے جاتے تھے کوئی ... بڑے مشہور عالم نہیں ہیں۔ جن لوگوں کی نظر تذکروں پر پڑتی رہتی ہے ان کے کان غالباً اس نام سے بالکل ناآشنا ہوں گے۔

الغرض حمام قیمی کے گھر میں اور خاص بغداد میں خدیجہ ممدوحہ ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئیں۔ باپ علم و فضل کے شیدا تھے اور جانتے تھے کہ مرد ہو یا عورت اگر علم نہیں تو انسان ہی نہیں۔ اپنی اس آزاد خیالی کے ساتھ دیکھا کہ ہونہار بیٹی کی ذہانت طبعی اور خداداد جودت طبع بہت کچھ وعدے کر رہی ہے۔ فوراً تعلیم و تربیت کیطرف متوجہ ہو گئے۔ لکھنا پڑھنا سکھایا وہ ادبی کتابیں پڑھائیں کہ جن سے انسان میں عمدہ مذاق پیدا ہوتا ہے۔ اور ادبی معلومات میں وسعت ہوتی ہے۔ یہ کتب نحو پڑھتے ہی خدیجہ میں علم کا ذوق پیدا ہوا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ باپ اگر علم کے عاشق تھے تو بیٹی شمع علم کا پروانہ تھیں۔ اور وہ تمام علوم جو ان دنوں مروج تھے ان کی طرف اس ذوق و شوق سے متوجہ ہوئیں کہ زمانہ کو حیرت ہو گئی۔

پہلے تو بغداد ہی اس زمانے کی بہت بڑی درسگاہ بنا ہوا تھا جس میں ان دنوں ابن شیرازی کے ایسے گراں پایہ فاضل اور کریمہ کی ایسی عالی مرتبہ محدثہ کے آگے ایک زمانہ زانوئے شاگردی تہ کر رہا تھا۔ خدیجہ نے ان دونوں کی شاگردی اختیار کر کے علوم دینیہ اور خاصۃً حدیث میں تبحر حاصل کیا۔ ان کے علاوہ بغداد میں اور جتنے علمائے مشاہیر فیض رسانی کر رہے تھے۔ ان میں سے شاید کم باقی رہے ہونگے جن کی خدمت فیض میں حاضر ہو کر جناب خدیجہ بغدادیہ نے باغ علم کی خوشہ چینی نہ کی ہو۔

اب بغداد کا خزانۂ علم ان کی وسیع النظری اور معلومات کے مقابلے میں تنگ تھا مجبوراً وطن کو خیرباد کہی۔ اور پیچھے طالبان علم کی شان سے علم و فضل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اور قدیم شہر دمشق میں پہنچیں جو ارض شام کا مرکز اور گزشتہ دولت بنی امیہ کا دارالخلافہ تھا۔ وہاں کے علما سے برکت حاصل کر کے اور اس علمی سرچشمہ سے اچھی طرح سیراب ہو کے شہر تبوک جا پہنچیں۔ جہاں کے بعض علمائے کبار مرجع عالم بنے ہوئے تھے۔ یہاں درسگاہوں کے کمالات حاصل کر کے ملک مصر کی راہ لی۔ اور وہاں علی بن مختار عامری اور ابن جمیری کے آگے شاگرد بن کے بیٹھیں۔ اور رموز علمی حاصل کر کے اس درجے کو پہنچ گئیں کہ حدیث میں ایک امام فن کا رتبہ رکھتی تھیں اور علم ادب میں یکتائے روزگار مانی جاتی تھیں۔ علی الخصوص مقامات حریری کو خوب کہتا۔

کہ عربی ادب میں وہی شان اور درجہ رکھتی ہے جو درجہ کہ انگریزی میں شیکسپیر کی تصانیف کو حاصل ہے ایسا عمدہ پڑھاتی تھیں اور اُس کے رموز حل کرنے اور اس کی فصاحتوں اور خوبیوں کے دکھانے میں اس کمال کیساتھ مشہور ہوگئی تھیں کہ اس زمانے کے بڑے بڑے مشہور و معروف علمانے اس ادیبۂ عصر و محدثۂ دہر کیسامنے حاضر ہوکے زانوے شاگردی تہ کیا۔ اور پوری کتاب اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھی۔

اسطرح بڑے بڑے مشہور و نامور علما و فضلا کو شاگرد بناکے اور حدیث و ادب میں مستند روزگار اور مرجع عالم بن کے بغداد میں واپس آئیں جہاں آکے ایک زنانی صحبت وعظ مرتب کی جسمیں بغداد کی اکثر عورتیں جمع ہوتیں اور فاضلۂ خدیجہ عالمانہ ادب و وقار سے جلوہ افروز ہوکے وعظ کہتیں۔ آخر میں کتابی تدریس و تعلیم کو چھوڑ کے خانہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ اور اُن کی ذات سے نفع اُٹھانیکا ذریعہ صرف وہی صحبت وعظ تھی جسکے ذریعے سے خاتونان بغداد دینداری کی باتیں سیکھتی اور احکام شرعی میں بصیرت حاصل کرتی تھیں۔

آخر وہ وقت آگیا جو سب کے لیئے آنیوالا ہے۔ عموماً محدثین کی طرح بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ اور انکا نوے برس کی عمر تھی کہ خداوند جل و علانے اپنے پاس بلانیکا پیام بھیجا اور ۶۹۹ھ میں یہ بگزین عالم بقا اور عازم فردوس بریں ہوئیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اُمّ ہانی مریم

یہ خاتون جو اپنے عہد میں یکتائے روزگار تھیں علم و فضل کے بہت بڑے مستند اور مشہور و مقبول گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اور اُن پاک بی بیوں میں ہیں جن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ دینداری و اتقا کا دودھ پیا اور علم و فضل کے گہوارے میں پرورش پائی۔ آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالمومن ہوریتی شافعی بڑے عالم متبحر اور امام وقت تھے۔ ان کا خاندان علم و عمل کے اعتبار سے ادنیٰ و اعلیٰ میں مشہور تھا۔ اور ہر شخص ان کی پیروی کرنا سعادت دارین

خیال کرتا تہا۔ مریم ممدوحہ انکی پوتی ہیں۔ والد کا نام شیخ نور الدین ابو الحسن تہا جو اپنے علامۂ عصر باپ کیطرح صاحب علم اور موصوف بہ زہد و تقوی تھے۔ اور اسی طرح امّ ہانی مریم اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتی تہیں۔

ماہ شعبان ۷۱۹ھ میں مریم ممدوحہ پیدا ہوئیں۔ ابھی آٹھ ہی برس کی تہیں کہ پڑھنا لکھنا شروع کیا اور چند ہی روز میں علم و فضل کے اعلیٰ مراحل طے کر گئیں۔ باپ دادا کے علاوہ نانا بھی بہت بڑے فاضل عصر تہے۔ جنکا نام فخر الدین قایابی تہا انہوں نے نواسی کو ذہین و طباع دیکھہ کے خاص توجہ سے پڑہانا شروع کیا چنانچہ انہیں کی کوشش سے ممدوحہ نے قرآن پاک کو حفظ کیا اور حافظۂ قرآن ہوئیں۔ پھر نحو کی ایک منظوم کتاب کو اور فقہ کی کتاب مختصر ابو ہ بی شجاع کو زبانی یاد کیا۔ ان ابتدائی علموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ان نیک و پارسا خاتون نے اعلیٰ علوم کی طرف توجہ کی اور خاصۃً علم حدیث میں وہ مرتبہ پایا کہ اپنے عصر کے مشہور و مستند اساتذہ میں شمار کیجانے لگیں۔ علم حدیث کا شوق ان میں اسقدر پیدا ہو گیا تہا کہ اس زمانے کے جو بڑے بڑے زبردست امام و محدث تہے ان کی حلقۂ درس میں شریک ہوئیں۔ اُن کے سامنے زانوی شاگردی تہ کیا۔ اور چند روز میں خود شاگردوں اور حدیث کے طالبعلموں کو سبق دینے لگیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی جن کی صدہا کتابیں پہیلی ہوئی ہیں۔ اور جن کی تصانیف پر روایات کے بہت بڑے حصہ کا دار و مدار ہے انہیں بھی اس محدثہ خاتون کی شاگردی کی عزت حاصل ہے۔

محدثہ مریم بعض اوقات شعر بھی کہتی تہیں۔ مگر ان کے اشعار میں سوا اخلاقی اور نیک نفسی کی باتیں سکہانیکے عاشقانہ جذبات نہیں پائے جاتے۔ ایک پرانا شعر تہا اسطرح میں اُن کے یہ چند شعر دیکہنے اور پڑہنے بلکہ یاد کر لینے کے قابل ہیں فرماتی ہیں:-

فکن حامدًا للّٰہ شاکر افضلہ   علی سائر الاحوال فی السر و الجہر

(ہر حال میں پوشیدہ اور علانیہ خدا کی حمد و ثنا کرتا رہ اور اسکی مہربانیوں کا شکر گذار ہو۔)

وکن ساجدًا للّٰہ ما دمت قادرًا   لعلک تحظی بالسیادۃ والفخر

(اور جب تک بنز اللہ کی درگاہ میں سجدہ کرتا رہ شاید تجھ کو فضیلت اور فخر حاصل ہو جائے)

فیا ایہا الانسان لانک جاہلاً　　　　واعلم بان اللہ ہو الکاشف الضر

(تو اے آدمی تو جاہل نہ بن اور جان لے کہ وہ اللہ ہی مصیبت کو دور کرتا ہے۔)

وصل علی المختار اشرف خلقہ　　　　علیہ سلام اللہ فی اللیل والفجر

(اور درود بھیج اس نبی مختار پر جو اس کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ ان پر اللہ کا سلام ہو رات کو اور صبح کو)

یہی اشعار اس بات کا آئینہ ہیں کہ ام ہانی مریم ممدوحہ کی زندگی کیسی گزری اور کن باتوں میں گزری۔ چونکہ ان کا شمار کبار محدثین میں ہے لہٰذا اکثر محدثین ہی کی طرح بہت بڑی عمر پائی۔ اس لئے کہ ننانوے برس کی طولانی عمر پا کے ۸۷۱ھ میں صفر کی آخری تاریخ سفر آخرت کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فاطمہ فقیہہ

یہ نیک نفس اور پاک نہاد خاتون اتنی بڑی عالمہ و فاضلہ تھیں کہ زمانے میں فقیہہ کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ یہ لقب ہی بتا رہا ہے کہ مختلف اور نازک دینی مسائل میں لوگ ان سے استفتاء کیا کرتے تھے۔ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی کی صاحبزادی تھیں اور مشہور صاحب زہد و تقوی فرمانروائے شام سلطان نور الدین کے عہد میں تھیں۔

افسوس مورخین نے نامی گرامی خاتونان اسلام کے حالات کا پتہ لگانے میں اسقدر کوتاہی کی ہے کہ ہمیں ان خاتون کے متعلق نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس سال پیدا ہوئیں اور نہ ان کی تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔ صرف اسقدر کہا جا سکتا ہے کہ ان کا خاندان تو سمرقند کا تھا مگر نشو و نما ارض شام میں ہوا خدا جانے ان کی ولادت سے پیشتر ہی ان کے والد ملک شام میں آئے یا ان کی ولادت کے بعد انہیں ساتھ لے کے آئے۔

جس عہد میں وہ تھیں وہ نہایت ہی نازک زمانہ تھا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو مسیحی صلیبیوں کا جوش و خروش تھا اور دوسری طرف حسن بن صباح کے پیرو باطنیین

زور شور۔ خاصۃً حلب میں جہاں وہ اقامت گزیں تھیں پا طلبیوں کا نہایت ہی نرغہ تہا۔

فخر الانام عالم علامہ علاء الدین کاشانی اُنکے شوہر تھے جنکے ساتھ انہوں نے اپنی عمر کا بہت زیادہ حصہ صرف کیا۔ زہد و تقویٰ پرہیزگاری و عفت مآبی میں وہ ہر جگہ مشہور تھیں ابتداءً بہت سے فقہا و محدثین کی شاگردی کرکے علوم دینیہ کو حاصل کیا اور روایت حدیث کی سند حاصل کی تحصیل و طالبعلمی سے فراغت کرکے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کیطرف متوجہ ہوئیں اپنے یہاں ایک حلقہ درس قائم کیا جسمیں بڑے بڑے مشہور و مستند لوگوں نے زانوئے شاگردی تہ کرنے اور شاگردی کرنیکا فخر حاصل کیا۔ اُن کی تصنیف کی ہوئی کتابیں جو عموماً فقہ و حدیث میں تہیں اُن کی زندگی ہی میں مقبولیت کی سند حاصل کرکے رواج پانے لگیں جن کو اہل علم بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اپنے کتب خانوں میں داخل کرتے تھے۔

خاصۃً سلطان نور الدین کو اُن کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ نور الدین نہایت ہی متقی و پرہیزگار اور پاک نفس و پاک نہاد بادشاہ تہا۔ اس کی توجہ نے تمام لوگوں کو ان مستند فاضلہ عصر کا معتقد و معترف بنا دیا۔ نور الدین اپنے اندرونی مہمات سلطنت میں ان سے مدتوں مشورہ لیتا رہا اور بہت سے فقہی اور دینی معاملات میں اسے اُن کی شاگردی کا فخر حاصل تہا۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ نہایت فیاضی اور فراخ حوصلگی سے اُن کی خدمت کرتا تہا۔

فقیہہ فاطمہ نے آخر دنیا کو اپنے کمالات سے بہت کچھ بہرہ یاب کرکے اور اپنی بہت سی برکتیں اُس میں چھوڑکے شہر حلب میں انتقال کیا۔ اور انتقال کے چند روز بعد اُن کے شوہر نے بھی انتقال کیا اور انہیں کے برابر حلب کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جہاں ان دونوں کی قبریں آج تک مشہور ہیں۔ اور زن صالحہ اور اُس کے شوہر کی قبر کے نام سے یاد کیجاتی ہیں۔ ؂

فاطمہ نیشاپوریہ

یہ خاتون بہت بڑی ولیہ اور عابدہ و زاہدہ تہیں اور تیسری صدی ہجری کے

ابتدائی دور کو جہاں بڑے بڑے علما و فضلا اور فقہا و محدثین پر فخر تہا وہاں ان پاک نفس و پاک نہاد بی بی پر بہی ناز تہا۔ ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی کے ایسے نادر زمانہ اولیاء اللہ کی معاصر نہیں۔

بلکہ ذوالنون مصری اُن کے شاگرد تھے۔ اور وہ اس پایہ کی ولیہ تہیں کہ ذوالنون مصری کو اُن کی شاگردی پر ناز تہا وہ کہا کرتے تھے کہ میری استانی فاطمہ کا قول ہے "جو شخص حال میں اللہ جل شانہ سے لو نہیں لگائے رہتا وہ ہر میدان میں اُترتا اور ہر قسم کی باتیں کرتا ہے مگر جس کی ہر حال میں خداوند تعالیٰ سے لو لگی رہتی ہے تو اللہ ان کے سوا اور سب باتوں سے گونگا کر دیتا ہے اور اس کے لیئے لازم ہو جاتا ہے کہ خدا سے شرم رکھے اور خلوص سے اس کی طرف متوجہ ہو" اس کے علاوہ یہ تیسری صدی کی ابتدائی ولیہ یہ بھی ارشاد فرماتی تہیں "جو کوئی اللہ کے واسطے اسطرح عمل خیر کرے کہ گویا خدا اُسے دیکہہ رہا ہے تو اگر خلوص ہے تو بس یہی شخص کی ہے"

یہ ہیں حقیقی رموز تصوف۔ اور یہی ہے وہ تصوف جو پاک و صاف ہے اور جس کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے اور اسی رمز شناسی حقیقت کا نتیجہ تہا۔ کہ ذوالنون مصری کا ایسا شخص اُن کا شاگرد یا مرید ہو گیا۔ ذوالنون مصری تو شاگرد ہی تھے۔

حضرت بایزید بسطامی کو بھی اس نیک نفس عالمہ و فاضلہ کے تبحر کا اعتراف تہا اور بڑی عقیدت رکہتے تھے۔ چنانچہ ان کا قول تہا میں نے فاطمہ کی ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی کبھی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا کہ میں نے اُس خاتون کے سامنے کوئی مسئلہ بیان کیا ہو اور اسے پیشتر سے اس مسئلہ کا صحیح اور ذاتی علم ہو نا نہ ظاہر ہوا ہو۔

مرجعیت کی یہ حالت تھی کہ ذوالنون مصری ارادت رکہتے تھے اور فضل و کمال میں یہ درجہ حاصل تہا کہ بایزید بسطامی عقیدت کیشوں میں تھے مگر باوجود اس کے منکسر المزاجی اور زہد و اتقا کی یہ شان تھی کہ کمال پہنچی تھیں اور دنیاوی تکلفات سے علاقہ نہ تہا کئی مرتبہ حج کعبہ کیا۔ اور ہمارے ہموطنوں کی جہوٹی اور دکھاوے کی شان عصمت کے خلاف ڈولی یا محمل میں بیٹھ کے نہیں بلکہ پا پیادہ۔ ہندوستان کے لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اتنی بڑی ولیہ اور بغیر اس کے کہ پردے کا پاس و لحاظ کریں پیدل حج کرنے کو تیار ہو گئیں۔ مگر

کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ چیز جسے تم شرافت سمجھ رہی ہو نہ کبھی پیمبر زادیوں میں تھی اور نہ ولیہ عورتوں میں۔

انہیں فاطمہ کو دیکھو کہ نیشاپور وطن تھا جو مکہ سے مہینوں کی راہ پر ہے مگر انہوں نے ثواب آخرت کے لیے کمر ہمت باندھی اور چل کھڑی ہوئیں۔ بلکہ وہ تو خدا کی ایسی پاک اور مقبول بندی تھیں کہ عمرے کے ارادے سے جا رہی تھیں۔ مکہ کی راہ میں تھیں کہ ۲۲۳ھ میں خداوند جل وعلا نے اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زلیخا

ملکۂ مصر

یوں تو ناز آفرینی و ناز برداری اور دلربائی اور دلفروشی کی گرم بازاری عشق و محبت کے چراغ کو ہمیشہ اور ہر جگہ یکساں اور تیز کرتی رہتی ہے۔ مگر مصر کو اس بارۂ خاص میں ساری دنیا پر ایک نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ شعرائے عجم ترکوں کے حسن و جمال کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان اور ایک ترک شیرازی کے خال ہندو پر سمرقند و بخارا کو قربان کرتے رہے۔ گرجستان کے حسن و جمال کا ایک زمانہ دیوانہ ہو رہا ہے اور وہ کوہ قاف کی پریاں ہی ہیں جو صدیوں اور مدت ہائے دراز سے ایران و روم کے شاہی محلوں کی زیب و زینت بنی ہوئی ہیں۔ متھرا جی کی گوپیوں نے سری کرشن جی کی دیوتائی کی شان میں زندہ دلی کی جان ڈالی ہے مگر سرزمین مصر نے اپنی نازنین معشوقوں کی دلربائی و دل فریبی کے جیسے جیسے کارنامے صفحات تاریخ پر درج کرا دیے ہیں اور کسی ملک کو نہیں نصیب کیونکہ زلیخا اور قلوپطرہ (کلیوپیٹرا) کی سی نازنین دلبروں کو کسی ملک کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی جنہوں نے دلبری و دلستانی کو ایک فن بنا کر اسے انتہا درجہ کا کمال دکھا دیا۔

زلیخا کے حالات کو یہاں تک شہرت و نمود حاصل ہے کہ توراۃ اور قرآن کے روحانی لٹریچر میں بھی انہیں جگہ ملی۔ اور قلوپطرہ کے واقعات یونان و روم کے ذریعہ سے اس قدر مشہور ہوئے کہ آج ہر زبان کے مورخین کی زبان پر ہیں اور مسیح سے قبل کی تاریخ کے بیانیں

بھی تذکرہ آتے ہی ایک شاعرانہ رس اور مزہ پیدا ہو جاتا ہے اپنے حسن و جمال کے اثر اور اپنی سحر آفریں آنکھوں کے جادو بھرے تیروں سے کسی کے دل کو زخمی کر دینا ایک ایسا فن ہے جسمیں ہر ملک کے حسین کمال رکھتے ہیں۔ اور ہر جگہ کے عشاق خستہ جگر اپنے دلرباؤں کی بے رحمی کی شکایت کرتے رہے ہیں۔ رومی شاعر اووڈ کی مثنوی "آرٹ آف لو" (فن عشق بازی) کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روم کی ناز آفریں مہ جبیں کس خوبصورتی سے دل چھین لیا کرتی تھیں۔ اور اُن کے ہاتھوں سے عشاق کیسے دل برشتہ ہو رہے تھے مگر مصر کی یہ دونوں عالم حسن کی ہیروئنیں جنہوں نے دلستانی کی معرکہ آرائیوں میں قیامت تک یاد رہنے والی فتحیں حاصل کی تھیں سب سے بڑا یہ امتیاز رکھتی ہیں کہ اپنے حسن کے موثر بنانے اور اپنے تیر نظر میں جہانگیری کی قوت پیدا کرنے میں انہوں نے کمال دکھا دیا اور کہیں کی نازک ادا دلربائیں نہیں دکھا سکیں ؏

زلیخا کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف؈ کو اُن کے نامہربان بھائیوں نے صحرائے عرب کے ایک اسماعیلی قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تو وہ لوگ آپکو لیکے مصر کے بازار حسن میں پہونچے۔ اور قطفیر نام ایک معزز عہدہ دار مصر کے ہاتھ فروخت کیا جو دربار فراعنہ میں وزیر خزانہ کی خدمت پر مامور تھا۔ اور عزیز مصر کہلاتا تھا۔ عزیز نے حضرت یوسف کو لا کے اپنی بی بی کے سپرد کیا جسکا نام مورخین سلف کے نزدیک تو راعیل[عه] تھا۔ مگر خدا جانے کیونکر ایران و ہند کے متاخر شعراء و مورخین میں "زلیخا" مشہور ہو گیا۔ اور چونکہ اس معزز خاتون کا یہی نام ایران و ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ لہذا ہم بھی اُسے اسی مشہور نام سے یاد کرتے ہیں عزیز نے حضرت یوسف کو اپنی بی بی کے حوالہ کرتے وقت یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ ہم لا ولد ہیں اس لئے اس خوبصورت کنعانی لڑکے کو بیٹا بنا کے پالیں گے۔

عه توراۃ اور قرآن مجید میں اس خاتون کا کوئی نام نہیں بتایا گیا ہے۔ اور عزیز کی جورو" یا "امراۃ العزیز" کے الفاظ سے یاد کیگئی ہے۔ عرب کے قدیم مورخ ابن اثیر وغیرہ اس محترم و مشہور خاتون کا نام "راعیل" بتاتے ہیں۔ مگر اب مسلمانوں میں اس کا نام زلیخا مشہور ہے؛

جب آپ بڑے اور جوان ہوئے اور آپ کے حسن و جمال میں جوانی کی دلربائی نے جلوہ دکھادیا تو زلیخا آپ کی صورت پر فریفتہ ہو گئی۔ اور اپنے دام میں گرفتار کرنے کے لیئے طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگی۔ مگر ایک معصوم پیمبرزادے کے قدم کو لغزش ہونا غیر ممکن تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اس نے مولانا جامی کی روایت کے مطابق ایک مکان کو ایسے طریقہ سے سجایا اور آراستہ کیا کہ انسان کیسا ہی بے حس ہو اُسمیں قدم رکھتے ہی اُس کے دل میں ایک شورش عشق پیدا ہو جائے ہر طرف در و دیوار میں ایسی تصویریں لگی ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کے دل ہاتھوں سے جاتا رہتا اور ممکن نہ تھا کہ انسان اپنے دل پر قابو رکھ سکے۔ اس کے مکان کے اندر زلیخا یوسف کو تنہا لیگئی سب دروازے بند کر لیئے۔ اور کمال بیتابی عشق کے ساتھ یوسف سے لپٹ گئی۔ یہاں کے عالم کو دیکھ کے یوسف بھی ازخود رفتہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ اُس کے دام زلیخا میں گرفتار ہو جائیں مگر ساتھ ہی متنبہ ہوا اور بے اختیار بھاگے زلیخا نہایت ہی بیتابی سے پیچھے دوڑی اور دامن پکڑ لیا۔ مگر یوسف نے ایسی بے اختیاری سے جھٹکا دیا کہ دامن پھٹ کے اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اور یہ دروازہ کھول کے باہر نکل پڑے۔

باہر نکلتے ہی عزیز کا سامنا ہو گیا جس نے دونوں کو اس حالت میں دیکھا کہ آگے آگے تو نہایت بدحواسی کے عالم میں یوسف ہیں پیچھے اُس کی جورو ہے اور یوسف کا پھٹا ہوا دامن اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دیکھ کے اُدھر تو وہ بھونچکا رہ گیا۔ ادھر ان دونوں کا یہ عالم ہوا کہ ع "کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں" مگر زلیخا کی پرفن طبیعت اور پرفن فطرت نے اُسے سنبھالا۔ شوہر کی طرف دیکھ کے بے تحاشا چلائی "تمہاری بی بی کے ساتھ جو کوئی برا ارادہ کرے اُسکی سزا قید کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتی ہے؟" یہ سن کے یوسف میں تاب نہ رہی۔ بولے "خود ہی تو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں اور الٹے مجھی کو الزام دیتی ہیں۔ میں جان بچا کے بھاگا تو میرے پیچھے دوڑیں اور میرا دامن پھاڑ لیا" عزیز مصر متردد تھا کہ کیا فیصلہ کرے اور کسے الزام دے کہ اسکا چچازاد بھائی جو اتفاقاً اس کے ساتھ تھا بولا "غور کرتے ہی کے دیکھنے سے دونوں کا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ اگر

یوسف کے کرتے کا اگلا دامن پھٹا ہو تو جانئے کہ زلیخا سچی ہیں اور یوسف جھوٹے ہیں اور اگر پچھلا دامن پھٹا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ یوسف سچے ہیں اور یہ جھوٹی ہیں" اس تجویز کے مطابق کرتہ کا معائنہ کیا گیا تو نظر آیا کہ پچھلا دامن پھٹا ہوا ہے اس ثبوت کے بہم پہنچتے ہی زلیخا کا سر ندامت سے جھک گیا۔ اور عزیز نے بی بی کی طرف دیکھ کے کہا "یہ تمہارا ہی فریب ہے۔ سچ یہ ہے کہ تم لوگ بڑے ہی مکار ہوتے ہو" بی بی کو سزا کیا دیتا؟ اور پھر عزیز ایسا ناکارہ آدمی ہے جس کی نسبت مشہور تھا کہ عورتوں کے کام ہی کا نہیں ہے۔ اس واقعہ کو اتنے ہی پر ٹال دیا کہ زلیخا سے کہا "بی بی سارا قصور تمہارا تھا اب اپنے گناہ سے توبہ کرو۔ اور پھر ایسا نہ ہو"

یہ تو پہلا موقع تھا جبکہ زلیخا نے اپنے حسن و جمال کے اثر۔ اپنے ناز و انداز اور اپنے کمال دلبری سے ایک پیمبر زادے کے دل پر فتح پانے کی کوشش کی تھی۔ مگر چونکہ پیمبری کے دامن عفت میں دھبہ لگانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بالکل کامیاب نہ ہو سکی تھی لیکن ایک دوسرے موقع پر جب اس نے حسن کی کرشمہ سازیاں دکھا کے شہر میں کمال چابکدستی دکھا کے اس بات کی کوشش کی کہ حسن یوسف کا اثر تمام پری وشوں خاتونان مصر کے دلوں پر ڈالدے اور اپنے آپ کو معذور ثابت کرے۔ پوری طرح فتحیاب ہوئی۔

یہ سین بھی نہایت ہی دلفریب تھا اور سوا مصر کی سرزمین کے اور کہیں شاید نہ نظر آیا ہوگا۔

اس کی بنا یہ تھی کہ زلیخا کے دل ہاتھ سے بیٹھنے کا حال جب امرائے مصر کے گھروں میں مشہور ہوا اور تمام معزز خاتونیں انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کے زلیخا کو الزام دینے لگیں کہ "دل کی شوق پورا کرنے کے لئے ایک غلام ہی تھا۔ زلیخا کو کوئی شریف زادہ نہ ملتا تھا؟" تو اپنے سر سے یہ الزام اٹھانے کے لئے زلیخا نے ایکدن تمام خاتونان مصر کی دعوت کی جس میں بڑا ہی تکلف کا سامان کیا۔ وہ گھر سے نہایت دولتمند ہی سے اور [illegible]

گیا تھا۔ ہر طرف دیبا و حریر کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ اور اُن کی آراستگی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا تھا۔ پھر ایک کمرے میں اُس نے چابکدست مشاطاؤں کو حکم دیا کہ یوسف کو بنا چنا کے دولہا بنا دیں۔ آپ کے بالوں میں کنگھی کر کے موتی پرو دئے گئے۔ حریر زرد کے کپڑے پہنائے گئے جسمیں سنہرے روپہلے اور سرخ گل بوٹوں پر سبز رنگ کی چھوٹی چھوٹی چڑیاں بنائی گئی تھیں۔ اطلس سرخ کا پاجامہ اور سر پر موتیوں اور جواہرات کا مرصع تاج پہنایا۔ اُس تاج کے نیچے سے آپ کی خم در خم زلفیں نکلی ہوئی تھیں جو پیشانی پر بار یچاں کیطرح بل کھانیکے بعد چہرے کے گرداگرد چکر کھاتی ہوئی سینہ پر لٹکا دی گئی تھیں۔ ادہر ادہر دونوں خسار و نپر دو زلفیں بچھوؤں کے ڈنک کیطرح مناسب خم کے ساتھ نکالدی گئی تھیں اور باقی زلفیں پیٹھ پر بکھری ہوئی تھیں جنمیں موتی گوندہ کے اور طلائی موباف ڈالکے عجب پُر لطف جال شانوں اور پیٹھ پر پھیلا دیا گیا تھا۔ دونوں کانوں میں دو اعلیٰ درجہ کے موتیوں کے گوشوارے پڑے تھے۔ گلے میں طلائی مرصع طوق تھا۔ کمر میں سونے کا پٹکا تھا جس میں یاقوت کی گھنڈیاں اور موتیوں کی جھالریں لگی تھیں۔

جب حضرت یوسف اسطرح بنائے چنائے اور سنوارے جا چکے تو دوسرے اس سے زیادہ پُر تکلف کمرے میں دستر خوان بچھایا گیا جسپر تمام حسین و ناز آفریں مہمانوں نے بیٹھ کر ہر قسم کے الوان نعمت کا لطف اٹھایا۔ اس کے بعد جام شراب کا دور چلا اور شراب کے بعد جب میوہ خوری کا وقت آیا تو ہر خاتون مصر کے سامنے ایک ترنج اور ایک چھری لاکے رکھ دیگئی۔ تاکہ انہیں کاٹ کے کھائیں۔ ابھی وہ پھلوں کو کاٹنے نہیں پائی تھیں کہ زلیخا نے ان سب خاتونوں کی طرف متوجہ ہو کے کہا "بی بیو، میں نے سنا ہے کہ ایک غلام کے متعلق تم سب مجھے الزام دیتی ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟" سب نے کہا ہاں سچ ہے۔ ہمارے خیال میں آپ کا حسن و جمال اس مرتبہ کا ہے کہ اسپر بادشاہوں اور شاہزادوں کی نظریں پڑنی چاہیے تھیں نہ یہ کہ ایک غلام پر فریفتہ ہو کے آپ اپنا سینہ [illegible] کر دیں!" زلیخا نے کہا "اگر تم اس امر کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتی ہو تو

پھر حکم دیا کہ مغرب کیطرف کے زربفت کے پردے اُٹھا کے حضرت یوسف لائے جائیں مشاطائیں اُسی شان رعنائی سے یوسف کو اندر لائیں۔ صبح کا وقت تھا اور اس کا پہلے سے انتظام رکھا گیا تھا کہ یوسف جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوں اُن کے چہرے پر آفتاب کی شعاعیں پڑیں۔ چنانچہ آپ لائے گئے۔ سورج کی نرم شعاعوں نے چہرے پر سنہرا پانی پھیر کے آپ کے حسن کو اور چمکا دیا۔ یہ معلوم ہوا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اتر آیا ہے یا آسمانی حسن دنیا میں جلوہ افروز ہوگیا۔ ساری خاتونیں مبہوت اور بت بن کے رہ گئیں۔ زلیخا نے کہا "کیوں کیا ہوا؟ یہ تم باتیں کرتے کرتے رک کیوں گئیں؟" سب نے جواب دیا۔ "یہ انسان نہیں ہے فرشتہ ہے" اس کے بعد سب نے ترنج کاٹنے کا قصد کیا تو بے اختیار بے خودی میں ترنجوں کے عوض اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کے زلیخا بولی "یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں مجھے الزام دیا جاتا ہے۔ اور یہی ہے جس پر تم سب مجھے لعنت ملامت کرتی تھیں۔ مگر تمہیں انصاف کرو کہ ایسے جوان رعنا کو انسان چاہے نہ تو کیا کرے" اب سب نے زلیخا کی معذوری تسلیم کر لی۔ تو زلیخا نے اُن سے التجا کر کے کہا جب تمہارا یہ خیال ہے تو خدا کے لیئے اسے سمجھا بجھا کے راضی کرو۔ اب سب عورتوں نے اُٹھ اُٹھ کے حضرت یوسف کو فریب دینا شروع کیا۔ اور بعض بجائے اس کے کہ وہ زلیخا کی وکالت کرتیں۔ آپ کو خود اپنی طرف مائل کرنے لگیں۔ مگر بظاہر زلیخا ہی کی سفارش کر رہی تھیں

درحقیقت یہ بھی نہایت ہی موثر سین تھا کہ حضرت یوسف سجے سجائے دولہا بنے ہوئے خاموش کھڑے ہیں۔ اور مصر کی ساری حسین و پری جمال عورتیں لباس فاخرہ اور زیور پہنے اور ہر قسم کا بناؤ چناؤ کیئے ہوئے آپ کو یا تو زلیخا کیطرف متوجہ کرتی ہیں اور یا اپنے دام میں پھانسنا چاہتی ہیں بے شک یہ زلیخا کا پہلے سے بھی بڑھا ہوا فریب تھا۔ مگر پھیرا یہ عصمت اسپر بھی غالب آئی۔ اور کسی کا زور نہ چلا یہاں تک کہ زلیخا جب بالکل عاجز اور مایوس ہوئی اور کوئی زور نہ چلا تو آپ کو قید خانہ میں بھجوا دیا

بلقیس

ملکہ سبا

ہر قوم کی تاریخ میں ایک ابتدائی عہد ایسا گزرا ہے جس کے حالات اس عہد کے قیاسات عقلی سے باہر اور عجیب و غریب واقعات سے لبریز ہیں۔ یونانیوں رومیوں ہندوؤں اور چینیوں ہی میں یہ تھا کہ ان دنوں آسمان و زمین کے رہنے والے اور عالم بالا و عالم زیریں والے باہم ملتے جلتے تھے اور سروشتان و آشیتان کی آمد و رفت کے راستے کھلے ہوئے تھے بلکہ بنی اسرائیل و عرب میں بھی اپنی ابتدائی تاریخ کے متعلق ایسے ہی حالات مشہور تھے۔ عرب کی ملکہ سبا بلقیس بابل کی ملکہ سمیرامیس اور یونان کی ہیلن بھی اسی قدیم عہد کی خاتونیں ہیں۔ جو قریب العہد تھیں اور ولادت سرور کائنات سے دو ہزار سال پہلے تقریباً تین سو برس کے اندر ایک دوسرے کے بعد گزریں۔ ان سب کے حالات خلاف فطرت واقعات سے لبریز نظر آتے ہیں مگر اسلام اور بت پرستی کا یہ فرق اس زمانہ میں بھی نمایاں تھا کہ بابل کی سمیرامیس اور یونان کی ہیلن تو دیوی بن گئیں اور بلقیس صرف ایک حق پرست ملکہ اور پیغمبر کی بی بی بننے سے زیادہ تجاوز نہ کر سکی سمیرامیس اور ہیلن میں بےعصمتی آوارگی اور شہوت پرستی تھی اور بلقیس جو سبا کو فتح کرنیوالے حسن و جمال کیساتھ عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ تھی۔

بلقیس کا واقعہ کتب آسمانی میں بھی مذکور ہے مگر بہت مختصر اور مابقی حالات کا تکملہ قومی روایتوں اور کہانیوں سے کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے متعلق اختلاف بھی بہت ہیں اور انکا اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بعض اہل روایت کہتے ہیں کہ اسکا اصلی نام بلقمہ تھا اور شرح بن حارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی بیٹی تھی۔ بعض اسکے باپ کا نام شرح بن تبع ذی الاذعار بن تبع ذی المنار بن تبع رائش بتاتے ہیں۔ مگر [illegible] در اصل کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ وہ قدیم شاہان یمن کی نسل سے تھی جو [illegible] تبع کہلاتے [illegible]

تھے اور ان بادشاہوں کے نام کے ساتھ ایک لقب بھی ہوا کرتا تھا جس کے اول میں اکثر لفظ "ذو" رہا کرتا۔ لہذا پہلی روایت میں ان کے اصلی نام بتائے گئے ہیں۔ اور دوسری میں ان کے شاہانہ القاب۔

ان ملوک تبع کا جو تبابعہ یمن کہلاتے ہیں بڑا زمانہ گزرا ہے۔ اپنے دور میں وہ کسی سلطنت کو اپنے مقابل نہیں سمجھتے تھے۔ اور ساری دنیا کا بادشاہ اپنے ہی آپ کو خیال کرتے تھے۔ قدیم فراعنہ مصر کا مذاق۔ ان کا سامان عیش انکا زیور۔ ان کے ظروف۔ اور ان کے قصر و ایوان تبابعہ یمن سے اسقدر ملتے جلتے تھے کہ اہل بصیرت کو خیال ہو چلا ہے کہ مصر والے تہذیب و تمدن میں ان ملوک عرب ہی کی شاگرد تھے اور اگر کبھی یمن کے کھنڈروں کو کھود کے وہاں کی تاریخ کا پتہ لگایا جا سکا تو کیا عجب کہ یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کرے۔ الغرض انہیں تبابعہ یمن کی ایک وارث تلج و دیہیم ملکہ بلقیس بھی تھی۔

اس کے متعلق جو خارج از عقل واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسکی ماں بادشاہ جن کی شاہزادی تھی جس کا نام رواحہ یا ریحانہ تھا۔ اور اس غیر معمولی عقد شادی کے متعلق یہ روایت بیان کیجاتی ہے کہ بلقیس کا باپ شرح اپنے خاندان کا تنہا فرمانروا تھا۔ ساری دنیا پر متصرف تھا۔ اور سارے جہان میں کسی شاہی خاندان کو اپنا کفو اور ہم رتبہ نہ سمجھتا تھا کہ اس کی لڑکی کو اپنی ملکہ بنائے اور آخر کار کہنے لگا کہ میں انسانوں میں شادی ہی نہ کرونگا۔

وہ جنگل میں جا کے شکار کیا کرتا۔ اور ہرنوں کی طرح شیر چیتوں کا بھی شکار کرتا تھا بہت سے شیر چیتے اس کے ہاتھ سے مارے گئے تو خود بادشاہ جن نمودار ہو کے اسکا شکریہ ادا کیا اور اس نے اس کے عوض اسی اسکی بیٹی کا پیام دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یوں نہیں بلکہ ایک دفعہ اس نے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید سانپ باہم لڑ رہے ہیں۔ آخر لڑتے لڑتے کالا سانپ سفید سانپ پر غالب آیا۔ یہ بات اسے پسند نہ آئی۔ ملازموں کو حکم دیا کہ اس کالے سانپ کو مار ڈالو اور سفید جو نہایت مضمحل و ناتواں ہو رہا تھا اسے پانی چھڑک چھڑک کے ہوش میں لایا

یہانتک کہ وہ رینگ کے چلا گیا۔ رات کو شیخ اپنے خلوت خانے میں تھا کہ ناگہاں ایک خوش رو نو جوان نمودار ہوا جس کی صورت دیکھ کے شیخ ڈرا تو اس نے کہا کہ آپ خوف نہ کھائیں میں وہی سفید سانپ ہوں جس کی دن کو آپ نے جان بچائی تھی۔ اس احسان کا جو معاوضہ کہئے کرنے کو تیار ہوں۔ کہئے تو روپیہ پیسہ لا کے نذر کردوں۔ یا کہئے تو آپ کو فن طب بتا دوں شیخ نے کہا روپیہ پیسہ خدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے طب کی ضرورت بادشاہوں کو نہیں حکمرانی کے ساتھ وہ طبابت بھی کرنے لگیں تو لوگ نام رکھیں گے۔ لیکن ہاں میری آرزو البتہ یہ ہے اگر آپکی کوئی بیٹی ہو تو اُسے میرے عقد نکاح میں دیجئے۔ اس جوان جن نے کہا "ہاں میری ایک بیٹی ہے۔ اور اسکے لیے آپکا پیام قبول بھی کرتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جو چاہے کرے آپ اسکے کاموں میں دخل نہ دیں۔ اگر ذرا بھی دخل دیا۔ تو وہ آپکو چھوڑ کے چلی آئے گی" شیخ نے یہ شرط منظور کی۔ اور شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسے پیدا ہوتے ہی ماں نے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ باپ کے دل کو صدمہ تو بڑا ہوا مگر اپنے عہد کی پابندی میں خاموش ہو رہا پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے ماں نے ایک کتیا کے سامنے ڈال دیا اور وہ اسی جھپٹ سے اٹھا لے گئی۔ اب کے بھی دل شکستہ باپ نے کلیجہ پر پتھر کی سل رکھ لی۔ اس کے بعد کسی باغی نے سر اٹھایا اور بادشاہ نے اس کی سرکوبی کے لیے فوج کشی کی۔ پر اسرار بی بی بھی اس سفر میں ساتھ تھی۔ ایک منزل پر پہنچ کے جہاں رسد اور پانی ملنے کی کوئی امید نہ تھی کیا دیکھتا ہے کہ سارے غلہ اور کھانے کی چیزیں مٹی میں مل گئیں۔ مشکوں کے دہانے آپ ہی آپ کھل گئے اور سارا پانی بہہ گیا۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ کو اپنی اور اپنے لشکر کی ہلاکت کا یقین آ گیا۔ اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ کارستانی جنوں نے میری بی بی کے کہنے سے کی ہے۔ ابھی تک تو ضبط کیا تھا مگر اب نہ ہو سکا۔ بی بی کے پاس جاکے بیٹھا اور بیقرار ہو کے الزام سے بچنے کے لیے زمین کی طرف اشارہ کرکے کہا "تو نے میرے بیٹے کو جلا دیا میں نے دم نہ مارا۔ میری بیٹی کتیا کو دے دی اور میں نے آہ نہ کی۔ لیکن اب اس آفت سے تو ہم میں کوئی بھی جان بر نہ ہو گا" بی بی نے فوراً جواب دیا "بہتر تھا

کہ تم اب بھی صبر کرتے تمہارے کھانے پانی میں دشمنوں نے زہر ملا دیا تھا اگر وہ تلف نہ کر دیا
جاتا تو ایک بھی زندہ نہ بچتا" یہ کہہ کے اس نے ایک ایسے مقام پر پہونچا دیا جہاں کھانا
پانی سب چیزیں کثرت سے مل گئیں۔ اس کے بعد وہ بولی "تمہیں اپنے بیٹے کا صدمہ
ہے اُسے میں نے ایک والی کے سپرد کر دیا تھا مگر خدا کو زندگی نہیں منظور تھی مر گیا
رہی تمہاری بیٹی وہ جیتی جاگتی موجود ہے" اور اُس کے یہ کہتے ہی ایک حسین و
خوبرو لڑکی زمین سے نکل کے باپ کے سینہ سے لپٹ گئی۔ یہی بلقیس تھی جس سے
مل کے باپ بیحد خوش ہوا۔ خلاصہ یہ کہ بلقیس عرب کی شکنتلا تھی جو انسان اور
پری کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ نے اس غنیم کو مغلوب کیا اور انتظام سلطنت اپنی زندگی
ہی میں بلقیس کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور جب مرا تو وہی وارث تاج و تخت ہوئی۔
مگر اس میں بھی بعض اہل روایت کو اختلاف ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بلقیس کا باپ بغیر
کوئی وصیت کئے مر گیا۔ اور اس کے بعد رعایا میں جھگڑا پڑا ایک گروہ نے بلقیس کی
اطاعت قبول کی اور ایک نے اس کے چچا زاد بھائی کی۔ اُس کے اس ابن عم نے حکومت پاتے
ہی طرح طرح کے ظلم کرنا شروع کر دیئے خصوصاً اُس کی شہوت پرستی اس درجہ کو پہونچ
گئی کہ ملک بھر میں جس کی بیٹی کو حسین و خوبرو سنتا بلوا کے بے آبرو کر ڈالتا۔ آخر لوگ عاجز
آ کے اس فکر میں ہوئے کہ اُسے تخت سے اُتار دیں۔ یہ باتیں بلقیس کو ناگوار گزر ہی
رہی تھیں کہ اس نے بلقیس کو بھی بے عزت کرنے کے لئے بلوایا۔ بلقیس نے کہلا بھیجا
"میں نہیں بلکہ آپ خود مجھ سے ملنے کو یہاں آئیے" وہ فوراً چلا آیا۔ اور یہاں
دو شخص چھپا کے لگا دئے گئے تھے۔ ادھر اس نے مکان کے اندر قدم رکھا۔ اور ادھر
انھوں نے اپنی تلواروں سے کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ہی بلقیس نے وزرا کو
بلوا کے غیرت دلائی کہ تم میں سے ایک بھی نہ تھا جسے اپنی بیٹی کی بے آبروئی پہ غیرت
آتی؟ پھر اس کی لاش دکھائی۔ اور کہا "اب جس کو مناسب سمجھو اپنا بادشاہ
بناؤ" سب نے کہا "آپ سے بہتر حکمران ہمیں نصیب نہیں ہو سکتا۔ لہذا آپ ہی اپنے

آبائی تخت کو اپنے جلوس سے زینت دیجئے۔

بلقیس کی تخت نشینی کے متعلق... ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب اُسکا ابن عم بادشاہ ہو گیا۔ تو بلقیس نے خود ہی اُس سے شادی کی درخواست کی اُس نے کہا مجھے تو اسکی پہلے ہی سے آرزو تھی مگر امید نہ تھی کہ تم قبول کرو گی۔ اور اسی وجہ سے پیام دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ بلقیس نے کہا "مجھے انکار کی کیا وجہ تھی؟ نسب اور خاندان میں تم میرے ہم رتبہ ہو۔ اچھا تو اب تمام اعزہ و اقارب کو جمع کر کے نکاح پڑھوالو" اس قرارداد کے مطابق نکاح ہو گیا۔ رات کو جب وہ حجلۂ عروسی میں آیا تو بلقیس نے اُسے اتنی شراب پلائی کہ بے ہوش ہو گیا۔ تب بلقیس نے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور اپنے گھر چلی آئی۔ اور اُس سر کو اپنے دروازے پر لٹکوا دیا لوگوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو بلقیس کے سامنے آ کے آستاں بوس ہوئے اور اُسے تخت پر بٹھایا۔

"بلقیس نے سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی ایسی خوبی اور شان و شوکت سے حکومت کی کہ اسکے کوکب اقبال کے سامنے تمام تبابعہ یمن کا ستارہ گہنا گیا۔ ان سب کے واقعات مشکوک و مشتبہ کہانیاں رہ گئے۔ اور بلقیس کی تاریخ اور اس کے کارناموں کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ قرآن پاک کے مقدس اوراق میں بھی درج ہیں"

اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ اسکے ۳۰۰ وزیر تھے جو دربار میں ہر وقت دست بستہ کھڑے رہتے۔ بارہ سپہ سالار تھے جو اطراف و جوانب میں فوج کشی اور سرکشوں کی سرکوبی کرتے تھے۔ اور چالیس ہزار لشکر ہمیشہ آستان سلطنت پر کمر بستہ رہتا کہ اشارہ ہوتے ہی شمشیر زنی کے لئے روانہ ہو جائے اس کے علاوہ ۴۰۰ تاجدار اس کے باجگزار اور مطیع فرمان بتائے جاتے ہیں۔

سب سے زیادہ شہرت اس کے تخت کی ہے جسے اُس نے ایسے اہتمام اور تکلف سے آراستہ کیا تھا [illegible] دنیا میں کوئی تخت اس کے تخت کا ہم پایہ نہیں خیال کیا جاتا [illegible] وہ ایک بے حد [illegible] اس [illegible]

سلیقگی سے سونے چاندی کے پتر چڑھائے گئے تھے۔ اور اُن پر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایوان شہریاری سات عالی شان قصروں سے آراستہ تھا جو ایک دوسرے کے اندر واقع تھے اور ساتویں قصر میں یہ تخت تھا۔ لہذا ہر طرف سے انسان سات قصروں اور دہلیزوں سے گزرنے کے بعد تخت تک پہونچ سکتا تھا ان سب محلوں کے در و دیوار اور چھت پر بھی چاندی سونے کا ملمع تھا اور جواہرات سے مرصع کر کے اُن میں نقش و نگار بنائے گئے تھے"

مشرقی جانب ایک روشن دان تھا اور آفتاب کے طلوع ہوتے ہی اُس کی شعاعیں آ کے تخت کے پایوں پر پڑتی تھیں اور سمجھا جاتا کہ ہر صبح سب سے پہلے آفتاب آکے سجدہ کیا کرتا ہے۔ اس تخت کی آرائش و زینت میں بلقیس نے تین لاکھ اوقیہ سونا خرچ کیا تھا (ایک اوقیہ) ۲ تولہ ۹ ماشہ اور ۲ رتی کا ہوتا ہے۔

یہ ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۶۱۶ سال پہلے کا زمانہ تھا جبکہ ارض یہود اور فلسطین میں حضرت سلیمان کی حکومت تھی اور شیاطین و اجنہ کے علاوہ وحوش و طیور تک آپ کے مطیع و منقاد تھے۔ اتفاقاً آپ کا لشکر کسی طرف سے گزرا جہاں پانی میسر نہ آتا تھا۔ ہدہد کو بھیجا گیا کہ پانی کا پتہ لگائے وہ جو اس تلاش میں گیا تو ایوان بلقیس میں گزرا جہاں کی نزہت و شادابی دیکھ کر اتر پڑا۔ اور یہاں کی کیفیت کا ایسا گرویدہ ہوا کہ واپسی میں دیر ہو گئی۔ حضرت سلیمان برہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہدہد آیا اور بلقیس کی حکومت اور اُس کے قصر و ایوان کی خبر دی۔ آپ نے اُسی کے ذریعہ سے بلقیس کو ایک خط بھیجا۔ ملت حنیفیہ بیضا کی طرف مدعو کیا تھا۔ یہ خط پڑھ کے بلقیس نے وزراء و امراء سے مشورہ کیا لوگوں نے کہا "ہماری سطوت و عظمت ایسی نہیں کہ کسی سے دب جائیں ہم فوج کشی و جانبازی کو تیار ہیں مگر حضور کو اختیار ہے جو مناسب سمجھیں حکم دیں" بلقیس نے کہا و میں اس بادشاہ کے پاس جو پیمبری کا دعویٰ کرتا ہے ایک تحفہ بھیجتی ہوں اور اسی ذریعہ سے اُسے آزماتی ہوں۔ اگر سچا پیمبر ثابت ہوا تو ہم اسکی اطاعت کرینگی ورنہ اسکی اس گستاخی کی سزا دینگی" اس قرارداد کے مطابق بلقیس کے دربار سے ہدیے بھیجے گئے

جنہیں ۵۰۰ خوبصورت غلام اور ۵۰۰ پرجمال لونڈیاں تھیں لیکن غلام عورتوں کا زیور
اور لباس پہنا کے آراستہ و پیراستہ کئے گئے اور لونڈیاں مردانہ کپڑے پہنا کے خوبصورت
اور بانکے ترچھے جوان رعنا بنا دی گئیں۔ دوسرے تحفہ یہ تھا ایک ہزار سونے چاندی کی
اینٹیں ایک مرصع و مکلل تاج مشک اور عنبر اور ایک ڈبہ تھا جن میں ایک بیش
بہا موتی اور ایک مہرہ تھا۔ مگر یہ ہے ہیں دونوں کے سوراخ ٹیڑھے کر دیئے گئے تھے
ان ہدیوں کو لیکے دربار بلقیس کا معزز و محترم شخص منذر بن عمر مع اپنے چند معزز رفقا
کے روانہ ہوا۔ بلقیس نے چلتے وقت منذر سے کہا اگر سلیمان نبی ہیں تو لونڈی غلاموں
کو پہچان جائیں گے۔ موتی کا سوراخ سیدھا کر دیں گے۔ اور مہرے کے سوراخ میں
ڈورا ڈال دیں گے" اور یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر ان ہدیوں کو دیکھ کے سلیمان
تمہاری طرف برہمی اور غصہ کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ جانا کہ وہ معمولی بادشاہ ہیں
اور اگر انکی خندہ جبینی و بشاشت میں فرق نہ آئے تو جان لینا کہ پیغمبر ہیں۔ اللہ جل
شانہ نے حضرت سلیمان کو بذریعہ وحی ان تمام باتوں کی پہلے ہی سے اطلاع دیدی تھی
آپنے ان لوگوں کے دکھانے کیلئے ایسا سامان کیا جو انسان کی قوت و فہم سے
بالکل باہر تھا۔ جنوں کی مدد سے سات فرسخ تک زمین سونے اور چاندی کی
بنا دی گئی۔ اور اس کے گرد ایک سونے کی دیوار تعمیر کی گئی۔ اور اس میدان میں
دو طرفہ تمام عجیب غریب جانور لاکے جمع کر دیئے گئے۔ پھر آپ اپنے تخت پر جلوہ افروز
ہوئے اور تخت کے دونوں جانب تمام اہل دربار جنہیں جن و انس شریک تھے اپنے
اپنے مرتبہ سے کرسیوں پر بیٹھے یمن کے سفیر جب میدان میں داخل ہوئے تو یہاں
کا منظر دیکھ کے ان کے ہوش اڑ گئے۔ سونے کی یہ بے قدری دیکھی کہ اس کی زمین
پر چوپائے لید کر رہے ہیں۔ لہذا سونے چاندی کی جو اینٹیں لائے تھے انہیں یہاں
حقیر دیکھ کے راستہ میں ڈالدیا۔ اور لونڈی غلام اور اس ڈبے کو لئے ہوئے دربار
میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان ان سے شگفتہ روئی سے ملے اور خود پوچھا کہ وہ تحفہ
جو تم لائے ہو کہاں ہے؟" اور انہوں نے جیسے ہی پیش کیا آپنے ایک چیونٹی کو اشارہ کیا

جس نے سوراخ سیدھا کر دیا، پھر ایک سفید کیڑے کو اشارہ کیا اس نے مہرے میں ڈورا ڈال دیا۔ اس کے بعد آپ نے لونڈی غلام کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھ منہ دھوئیں اور ان کے منہ دھونے کی وضع سے خود ہی کھل گیا کہ جو غلام نظر آ رہے ہیں اصل میں لونڈیاں ہیں۔ اور جو لونڈیاں دلہن بنی ہوئی کھڑی ہیں نوخیز نوعمر غلام ہیں۔ ان سب رموز کا انکشاف کرنے کے بعد حضرت سلیمان نے وہ ہدیے واپس کر دیئے۔

ان سفیروں نے واپس آ کے جب ساری سرگزشت بلقیس سے بیان کی تو اسے یقین آ گیا کہ حضرت سلیمان صرف بادشاہ نہیں پیغمبر الٰہی ہیں۔ فوراً خود جانے پر تیار ہو گئی اور بارہ ہزار سپاہیوں کا پُر جلال جلوس ساتھ لیکے چل کھڑی ہوئی۔ جب بیت المقدس کے قریب پہونچی تو حضرت سلیمان نے جنوں کے ذریعہ سے اس کا تخت اٹھوا منگوایا اور محض اس غرض سے کہ بلقیس کو پہچاننے میں شبہ پڑے اس کے جواہرات جا بجا بدل دیئے۔ بلقیس کی آمد آمد کی خبر سے جنوں میں کھلبلی پڑ گئی کہ اگر سلیمان نے بلقیس سے عقد کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی تو پھر ہم پر سے خاندان سلیمانی کی حکومت کبھی نہ مٹے گی کیونکہ بلقیس کی اولاد میں جنوں کے خصائص بھی موجود ہونگے جو انسانوں میں نہیں ہوتے لہٰذا انہوں نے حضرت سلیمان کے سامنے بلقیس کے عیوب بیان کرنا شروع کیے اور کہا "بلقیس ایک بدمزاج بے عقل عورت ہے اور اس کے پاؤں میں چوپاؤں کی طرح بال ہیں"۔ حضرت سلیمان نے اس کا پتہ لگانے کے لیے ایک عالیشان شیشہ کا محل بنوایا جس کی زمین بھی شیشہ کی تھی۔ مگر شیشہ کے نیچے پانی دوڑایا گیا تھا اور اس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے دریائی جانور لا کے چھوڑ دیئے گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پانی نہ تھا بلکہ شیشہ کا رنگ پانی کا سا تھا اور اس کے نیچے دریائی جانوروں کی تصویریں بنا دی گئی تھیں۔ الغرض ایسا معلوم ہوتا تھا اوپر سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ زمین نہیں بلکہ سمندر ہے اور اس میں جانور چل پھر رہے ہیں۔ اسی محل میں حضرت سلیمان تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ بلقیس جیسے ہی وہاں پہونچی سمجھی کہ یہاں زمین نہیں بلکہ پانی ہے اور اپنے لباس کے دامن یا پائنچے ہاتھ سے پکڑ کے اوٹھائے تاکہ پانی میں

بھیگ نہ جائیں، اور ساتھ ہی حضرت سلیمان کو نظر آگیا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اس کے بعد آزمانے کے لیئے اس سے سوال کیا گیا کہ "آپکا تخت ایسا ہی ہے؟" جس کے جواب میں وہ سوچ کے اور متامل ہو کے بولی "ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے" الغرض ملنے کے بعد حضرت سلیمان کو یقین آگیا کہ جنوں کے بیان کے خلاف بلقیس ایک نہایت ہی عاقل اور سمجھدار ملکہ ہے۔ مگر ہاں اسکے پاؤں میں بال البتہ ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ اسی عیب کے دور کرنے کے لیئے اس زمانہ میں نورے کا نسخہ ایجاد کیا گیا۔

اب حضرت سلیمان نے بلقیس کو دین الٰہی کی طرف بلایا۔ اور وہ کلمۂ توحید پڑھکے مسلمان ہوئی۔ پھر حضرت سلیمان نے اُس سے نکاح کر لیا اور آپکی محبوب تریں ملکہ وہی تھی۔ عقد کے بعد آپنے اُسے ملک یمن ہی کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اور معمول تھا کہ ہر مہینہ میں ایک بار جا کے آپ تین دن تک اُس کے ہاں رہا کرتے اُس کے بطن سے آپکا ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا جس کا نام داؤد رکھا گیا تھا مگر وہ باپ کی زندگی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا اس کے خلاف یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے بلقیس سے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اُسے حکم دیا کہ اپنی قوم کے کسی مرد سے عقد کر لے مگر اس نے انکار کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں یہ غیر ممکن ہے اگر مسلمان ہوئی ہو تو تمہیں کسی سے نکاح بھی کرنا پڑیگا۔ یہ حکم سن کے وہ بولی "اگر اس سے مفر نہیں تو پھر بادشاہ ہمدان ذوتبع کے ساتھ میرا نکاح کرا دیجیئے" آپنے اُس کی یہ خواہش پوری کر دی اور یمن کے جنوں کو حکم دیا کہ اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں چنانچہ اُسنے اور اُس کے شوہر نے جنوں کی مدد سے متعدد قصر و ایوان تعمیر کرائے منجملہ انہیں قصروں کے یمن کے عالیشان ایوان سلحین۔ مرواح۔ قلیون۔ ہینده۔ بینون۔ اور غمدان تھے۔

حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جنوں نے ذوتبع کی اطاعت چھوڑ دی اور آپ کے انتقال کے ساتھ ہی اُن کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مگر بعض اہل روایت یہ کہتے ہیں کہ بلقیس نے جناب سلیمان علیہ السلام کی زندگی ہی میں
وفات پائی۔ اور آپ نے اُسی شہر تدمر (یعنی ملکہ زنوبیہ کے شہر) کی خاک میں دفن کرکے
قبر کا نشان مٹا دیا۔ تاکہ لوگوں کی نظر سے مخفی رہے۔

ملکہ زباء

(عرب میں)

سکندر اعظم نے جب دارائے ایران کو تاج و تخت سے محروم کرکے قدیم اصطخر کو لوٹ لیا
تھا تو اُس نے اس کیانی دار السلطنت ہی کو تباہ و پامال نہیں کیا بلکہ مشرق کی لہلہاتے
ہوئے چمن یعنی ساری سرزمین ایران کو اجاڑ کے ویران کر دیا۔ ایک پرانی منتظم سلطنت
اور امن و امان کی دنیا کو اُس نے اپنے پر جوش دہقانی صفت سپاہیوں سے پامال و تو ڑ پھوڑ
آسانی سے گرا دیا۔ مگر یہ وسیع اور عظیم الشان سلطنت اس سے سنبھالے نہ سنبھل سکی
کیونکہ بگاڑنا آسان تھا۔ اور بنانا مشکل۔ اس غیر منتظم مملکت کو نہایت ہی ابتری کی حالت
میں چھوڑ کے وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اور اُس کے بعد یہاں ایک نیا دَور شروع
ہوا جو عموماً طوائف الملوکی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی سارے ملک میں کوئی
ایک سلطنت نہیں قائم تھی۔ بلکہ ہر ہر صوبہ کے جدا جدا بادشاہ تھے جو ملوک طوائف کہلاتے
یہ ہمیشہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے اور اُس سارے ملک میں جو پہلے دولت عجم کے قبضہ میں
تھا ان خود سر فرمان رواؤں کی بدولت جب دیکھیے قتل و خون کا بازار گرم رہتا تھا۔
انہیں ملوک طوائف میں عرب کے عمالقہ قدیم میں ایک زبردست بادشاہ تھا عمرو
بن ظرب بن حسان اذینہ عملیقی۔ اس کی قلمرو حدود شام سے لیکے دریائے فرات کے
کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور شہر تدمر اُسکا بارونق شہر تھا اور وارث سلطنت
اس کی اکلوتی حسین و نازنین بیٹی نائلہ تھی جو تاریخ میں زباء کے لقب سے شہرت رکھتی
ہے انہیں دنوں ارض حیرہ یعنی عراق و عرب کے سرحدی صوبہ کی حکومت ایک دوسرے
بادشاہ کے ہاتھ میں تھی جو جذیمہ ابرش ملک کے لقب سے شہرت رکھتا تھا۔ جذیمہ کا شمار

شمار بھی ملوک طوائف میں تھا مگر معلوم ہوتا ہی کہ وہ اپنے دوسرے معاصر فرماں رواؤں سے زیادہ بہادر اور بڑا نبرد آزما تھا۔ اور اکثر حریفوں اور دشمنوں کے مقابلہ میں فتحیاب ہوتا رہا تھا چنانچہ جب اسے عمرو بن ظرب کی عظمت کا حال معلوم ہوا تو اس کے ملک پر چڑھائی کردی۔ عمرو بھی ایک لشکر جرار کے مقابلہ کو آیا مگر میدان جنگ میں قسمت نے جذیمہ ابرش کی یاری کی اور عمرو بن ظرب کو شکست ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ حریف کے ہاتھ سے عرصۂ نبرد میں مارا گیا۔ لاڈلی اور یتیم بیٹی زبا کو باپ کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور چونکہ کوئی دوسرا وارث سریر سلطنت نہ تھا۔ لہٰذا یہی تخت نشین ہوئی بیٹھنے کو تو وہ تخت پر بیٹھ گئی مگر دل میں عہد کر لیا کہ جب تک باپ کا بدلہ نہ لے لونگی چین نہ لونگی۔

جذیمہ ابرش نے اس واقعہ سے بہت پہلے ایک لخمی شہزادے حسین و خوبرو لڑکے کے حسن و جمال اور اُس کی تمیزداری و سلیقہ شعاری کی تعریف سنی تھی جو قبیلہ بنی ایاد میں تھا اور عدی بن نضر بن ربیعہ اُس کا نام تھا محض اُس لڑکے کے حاصل کرنے کیلئے جذیمہ نے بنی ایاد پر یورش کی تھی۔ اور برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے دو بتوں کو "جو ضیزنان" کہلاتے تھے ساتھ لیتا گیا تھا۔ بنی ایاد میں مقابلہ کی تو طاقت نہ تھی مگر انہوں نے ایک رات کسی عیار شخص کو بھیج کے جذیمہ کے کیمپ سے وہ دونوں بت چرا لیئے۔ اور صبح کو کہلا بھیجا کہ "تمہارے دونوں بت ہمارے پاس چلے آئے۔ معلوم ہوتا ہی کہ تمہارے دیوتاؤں نے ناراض ہو کے تمہیں چھوڑ دیا اور ہمارے پاس رہنا پسند کرتے ہیں۔ اگر یہ لڑے بھڑے واپس چلے جانیکا وعدہ کرو تو ان دونوں کو ہم تمہارے پاس پہونچا دیں"۔

جذیمہ کو اس لڑکے عدی کا اسقدر شوق تھا کہ جواب دیا "ان دیوتاؤں کے ساتھ اگر تم عدی بن نضر لخمی کے بھیجنے کا بھی وعدہ کرو تو بیشک میں واپس چلا جاؤنگا۔ بنی ایاد نے یہ شرط منظور کی عدی کیساتھ اُن دونوں بتوں کو جذیمہ کے پاس بھیجدیا۔ جذیمہ نے اپنی ساقی گری کی خدمت عدی کے سپرد کی اور اُس کے ہاتھ سے شراب

گلفام کے جام پیتا ہوا اپنے دارالسلطنت میں واپس آیا۔

جذیمہ کی ایک کنواری جوان اور حسین بہن تھی رقاش اُس نے جو عدی کی صورت دیکھی تو ایک جان چھوڑ سو جان سے اُس پر عاشق ہو گئی اور اندر ہی اندر کہلا بھیجا "تم میرے لئے جذیمہ کو اپنی طرف سے پیام کیوں نہیں دیتے؟ عدی نے کہلا بھیجا بھلا مجھ سے ایسی جرأت ہو سکتی ہے؟" رقاش نے کہا "آج رات کو تم جذیمہ کو تو خالص شراب آتش لباس کے جام پلاؤ اور دوسرے ندیمان صحبت کو پانی ملا ملا کے پلاؤ تاکہ اپنے ہوش میں رہیں۔ جب دیکھنا کہ جذیمہ کو خوب نشہ ہو گیا ہے۔ اور شراب کی پیاس زوروں پر ہے اسوقت میرے لئے پیام دینا" عدی نے ایسا ہی کیا۔ جذیمہ نشہ میں اس قدر مدہوش ہو رہا تھا کہ ساقی ہوش ربا کی درخواست سنتے ہی منظور کرلی اور اسی وقت سب کے سامنے عقد نکاح کی تکمیل کر کے رقاش کا ہاتھ عدی کے ہاتھ میں دے دیا۔

صبح کو جب اُسے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ عدی غیر معمولی طور پر بنا چنا ہوا ہے اور بنڈے سے خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں۔ پوچھا "یہ کیوں؟" عدی نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ میری شادی ہوئی ہے۔ متحیر ہو کے کہا "تمہاری شادی! کس سے؟" کہا "حضور کی ہمشیرہ رقاش سے" منغض ہو کے پوچھا "کس نے شادی کی؟" عرض کیا "خود حضور نے" جذیمہ نے متعجب ہو کے پوچھا "میں نے!" عرض کیا "جی ہاں خاص حضور نے چاہیں حضور اہل دربار اور ندیمان صحبت سے دریافت فرمالیں" جذیمہ نے شب کے حریفان صحبت شراب سے پوچھا تو سب نے شہادت دی۔ آخر قائل ہو کے جذیمہ نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ مگر اُسے برہم دیکھ کے عدی اُسی وقت بھاگ کھڑا ہوا۔ اور قبیلہ بنی ایاد میں جا کے چند ہی روز رہا تھا کہ ایک دن شکار میں کسی کے تیر کا نشانہ بنگیا مگر رقاش اس کے آنیکے بعد حاملہ تھی۔ صاحب تاج و سریر بھائی نے اُسے اس حال میں دیکھ کے کہا۔ "تو نے کس سے زنا کیا ہے؟" وہ بولی زنا نہیں بلکہ خود آپ نے ایک معزز شریف جوان عربی کے ساتھ میرا عقد کیا تھا" چند روز بعد رقاش کے بطن

سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ تو اس نے اس کا نام عمرو بن عدی بن نصر رکھا۔ ماں عمرو کو ابتداً تو چھپائے رہی۔ مگر جب ذرا بڑا ہوا تو اُسے اچھے کپڑے پہنا کے خوشبو لگا کے اور بنا چنا کے بھائی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کی صورت اور باتیں جذیمہ کو ایسی بھلی لگیں کہ اُسے اپنے لڑکوں کے ساتھ رکھ لیا۔ اور انہیں کے ہمراہ اسکو تعلیم دینے لگا۔ عمرو بن عدی ماموں کا ایسا ادب کرتا تھا اور بات بات میں اسکی نفع رسانی کا ایسا خیال رکھتا تھا کہ جذیمہ کو اس سے بڑی محبت ہو گئی اور اُسے اپنے بیٹوں پر ترجیح دینے لگا۔ چنانچہ جن دنوں جذیمہ نے عمرو بن ظرب کو شکست دیکے قتل کیا ہے اُسکا سب سے بڑا معتمد علیہ یہی عمرو بن عدی تھا جو اسکا بھانجا اور نہایت حسین خوبرو اور ایک جوان رعنا تھا

زبا نے تخت پر بیٹھنے کے بعد چند ہی روز میں اپنی سلطنت کا انتظام کر لیا۔ ہر جگہ امن و امان قائم کیا۔ قلعہ کو زیادہ محکم و استوار کیا فوج خوب آراستہ کی اور اب تیاریاں کر رہی تھی۔ کہ فوج کشی کر کے جذیمہ ابرش سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے کہ اُسے ان تیاریوں میں مصروف دیکھ کے اس کی ایک بہن جو اس کے باپ کی ربیبہ تھی بولی "آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ کیا جذیمہ سے لڑیے گا؟ کون جانتا ہے۔ کہ لڑائی کا کیا انجام ہوگا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی کو شکست ہو جائے؟" زبا نے کہا "تو کیا تم چاہتی ہو کہ میرے باپ کا خون بے انتقام لئے یونہیں پڑا رہ جائے! یہ نہ ہوگا!" وہ عورت بولی "تو میں کب کہتی ہوں کہ آپ انتقام نہ لیں؟ ضرور لیں۔ مگر ایسی طرح کہ اپنے لئے کوئی اندیشہ نہ ہو۔ کہا وہ صورت یہ ہو کہ بجائے چڑھائی کر کے جانے کے خود اُسے اپنی کمند میں پھانس کے یہاں کھینچ بلائیے اور نیزے اور تلوار اور خنجر و تبر کے عوض اُسے اپنے حسن عالم آشوب کے اسلحہ سے مار لیجئے"

یہ باتیں اس عیار عورت نے زبا کو اس طرح سمجھائیں کہ اُس کے دل میں بیٹھ گئیں اور آمادہ ہو گئی کہ اُسی طریقہ سے جذیمہ کو زک دے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جذیمہ کو ایک خط لکھ بھیجا کہ "بیا بیا کہ دگر طاقت جدائی نیست" اس خط میں بیحد اشتیاق ظاہر کر کے لکھا تھا کہ "عورت کی سلطنت کو جہاں تک دیکھتی ہوں مضبوط نہیں ہوتی۔ وہ اکیلی بغیر مرد کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتی۔ علاوہ بریں میں نے دنیا پر نظر ڈالی تو حکمرانی خود سنبھالی نہ جاتی

وطباعی، شوکت وحشمت اور تمام باتوں میں میرا مماثل و مقابل آپکے سوا کوئی نہیں
ہے۔ لہذا آئیے کہ ہم آپ ایک ہو جائیں میں آپکے ملک کی ملکہ بنوں اور آپ میرے
ملک کے بادشاہ ہوں"

یہ خط دیکھتے ہی جذیمہ کے دل میں عشق کی آگ بھڑک اٹھی۔ دل میں کہا "بھلا ایسی
پری جمال و صاحب اقبال دلہن دنیا میں کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ پھر اس خط کو اہل
دربار اور مشیروں کے سامنے پیش کرکے مشورہ طلب کیا سب لوگ بادشاہ کی رائے
کے موافق تھے۔ مگر قصیر نام ایک شخص نے جو دولت کے جاں نثاروں اور اس کے
ملک کے بڑے زبردست عقلا میں تھا سخت اختلاف کرکے کہا "اس خط سے تو مکر
آتی ہے آپ زبا کے بات کے قائل ہیں اس کے فریب میں ہرگز نہ آئیے بلکہ لکھ بھیجئے کہ
سچی ہو تو یہاں میرے پاس چلی آؤ۔ بادشاہ کو قصیر کی رائے پسند نہ آئی مزید اطمینان
کے لئے عمرو بن عدی کو بلا کے اس سے رائے لی اور جب اس نے بھی قصیر کے خلاف دیگر
مشیروں کی رائے سے اتفاق کر لیا تو جذیمہ نے بلا تامل سفر کی تیاریاں کر دیں۔

جاتے وقت اس نے عمرو بن عدی کو اپنا قائم مقام بنا کے دارالسلطنت میں چھوڑا
اور اس کی مدد کے لئے عمرو بن عبد الجن نام ایک بہادر شخص کو بھی سپہ سالار فوج بنا کے
وہاں رکھا اور خود قصیر اور چند اور لوگوں کو اپنے ہمراہ رکاب لے چل کھڑا ہوا۔

فرضہ نام ایک مقام تک پہونچا کہ زبا کے بھیجے ہوئے لوگ اس کے استقبال کو
آپہونچے۔ ان لوگوں کی حالت دیکھ کے قصیر کی بدگمانی اور بڑھی مگر کیا کرتا۔ بادشاہ
پر زبا کا جادو پورا چل چکا تھا۔ اس نے کسی بات کا خیال بھی نہ کیا اور زبا کے قلعہ میں
داخل ہو گیا۔ قصیر نہایت ہی ہوشیار اور سیانا شخص تھا وہ آخر تک جذیمہ کے ساتھ رہا مگر الگ ہی الگ ہر
حالت کو دیکھتا تھا اور دل ہی دل میں جذیمہ کی بے وقوفی پر افسوس کرتا تھا آخر اس نے دیکھا کہ جب
بادشاہ قلعہ کے اندر داخل ہوا تو اس کی حالت بالکل اسیروں کی سی تھی زبا کے سواروں میں گھرا ہوا
تھا اور کوئی بھی اس کے پاس نہ تھا جو اس کی کچھ مدد کر سکے۔ زبا قلعہ کے اندر اس سے ملی صورت دیکھتے ہی جذیمہ
زبا کی چشم و ابرو سے سمجھ گیا کہ مجھے فریب دیا گیا۔ اور میں اس کے دام مکر میں پھنس گیا مگر اب کیا

زور چل سکتا ہے" اتنے میں زبا نے تمسخر کے لہجے میں پوچھا "دلہن کے آداب ملاحظہ فرمائیے گا" پھر آپ ہی بولی "سنتی ہوں بادشاہوں کا خون ان لوگوں کے لیے حکمی دوا ہے جنہیں کتے نے کاٹ کھایا ہو لاؤ بھائی نطع (وہ چمڑہ جس پر بٹھا کے لوگوں کو قتل کرتے ہیں) لاؤ" فوراً نطع بچھا دیا گیا۔ زبا بولی "اور ہاں سونے کا طشت بھی تولا کے رکھ دو" طشت بھی رکھا گیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے جام بھر بھر کے جذیمہ کو خوب شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشہ میں مدہوش ہو گیا۔ ان دنوں معمول تھا کہ لڑائی کے سوا جس میں کوئی امر اختیاری نہیں ہوتا اور کسی حالت میں کسی بادشاہ کی جان لینا ہوتی تو اس کی حرمت کے خیال سے گردن نہ مارتے بلکہ کسی اور طریقہ سے جان لیتے اس پر طرہ یہ کہ کسی کاہن نے زبا سے کہہ دیا تھا کہ "جذیمہ کے خون کا ایک قطرہ بھی طشت کے باہر گر یگا تو وہ اسکا انتقام ضرور لیگا۔

پھر تقاضیر زبا نے نہایت ہی سنگدلی و بے دردی سے جذیمہ کے دونوں ہاتھوں کی فصدیں کھلوا دیں۔ جذیمہ استقلال و ثبات سے سیدھا بیٹھا رہا اور خون برابر بہہ کے طشت میں گرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے اسکے ہاتھ نیچے لٹک گئے جس کے باعث کچھ خون طشت کے باہر گرا تو زبا فوراً گھبرا کے بولی "دیکھیو بادشاہ کا خون ہے ضائع نہ ہونے پائے" اب اس وقت نیم جان جذیمہ کی زبان سے یہ کلمہ یاس نکلا کہ "اس خون کی فکر نہ کرو جسے خود اس کے لوگوں نے ضائع کر دیا ہے" اس کے بعد جذیمہ نے اسی نطع پر گر کے دم توڑ دیا۔ اور زبا کو اطمینان ہوا کہ میں نے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا۔

قصیر اس حال سے واقف ہو کے بھاگتا ہوا حیرہ میں آیا اور عمرو بن عدی کو اس واقعہ کی خبر کی یہاں عمرو بن عدی اور عمرو بن عبدالجن میں عداوت ہو گئی تھی قصیر نے بیچ میں پڑ کے دونوں کو صاف کر ملا دیا۔ اور کہا "اب سب ملکے اپنے بادشاہ کے خون کا انتقام لینے کی کوشش کرو" عمرو بن عدی نے کہا "زبا پر کسی کا کیا زور چلسکتا ہے اس کے سر بفلک قلعہ کی یہ حالت ہے کہ اس پر پرندہ تک پر نہیں مار سکتا ہے"

بھلا میں کیا کر سکونگا؟ قصیر نے کہا " اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ میری ناک کاٹ لیجئے گا۔ میری پیٹھ پر کوڑے لگوائیے اور اپنے یہاں سے نکال دیجئے" عمرو بن عدی نے کہا یہ تو مجھ سے نہ ہوگا" قصیر بولا آپ کو اس میں کیا دخل! میں جو کہتا ہوں وہ کیجئے تو سہی!" عمرو نے کہا " ان باتوں کا شوق ہو تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کاٹ لو اور جو جی میں آئے کرو۔

قصیر کے دل میں اپنے بادشاہ مظلوم کے بیکسی سے مارے جانیکا اسقدر صدمہ تھا کہ خود ہی اپنی ناک کاٹی پیٹھ زخمی کی اور بھاگتا ہوا ملکۂ زباء کے شہر میں پہونچا چونکہ یہ دربار حیرہ کا نامی شخص اور زمانہ کے مشہور عقلا میں تھا لہذا اس کی خبر زباء کو پہونچی اسنے اسے اپنے پاس بلایا اور کیفیت پوچھی۔ اسنے کہا " جب بادشاہ جذیمہ یہاں آئے ہیں میں ان کے ہمراہ رکاب تھا۔ واپس گیا تو عمرو بن عدی نے مجھکو یہ تہمت لگائی کہ میں ہی نے انہیں فریب دیکے آپکے پاس پہونچا دیا۔ اور اس کی سزا میں میری یہ گت بنائی گئی ہے" زباء نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اور کہا تم " اس کا غم نہ کرو تمہاری قدر دانی کے لیئے میں موجود ہوں" یہ کہہ کے اس نے اسے اپنا ندیم خاص بنا لیا۔ اب قصیر ملکۂ زباء کے ہمراہ رہتا تھا۔ اور تمام حالات و رموز سے واقف ہوتا جاتا تھا۔

ایک دن زباء نے کاہنوں سے اپنے انجام اور اپنی آیندہ حالت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا " ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن عدی کی وجہ سے آپکی جان جائیگی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ آپ اپنی جان خود اپنے ہاتھ سے لیں گی۔ نجومی کے اس جواب کے سننے کے بعد اس کے دل میں عمرو بن عدی کی جانب سے ایک ہول سی سما گئی تھی۔ چنانچہ اسی اندیشہ سے اسنے شہر سے قلعہ کے اندر تک ایک سرنگ کھدوائی۔ اور اس کا دروازہ بالکل پوشیدہ رکھا۔ کہ اگر کوئی ناگہانی افتاد پڑ جائے اور وہ شہر میں ہو تو فوراً اس سرنگ کی راہ سے اپنے قلعے میں چلی جائے۔ اس کے علاوہ مصوروں کو بلا کے حکم دیا کہ تم لوگ جا کے عمرو بن عدی کی مختلف وضعوں کی تصویریں لیٹے بیٹھے کھڑے سب حالتوں میں کھینچ لاؤ۔ اس وقت کی طمی جب وہ معمولی

کپڑے پہنے ہو۔ اور اسوقت کی بھی جب وہ ہتھیار لگائے ہوئے آدیچی بنا کھڑا ہو لیکن تمہاری
ان کارروائیوں کی اُسے مطلق خبر نہ ہونے پائے۔ اُس کو وہم و گمان بھی نہ ہو کہ اس
کی تصویریں میرے پاس ہیں۔ ان تصویروں سے اس کی صرف اتنی غرض تھی کہ عمرو بن
عدی کو خوب اچھی طرح پہچان لے۔

قصیر ان سب امور سے واقف ہو چکا تو ایک دن ملکہ زبا سے کہا "میرے مکان میں
میرا بہت سا مال و اسباب پڑا ہوا ہے۔ اگر اجازت ہو تو جا کے لے آؤں۔ اور اس کے
علاوہ اور بھی بہت سا مال تجارت لاؤں گا جسے آپ نہایت پسند فرمائینگی"۔ زبا نے اُسے
اجازت دی اور وہ اس سے رخصت ہو کے سیدھا حیرہ میں آیا۔ عمرو بن عدی سے ملا اور
اس کی مدد سے ایک بڑا بھاری تاجرانہ قافلہ مرتب کر کے واپس گیا جس کے اندر نہایت قیمتی
نایاب اور پر تکلف چیزیں تھیں یہ قافلہ جب زبا کے شہر میں داخل ہوا تو ملکہ نے خود
استقبال کیا قصیر سے بڑے تپاک سے ملی اور اس کا مال تجارت دیکھ کے بے انتہا خوش
ہوئی چند روز بعد قصیر نے دوبارہ مال تجارت لانے کا شوق ظاہر کیا اور اب کی مرتبہ ملکہ نے
پہلے سے زیادہ روپیہ دیکے رخصت کیا۔ وہ پھر آ کے حیرہ سے پیشتر سے زیادہ بھاری
اور قیمتی سامان تجارت لے گیا جو خاص بادشاہوں کے قابل تھا۔ اب کے بھی اس کے
قافلہ کو زبا نے ذوق و شوق سے لیا سب مال خرید لیا۔ اور قصیر کی زیر بار احسان ہوئی"
اب تیسری بار پھر قصیر نے اجازت سفر مانگی اور ملکہ کے دربار سے اُسے بڑی سیر
چشمی کے ساتھ اجازت اور مدد دی گئی۔ لیکن اب کی مرتبہ وہ جو قافلہ لیکے پہونچا
وہ نہایت ہی پر تکلف اور شاندار تھا۔ ہزاروں اونٹ تھے جن پر بڑے بڑے
کجاوے رکھے ہوئے تھے اس قافلہ کی شان کو زبا نے اپنے شہر کے محل سے دیکھا
اور قصیر سے کہا "اب کے تم نہایت ہی شاندار اونٹ اور بڑی دھوم دھام کا قافلہ لائے
ہو"۔ اُس نے عرض کیا "اب کے مال بھی لاجواب ہے جو خاص حضور کے لیے لایا ہوں"
قافلہ تزک و احتشام سے شہر کے اندر داخل ہو کے خاص اُس مقام پر پہونچا جہاں
قلعہ کی سرنگ کا دروازہ تھا۔ وہاں پہونچتے ہی تمام شتر سوار اونٹوں سے کود

کود کود کے ہزاروں بہادر نبرد آزما اُن صندوقوں سے جو اونٹوں پر لدے ہوئے تھے نکل
نکل کے شہر پر حملہ آور ہوئے اور ایک آناً فاناً میں شہر کی سڑکوں پر تلوار چلنے لگی۔ لوگ
بدحواس بھاگ گئے اور ملکہ گھبرا کے چلی کہ سرنگ میں گھس کے قلعہ کے اندر ہو رہے۔ مگر سرنگ
کے دروازہ پر پہونچی تو ایک خوش رو اور بہادر نوجوان کو دیکھا جس کی صورت دیکھتے
ہی ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے بدحواسی کے عالم میں اُس کی زبان سے نکلا "عمرو بن عدی"
اور ساتھ ہی انگوٹھی سے ہیرے کا نگینہ دانتوں سے چھڑا کے اور نگل کے کھا گئی۔ اور بڑے
استقلال سے بولی "بیدی لا بید عمرو" (عمرو کے ہاتھ سے نہیں بلکہ خود اپنے ہاتھ سے)
ہیرا کھاتے ہی ادھر اسے موت کے جھونکے آنا شروع ہوئے اور اُدھر عمرو بن عدی نے
بڑھ کے اسے اپنی تلوار سے مار ڈالا۔

یہ ایک عربیہ ملکہ تھی جس نے کیادی سے اپنے دشمن کی جان لی اپنے مرحوم باپ کا
بدلہ لیا۔ اور جس میدان میں اُس نے اپنے دشمن کو پامال کیا تھا۔ اُسی میں خود بھی ماری
گئی۔ مگر اول سے آخر تک اس کے خوبصورت چہرہ میں بے عصمتی کا دھبہ نہیں لگا اور
آخر میں اُس نے جان بھی دی تو نہایت ہی شریفانہ اور بہادرانہ وضع سے۔ زبا کے بعد اسکی
سلطنت کا مالک عمرو بن عدی ہوا جس کے قبضہ میں ایک بڑی بھاری قلمرو آگئی اور آخر
میں وہ عرب کا بڑا نامور اور بہادر فرمان روا ثابت ہوا کہتے ہیں کہ وہ ایک سو بیس برس
کی عمر کا ہو کے مرا جس میں سے ۹۵ برس ملوک طوائف کے عہد میں اور باقی ایام بانی
دولت ساسانیہ یعنی ساسان اول اردشیر بابکان اور اسکے بیٹے شاپور بن اردشیر کے عہد میں گذرے

ملکہ زنوبیہ

اگرچہ موجودہ زمانہ میں یورپ کو اپنی عورتوں کی لیاقت و دانائی پر بہت کچھ فخر و
ناز کرنیکا موقع حاصل ہے لیکن قدیم زمانہ میں جسطرح ایشیا اور عموماً ممالک مشرق کو تمام
حیثیتوں سے یورپ پر ترجیح حاصل تھی اسی طرح ایشیا کی عورتیں بھی انسانی کمالات
کے تحصیل میں یکتائے زمانہ تھیں۔ اور یورپ کی عورتوں سے بدرجہا زیادہ فوقیت

رکھنی نہیں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم بعض گزشتہ خاتونان ایشیا کے دلچسپ کارنامے اپنی ملکی خاتونوں کے گوش گزار کریں۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ جو لیاقت اور شائستگی یہ اُن میں پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ اُن کے لیئے نئی چیز نہیں بلکہ ان کا قدیمی ورثہ ہے جس کے حاصل کرنیکی وہ یورپین لیڈیوں سے زیادہ مستحق ہیں۔

اس موقع پر ہم ملکہ زنوبیہ کے حیرت خیز حالات پیش کرتے ہیں جنکو دیکھ کے شاید وہ حضرات چونک اُٹھیں گے جنہوں نے عورتوں کو لازمی طور پر بے عقل خیال کر رکھا ہے۔ ملکہ زنوبیہ ہجرت نبوی سے ساڑھے تین سو برس پہلے شام کے شہر تدمر کی ایک نامور ملکہ گزری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کے رگ و پے میں عربیت کی شان سمائی ہوئی تھی۔ اس لیئے کہ اول تو عرب اور شام ایک ہی قوم سے آباد ہے اور ثانیاً اس کا وطن شہر تدمر اس شہر ریگزار کے درمیان میں واقع ہے جو گویا سرزمین شام میں عرب کا ایک خطہ ہے تدمر جناب سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب ہے مگر مورخین کے بیان کے مطابق شاید بدیہ بہ نسبت اس شہر کو وہ دنیاوی وقعت اور شان نہیں حاصل ہوئی ہوگی جو اس نامور اور لائق ملکہ کے عہد میں حاصل ہوگئی تدمر کا دوسرا نام "پامیرا" ہے جو یونانیوں اور رومیوں کی زبان پر زیادہ چڑھا ہوا ہے اور اسی وجہ سے وہ زنوبیہ کو پامیرا کی ملکہ کہتے ہیں۔

عرب کے چٹیل ریگزاروں میں جا بجا چند مزروعہ اور شاداب مقامات ہیں جو بالو کے ناپید اکنار سمندروں میں خوش سواد جزیروں کی طرح نمایاں ہیں۔ انہیں مقامات سے ایک مذکورہ شہر پامیرا بھی ہے "پام" لاطینی میں کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومیوں نے اس شہر کو یہ نام بھی اسی لئے دیا کہ کھجوروں کے جھنڈ اس شہر کو اپنے جھرمٹ میں لئے ہوئے ہیں یہاں کی ہوا صاف ہے اور زمین کو چند شیریں اور پاکیزہ چشمے سیراب کرتے ہیں جن کی وجہ سے میوہ جات اور غلہ کی بھی وہاں پیداوار ہوتی ہے ایک ایسا مقام جس کو قدرت نے اس ریگستان میں ایسے بے نظیر موقع دے رکھے تھے اور اسپر لطف یہ کہ بحیرۂ فارس اور بحیرۂ روم دونوں

سمندر دونوں سے برابر فاصلہ پر اور درمیان میں واقع تھا کیونکہ غیر آباد پڑا رہ سکتا تھا اُن
لدے پھندے قافلوں کو جو ہندوستان کا قیمتی مال یورپ کی دور دراز قوموں میں
پہنچایا کرتے تھے قدیم ہی زمانہ میں اس کا پتہ لگ گیا جن کی آمد و رفت سے تدریجاً یعنی
وہی شہر پامیرا از خود بے ارادہ ترقی کرنے لگا۔ اور آخر کار بڑھتے بڑھتے پامیرا ایک
دولتمند اور آزاد شہر ہو گیا پامیرا کو اپنی آزادی قائم رکھنے کیلئے یہ بہت عمدہ موقع
ملا کہ پارتھیا کی اور روم کی دونوں عظیم الشان سلطنتوں کی سرحد پر تھا جس کا یہ نتیجہ تھا
کہ دونوں مملکتوں کے تمدنی معاملات اور تعلقات تجارت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ اور
اس کے ساتھ اپنی خود مختاری کے پھریرے بھی اڑائے جاتا تھا۔

مشہور جنگ ٹریجن کے بعد یہ شہر دولت روم کی قلمرو میں داخل ہو گیا اور ڈیڑھ
سو برس تک اُس باہیبت سلطنت کی ماتحتی میں ایک نو آبادی کی معزز حیثیت
سے سر جھکائے رہا۔ جو چند آثار اور کتبے فی الحال یہاں نظر آتے ہیں جو غالباً اسی
عہد کی یادگار ہیں یہ یونانی طرز کے بنے ہوئے معبدوں محلوں۔ دروازوں کے
باقیماندہ آثار جن کے کھنڈر کئی میل تک پھیلے ہوئے ہیں آج بھی اتنی قدر و عزت
کے مستحق ہیں کہ ہمارے سیاح جا کے ان پر ایک عبرت کی نگاہ ڈالیں اڈینا طوس
اور زنوبیہ کی ترقیوں نے اس ملک اور خاصۃً پامیرا کو اور زیادہ رونق دیدی اور
ایسا بنا دیا کہ وہ خود شہر روما کا حریف مقابل بن گیا۔

زنوبیہ اگرچہ شام و عرب کی ملکہ تھی مگر اپنے آپ کو مقدونی الاصل شاہان مصر کی
نسل سے بتاتی تھی حسن و جمال میں مصر کی قدیم نامور ملکہ کلوپیٹرا کی حریف مقابل اور
عفت و شجاعت میں اُس سے بدرجہا زیادہ تھی۔ زنوبیہ کی خوبصورتی کا شہرہ
تھا اس کی رنگت گندم گوں تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں اور غیر معمولی
بجلیاں گراتی تھیں۔ دانت موتیوں کے سے خوشنما اور آبدار تھے اُس کی
آواز اور لہجہ میں معشوقانہ نغمہ خیزی کے ساتھ مردانہ بلندی۔ متانت اور بہادری
پائی جاتی تھی۔ ان دیگر کمالات کے ساتھ اسکے حرکات و سکنات میں بھی دل فریبی

اور شیرینی تھی کہ وہ بہت جلد ہر شخص کو اپنے قابو میں لا سکتی تھی صرف یہی باتیں نہ
تھیں بلکہ اُسمیں مردانہ بہادری اور شجاعت کے جوہر بھی موجود تھے۔ اور ایسی فہم و
ادراک کی عورت تھی کہ مشکل سے مشکل اور دشوار سے دشوار مسائل کو نہایت آسانی
سے حل کر لیتی تھی۔ ان باتوں کو تعلیم و تربیت نے اور جلا دے دی تھی۔ یونانی شامی
اور مصری زبانوں میں اُسے ایسا کمال حاصل تھا کہ ان زبانوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ قسم
کی عبارت لکھ سکتی تھی اور بہت شائستگی سے گفتگو کر لیتی تھی۔ اسکے علاوہ لاطینی
زبان سے بھی وہ ناآشنا نہ تھی۔ لائق فائق حکیم لانجی نوس کی زیر تعلیم و تربیت رہ کر
اس نے یہ لیاقت پیدا کر لی تھی کہ افلاطون کے کلام کی خوبیوں کو باآسانی سمجھ جاتی
تھی اور یونان کے مشہور شاعر ہومر کی نازک خیالیوں پر بے تکلفی کے ساتھ داد دے
سکتی تھی علم و فضل نے اُسمیں یہانتک کمالات پیدا کر دئے تھے کہ اُسے تاریخ میں
پورا ملکہ حاصل تھا اور خاص اپنے استعمال اور اپنا دستور العمل بنانے کیلئے اُس نے خود
ہی مشرقی تاریخوں کا ایک اقتباس کر لیا تھا جس کے واقعات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی

ان کمالات علمی کے حاصل ہو جانے کے بعد اُس کی شادی ناطوس نامی ایک
شخص سے ہوئی جو خود اپنی ذات سے اُس زمانہ کا ایک خود رو ہیرو تھا۔ یہ نامور شخص گمنامی
کے پردے سے نکل کے ایک مشرقی بادشاہ بنگیا تھا۔ اس شخص نے غلیانوس قیصر روم
کے عہد میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھا کے بلاد مشرق کی بادشاہی حاصل کر لی
تھی علی الخصوص جب اُس نے شاپور شہنشاہ ایران کو شکست دیدی تو دولت روم نے
اس کی اور زیادہ قدر و منزلت کی۔ اور اپنی مشرقی سرحد پر اطمینان حاصل کرنے کے
لئے قیصر نے اُسے بالکل اپنا سا بادشاہ تصور کر کے آگسٹس کا خطاب دیدیا۔ لیکن اُودی ناطوس
کو یہ شاہی حقوق دربار قیصر سے صرف اُسکی ذات کیلئے دئے گئے تھے اور نسلاً بعد نسل
فرمانروائے مشرق نہیں مانا گیا تھا غرضکہ ایسی خوش نصیب بہادر اودی ناطوس کی
بیوی بن کے زنوبیہ کو اپنی ذات میں ایک بہادر سپاہی کی سی شجاعت اور زور آزمائی
کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ اب وہ ایک حکیم اور عالم کی خاموش زندگی چھوڑ کے ایک بہ

شیر افگن اور تیغ زن سپہ سالار... ہی۔ اُڈی ناطوس کا قاعدہ تہا کہ جب میدان جنگ سے فرصت ملتی تو فوراً شکار میں مشغول ہوجاتا اور نہایت ہی شجاعت اور بہادری سے وحشی درندوں پر حملہ کیا کرتا وہ جنگل میں جاکے شیروں سے لڑتا تہا اور ریچہوں سے مقابلہ کرتا تہا ایسے شکار کے موقعوں پر زنوبیہ اُس کے ساتھ رہتی اور چند ہی روز میں اس نے دکہا یا کہ ان خطرناک مشغلوں میں اُسکا ذوق اڈی ناطوس کے ذوق سے ذرا بھی کم نہ تہا۔

جب زنوبیہ میں اس طریقہ سے نبرد آزمائی کا ذوق پیدا ہوگیا تو اس نے ورزش اور جسم کے تہکانے کی عادت ڈالی۔ بند گاڑی اور محمل میں بیٹھنے کو نفرت سے چھوڑ دیا اور فوجی لباس اور جنگی ڈریس آراستہ ہوکے گہوڑے پر سوار ہونے لگی اس زمانہ میں وہ فوجوں کی افسری کرتی تہی۔ اور بارہا ایک جنگی سردار کی حیثیت سے فوجوں کو کئی میل تک کوچ کرا لے گئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اوڈی ناطوس کو جنگ کے میدانوں میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں زیادہ تر اسی زنوبیہ کی بے مثل شجاعت اور اسکی دانائی و ہوشیاری کی وجہ سے تہیں۔ ان دونوں میاں بی بیوں نے دو دفعہ ایک عظیم الشان بادشاہ کا شہر قسطی فون تک تعاقب کرکے جو کامیابی اور فتوحات حاصل کیں اُن سے دونوں کو بڑی شہرت اور ناموری حاصل ہوگئی اور اُن کی متحد اور زبردست سلطنت کی ہر طرف دہاک بیٹھ گئی۔

زنوبیہ کے شوہر کا آخری کارنامہ یہ ہے کہ قوم فوط یعنی گاتہک لٹیروں پر جو سرزمین ایشیا میں ان دنوں تاخت و تاراج کر رہے تہے اُسنے اپنی بی بی کو ساتھ لے کے ایک سخت حملہ کیا اور بڑی شکست دی۔ اور نہایت فتحمندی اور کامیابی کے ساتھ واپس آکے شہر حمص میں فروکش ہوا۔ اُڈی ناطوس کسی لڑائی میں مغلوب ہو سکتا تہا۔ مگر یہاں حمص میں ایک خفیف باہمی رنجش نے اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اس واقعہ کی بنا یہ تہی کہ کسی شکار کے موقع پر اس کے بھتیجے میونیوس نے ارادہ کیا تہا کہ شکار پر چہا پتے چہلے خود اپنا برچہا مارے۔ اگرچہ یہ گستاخی ایک مرتبہ

صرف تنبیہ پر ٹالی گئی۔ مگر جب میونیوس نے دوبارہ ایسی ہی حرکت کی تو بادشاہ اُدی ناطوس نے نادم ہو کے اپنا گھوڑا شکارگاہ سے ہٹا لیا تھا اور بھتیجے کی گستاخی کو بہ حیثیت بادشاہ اور بہ حیثیت ایک اعلیٰ شکاری ہونے کے اپنی توہین خیال کیا تھا اور اس گستاخی کی سزا میں سرکش نوجوان کو چند روز کے لیے قید کا حکم دیدیا گیا تھا۔ یہ زمانہ گذر گیا۔ بھتیجے کو اپنا قصور تو یاد نہیں رہا۔ مگر یہ سزا یاد رہی۔ اور یہ انتقام کا درپے ہوا چنانچہ اب جو اُدی ناطوس حمص میں آ کے اقامت گزیں ہوا تو میونیوس نے ایک دعوت میں بلا کے اپنے چند دوستوں کی مدد سے اُدی ناطوس کو کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اُدی ناطوس کا بیٹا ہیروڈ جو۔۔ زنوبیہ کے بطن سے نہ تھا اگرچہ ایک زنانہ مزاج اور نازک بدن لڑکا تھا مگر اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ اس قتل سے اتنا تو ضرور ہوا کہ میونیوس کو انتقام لینے میں کامیابی ہو گئی۔ اور اپنی مذکورۂ بالا سزا پانی کا بدلہ مل گیا۔ مگر شاہی نہ نصیب ہوئی جس کی درحقیقت اُسے آرزو تھی اور جس کے شوق میں غریب ہیروڈ۔۔ بھی باپ کی لاش کے پاس ہی کاٹ کے ڈال دیا گیا تھا میونیوس نے اغسطوس یعنی آگسٹس کا لقب اختیار کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ زنوبیہ اپنے شوہر کے مارے جانے کا حال سن کے ایک تیز چنگال شاہین کی طرح آپہنچی اور ایک ہی حملہ میں اُسنے میونیوس کو اپنے شوہر کی یادگار پر قربانی چڑھا دیا۔

یوں میونیوس کو قتل کر کے زنوبیہ نے اپنے دیانت دار اور وفاکیش مشیروں کی رائے اور اعانت سے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ تاج شاہی سر پہ رکھ کے ملکۂ مشرق بنی اور مردانہ جرأت و شجاعت اور نہایت ہی صائب الرائے کے ساتھ پامیرا، شام اور تمام قلمرو پر حکمرانی کرنے لگی۔ اُدی ناطوس کے مرتے ہی وہ روم کا عطا کیا ہوا حق شاہی تمام ہو گیا مگر زنوبیہ نے اس کی کچھ پروا بھی نہ کی بلکہ ایک رومی سپہ سالار کو جو اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا گیا تھا سخت شکست دی۔ اور اس کی ناموری میں یہ دھبہ لگا کے کہ ایک عورت سے پسپا ہو گیا خجالت اور ندامت کے ساتھ روم کی طرف واپس روانہ ہو گیا۔ اب زنوبیہ کی حکومت کو اور بھی استقلال حاصل ہو گیا اور اس نے اپنی

عقلمندی اور دانائی سے حکومت کی کہ رعایا میں اور خصوصاً اس عہد کی جنگجو قوموں
میں بجائے اس کے کہ زنوبیہ کے عورت ذات ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی بدگمانی پیدا
ہو عام طور پر اور زیادہ وفاداری اور اطاعت کیشی کا جوش پیدا ہو گیا۔ زنوبیہ نے اس زمانہ
میں اپنے آپ کو ایک بڑی منتظمہ بھی ثابت کیا اور ایسے عمدہ قوانین بنائے کہ اس کی
حکومت روز بروز باضابطہ اور مضبوط ہوتی گئی۔ زنوبیہ کی اخلاقی بہادری یا نفسانی
جہاد کا نہایت ہی حیرتناک ثبوت مورخین کے اُن بیانات سے ملتا ہے جو اس کے مزاج کی متعلق
کئے گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر معافی کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے جذبات نفسانی کو
دبا دیتی اور جب رحم کی ضرورت ہوتی تو محض اس خیال سے کہ کہیں زبان سے کوئی رحم کا
کلمہ نہ نکل جائے وہ اپنے منہ پر خاموشی کی مہر لگا لیتی تھی۔ زنوبیہ کو بعض لوگ الزام دیتے ہیں
کہ وہ بخیل تھی اور نہایت ہوشیاری سے کفایت شعاری کرتی تھی۔ مگر یہ کیونکر تسلیم کیا
جائے اس لئے کہ خاص اور ضروری موقعوں پر وہ نہایت ہی عالی ہمت اور فیاض ثابت
ہوئی ہے۔ عرب ارمن اور فارس کی سلطنتیں جو اس کی حدود پر واقع تھیں اس کی بہادری
سے ایسی خائف تھیں کہ ہمیشہ اس سے صلح قائم رکھنے کی آرزومند رہتی تھیں۔

یہ زمانہ اوریلین قیصر روم کا تھا جسے عربی مورخین اوریانوس کہتے ہیں۔ اوریلین
کو چونکہ جرمن کی جنگجو اور وحشی قوموں کی حملہ آوریوں کی طرف زیادہ مصروف رہنا پڑا
اور دوسری طرف گاتھ کے وحشیوں نے اسے چھیڑنا شروع کیا۔ اس وجہ سے اس نے اپنے
مشرقی مقبوضات کی طرف سے بالکل توجہ اٹھالی۔ اور مصر والوں میں یہ خیالات
پیدا ہوئے کہ قیصر روم کی اطاعت کا جوا گردن سے اتار کے پھینک دیں اور وہی
آزادی پھر حاصل کر لیں جو قدیم فراعنہ کے عہد میں اُن کو حاصل تھی۔ زنوبیہ کو یہ بہت
اچھا موقع ملا۔ اس نے مصر والوں کو [illegible] کا لالچ دلا کے اس امر کی کوشش
شروع کی کہ مصر بھی اس کی سلطنت میں شامل ہو جائے اور جب اس طرح کی ریشہ دوانیوں نے
کوئی کام نہ نکالا تو اس نے جھٹ اپنی فوج لے کے مصر پر حملہ کر دیا اور چند ہی لڑائیوں میں
اُس نے مصر کی رومی فوجوں کو [illegible] متواتر شکستیں دیں کہ اسکندریہ تخت شاہی کی

قبضہ میں آگیا۔ اور مصر بھی اس بلند حوصلہ ملکہ کی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ مگر اس فتح کے
چند روز بعد مصر میں کچھ بغاوتیں ہوئیں جن کی وجہ سے شام اور پالمیرا سے اس کو زنوبیہ نے پھر
فوجیں جمع کیں اور ایک زبردست لشکر لیکے مصر پر دوبارہ حملہ کیا اور نہایت کامیابی
سے فراعنہ کی سرزمین پر حکومت کرنے لگی۔

زنوبیہ کی یہ کارروائیاں دربار روم میں نہایت مشتبہ خیال کی گئیں اور نظر آنے
لگا کہ وہ دراصل اپنی حوصلہ مندی اور بلند پروازی سے شہنشاہی روم کی بھی کچھ
پروا نہیں کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ زنوبیہ کے ارادوں پر بہت کچھ اشتباہ کیا جا سکتا
تھا یہ رائے بیجا نہ تھی کہ وہ ایک آزاد اور دولت روم کے مقابلہ میں قیبانہ سلطنت قائم کرنا
چاہتی ہے اُسنے اپنے دربار میں رومی فرمانرواؤں کی تمام شان و شوکت اور قیاصرہ کی کل
وضعیں اختیار کر لی تھیں اور پھر اس پر یہ ترقی کی تھی کہ ان مغربی علامات شاہی کے
ساتھ اُسنے اپنے یہاں ایشیائی اور خاصۃً ایرانی دربار کی دھوم دھام بھی پیدا کر لی تھی۔
اپنی رعایا سے زنوبیہ ایسی عزت و ادب کی خواستگار ہوتی تھی جیسی عزت کہ دربار ایران
میں وارثان تاج کیخسروی کی کی جاتی تھی اپنے تین بیٹوں کو اُسنے زبان لاطینی میں تعلیم دلائی
اور دربار و فوج کے سامنے ان کو دربار روم کے ارغوانی لباس میں نمودار کیا۔ مگر تاج شاہی کو
اپنے ہی خوبصورت سر کے لیئے مخصوص رکھا تھا اور اس کے ساتھ سب سے زیادہ قابل لحاظ
یہ امر تھا کہ زنوبیہ نے اپنا لقب قیصرۂ مشرق اختیار کر لیا تھا۔

الغرض ان تمام امور پر لحاظ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اوریلین قیصر اپنی فوج کے ساتھ
شہر روما سے مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دنوں دولت
قیاصرہ کا رعب و داب مغربی ممالک ایشیا پر اتنا نہ تھا کہ زنوبیہ اُسے اپنی چند روزہ حکومت
میں مٹا سکتی اور اپنے اس فطرتی عیب کو کیا کرتی کہ عورت ذات تھی جس کی اطاعت
کرنا ہمیشہ مردوں کے خیال میں باعث ذلت سمجھا گیا ہے شاہنشاہ اوریلین نے ایشیا کی
سرزمین میں قدم ہی رکھا تھا کہ لوگ زنوبیہ کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے قیصر کے دامن میں چھپنے
لگے یہ ہو نہ سکا جیسے زنوبیہ کے آبدار اسلحہ اور اس کی اعلیٰ حکمت عملیوں اور ارادوں [illegible]

ریشہ دوانیوں نے بالکل زیر وزبر کر دیا تھا۔ قیصر کے پہونچتے ہی فوراً زنوبیہ کو چھوڑ کے
تخت روم کا مطیع ہوگیا اور ریلین نے اپنے نبرد آزما اور جنگ جو سپاہیوں کے ساتھ آگے
بڑھ کے انقرہ والوں کی درخواست اطاعت قبول کی (غالباً یہ موجودہ انگورہ سے
مراد ہے جسکے تاریخی میدان میں تیمور اور بایزید یلدرم کے ایسے نامور شاہنشاہوں
میں معرکہ دار وگیر گرم ہوا تھا) یہاں سے آگے بڑھکے ایک بہادر باشندہ تیانا نے زنوبیہ کے
حقوق کا لحاظ کر کے اور فوج جمع کر کے مقابلہ کیا لیکن قیصر کی فتح مند فوج نے ایک خفیف
مقابلہ ہی کے بعد تیانا پر قبضہ کر لیا جب اور آگے کوچ کر کے اوریلین قیصر انطاکیہ کے
قریب پہونچا تو وہاں کے باشندے رومی سپاہیوں کے خوف سے شہر چھوڑ چھوڑ کے بھاگ
گئے لیکن قیصر نے یہ بڑی حکمت عملی کی کہ ایک نہایت ہی رحمدلی کا فرمان جاری کر دیا
کہ جو لوگ مجبوراً یا ضرورت زمانہ سے زنوبیہ کے مطیع ہوگئے تھے۔ اُن کا قصور معاف کیا گیا
اور اُن کو جان و مال کی امان دیجاتی ہے۔ قیصر کی اس رحمدلی کا چرچا ہوتے ہی سب لوگوں
کو اطمینان ہوگیا۔ اس نرم اور دلجو پالیسی کا اثر انطاکیہ میں تو اتنا ہی ہوا کہ جو لوگ بھاگ گئے
تھے پھر آکے آباد ہوگئے مگر دیگر مقامات اور تمام بلاد شام میں اسکا نہایت اچھا اثر ہوا
کل اہل شام قیصر کیطرف مائل ہوگئے اور سارے ملک نے یکبارگی زنوبیہ کا ساتھ چھوڑ دیا
تاہم زنوبیہ کی جرأت و بہادری میں فرق نہیں آیا۔ وہ دیکھتی تھی کہ دنیا اُسکو چھوڑ کے
قیصر کے ساتھ ہوئی جاتی ہے مگر دل نہیں ہارتی تھی۔ سب بھی اُسے کاہلی و سستی کا بلکہ نامردی
اور بزدلی کا الزام دیتے اگر قیصر کو اُس کے دارالسلطنت تک پہونچنے میں سو ہی میل
کا فاصلہ رہجاتا اور اُسکی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوتی نہیں اس نے اپنی عمدہ
تدبیروں سے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اور گو بڑے بڑے اور پرانے دوست چھوڑ سے
دیتے تھے مگر اس نے دارالسلطنت کے باہر ہی دو میدانوں میں اوریلین سے بڑی
بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ایک لڑائی تو انطاکیہ کے قریب ہوئی اور دوسری شہر
حمص کے جوار میں۔ ان دونوں میدانوں میں خود ملکہ زنوبیہ اپنی فوجوں کو لڑاتی تھی۔
اور نبرد آزما سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتی تھی! اسکی مشہور فوج زبدہ نے جس نے مصر

کے فتوحات میں خاص ناموری حاصل کی تھی اس موقع پر بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ اس فوج کو زنوبیہ خود ہی میدان جنگ میں لڑنے اور حملہ کرنے کے متعلق احکام دیتی تھی۔ مگر افسوس کہ زنوبیہ کی قسمت پر سر زوال تھی جسطرح دونوں میدانوں میں لڑائی کا ایک ہی رنگ رہا۔ اُسی طرح نتیجہ بھی ایک ہی ہوا۔

زنوبیہ کی فوج میں زیادہ تر دو گروہ تھے۔ ایک گروہ تو تیراندازوں کا تھا اور دوسرا ایک بڑا بھاری لشکر سواروں کا تھا۔ یہ دونوں فوجیں سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھیں۔ اسکے مقابل اورلین کی فوج میں حبشی اور الیریا کے سوار تھے قیصر نے ان لوگوں کو اسکے مقابل اورلین کی تمام فوج پر ترجیح دی تھی۔ یہ سوار معمولاً بلندی دریائے ڈینوب پر خیمہ زن رہا کرتے تھے اور الباینہ (یعنی جرمن) کے میدان نبرد میں اُن کی شجاعت و سپہ گری کا امتحان ہو چکا تھا۔ تاہم اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ زنوبیہ کے سواروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے اور اسی وجہ سے دونوں میدانوں میں انہوں نے سپہ گری اور بہادری سے کام نہیں لیا بلکہ فریب اور چالاکی سے زنوبیہ کی زبدہ کو زک دی۔ یہ لوگ خواہ حقیقۃً یا بناوٹاً سے تھوڑی ہی دیر کے مقابلہ کے بعد شکست کھا کے بھاگے۔ اور پامیرا کے بہادر جب ایک محبت آمیز تعاقب سے واپس آکے لوٹ مار میں مشغول ہوئے اور سب کے سب منتشر ہو گئے۔ تو انہوں نے دوبارہ نہایت تیزی کے ساتھ حملہ کرکے حریفوں کو بالکل پسپا کر دیا۔ الغرض اسطرح کی دو پر فریب لڑائیوں نے زنوبیہ اور پامیرا کی قسمت پلٹ دی۔ کیا اب بھی یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ عورتیں مردوں سے زیادہ مکار اور پر فن ہیں؟

حمص کی شکست کے بعد ملک شام اسقدر مخالف ہو چکا تھا کہ زنوبیہ سے مقابلہ کے لئے کوئی تیسری فوج نہیں فراہم ہو سکی۔ اب نامی اُدی ناطوس کی جانباز بیوی کے لئے خود شہر پامیرا یعنی تدمر بھی ایک پناہ کی جگہ تھا۔ حمص سے بھاگ کے وہ پامیرا میں ہی رہی۔ اور وہاں پہونچکے اُس نے ہم وطنوں کو لڑائی پر اسقدر اُبھارا کہ سب لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اورلین کو اگرچہ ریگستانی منزلیں قطع کرکے تدمر تک

پہونچنا دشوار تھا۔ مگر یہ بھی یقین تھا کہ اگر زنوبیہ کو یہیں وہاں اطمینان سے چھوڑ کے چلا
گیا تو میرے جاتے ہی وہ پھر تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کر لیگی۔ آخر اُس نے سوا اس کے سمجھے
کہ خود ہی اپنی فوج کو پامیرا کیطرف بڑھائے اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی مگر چونکہ ایسے خطرناک
راستوں میں زیادہ فوجوں کا لیجانا دشوار تھا۔ لہذا اُسنے اپنی فوج کے دو حصّے کر دیے
ایک حصہ کو بسرداری پرولوس جو اس کی فوج کا سب سے زیادہ بہادر اور نامور افسر تھا مصر
کیطرف روانہ کیا تاکہ اُسے زنوبیہ کے قبضے سے نکال کے پھر دولت روم کی قلمرو میں
شامل کرے۔ اور دوسرے حصّے کو اپنے ہمراہ لیکے پامیرا کیطرف روانہ ہوا۔ زنوبیہ کو جب
اسکی خبر ہوئی تو اس نے لڑنے اور محصور ہوکے مقابلہ کرنے کے لئے خوب اچھی طرح سامان
شروع کر دیا۔ اُس نے مزاحمت کی پوری تیاریاں کیں جیسا کہ ایک بہادر اور جانباز
بادشاہ کا شیوہ ہونا چاہئے اُس نے دل میں ٹھان لی بلکہ اپنی فوج پر بھی ظاہر کر دیا
کہ وہ جس گھڑی میری سلطنت کا خاتمہ ہوگا اُسی گھڑی میری زندگی کا بھی خاتمہ ہوگا۔
حمص اور پامیرا کے درمیان میں جو ناپیداکنار ریگزار واقع ہے اسمیں اوریلین قیصر نے
جیسے ہی قدم رکھا عربی بدوؤں کے گروہوں نے چاروں طرف سے اُسے ستانا اور چھیڑنا
شروع کیا۔ اور بار بار لوٹ مار کرنے لگے۔ اِن بدوؤں کے نرغے میں اس سے اپنی کمسریٹ
اور فوج کی بالکل نگہداشت نہ ہو سکی۔ اور ساعت بساعت وہ زیادہ پریشان ہونے لگا
یہ ریگستانی جری اور چالاک لٹیرے جو وحشی درندوں کی طرح چاروں طرف مارے
مارے پھرتے تھے اور سمندر کی موجوں کی طرح دشت میں اِدھر اُدھر آ آ کے تھپیڑے
دیتے تھے کسی طرح اُس کی فوج کے سست رو اور باضابطہ سپاہیوں کے ہاتھ نہ
آتے تھے۔ جب چاہتے تھے لوٹ مار کے چل دیتے تھے۔ اور اُن پر کوئی قابو نہیں چلتا
تھا۔ ہمیشہ یہ بدوی اوریلین اور اس کے سپاہیوں کی غفلت کا موقع ڈھونڈھتے۔
اور جب تعاقب کیا جاتا تو فوراً بالو کے ٹیلوں میں غائب ہو جاتے۔ مگر اوریلین بھی
ایسا دھن کا پکا تھا کہ ان میں سے کوئی چیز اسکی مزاحم نہ ہوئی۔ آخر تمام مشکلوں کو
آسان کرتا اور مصیبتوں کو جھیلتا ہوا پامیرا کی دیواروں کے نیچے جا پہونچا۔

پامیرا کا محاصرہ ایک نہایت ہی دشوار اور اہم معاملہ تھا۔ قیصر نے اگرچہ اولوالعزمی کیساتھ
ہمت اور پوری مستعدی دکھائی مگر زنوبیہ کی شجاعت اور ہوشیاری سے اُسے ایک مدت
تک عرب کے ریگزاروں میں پڑا رہنا پڑا۔ شاہنشاہ نے خود اپنی فوجوں کو لیکے بارہا
حملے کئے اور بڑی بہادری اور نہایت ہی جوش و خروش سے اپنے سپاہیوں کو
شہر کیطرف بڑھایا۔ لیکن کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ زنوبیہ نے ایسا بندوبست نہیں
کیا تھا کہ اس کے موجود ہوتے ہوئے رومی شہر کے کسی پھاٹک کے قریب بھی پہنچ
سکتے۔ ان لڑائیوں میں ایک بار زنوبیہ کے سپاہیوں کا ایک نیزہ شہنشاہ
اوریلین پر پڑ گیا اور قیصر کو چند روز تک اُس زخم کی تکلیف برداشت کرنی پڑی۔
ان تکلیفوں اور مصیبتوں نے اس قدر پریشان کیا تھا کہ خود قیصر اپنے ایک خط میں
لکھتا ہے "جو لڑائی ایک عورت ذات کے مقابلے میں مجھے درپیش ہے اس کو اہل روم
ایک حقارت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اُن کو اس کی خبر نہیں کہ زنوبیہ کیسی عورت ہے
اور اسکی قوت کس وجہ کی ہے۔ بیشمار تیر اور مختلف قسم کے حربوں سے دور سے حملہ کیا جا سکتا ہے اور اسی
طرح اور تمام جنگی سامان زنوبیہ نے اس کثرت سے فراہم کر لیا ہے کہ اُسکا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے شہر پناہ پر
ہر طرف جا بجا برج بنے ہوئے ہیں۔ زنوبیہ کی منجنیقوں اور کلوں برابر آگ برسائی جاتی ہے چونکہ اب اس ملکہ
کو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا ہے لہذا اس خوف سے اب اور زیادہ جری بہادر ہو گئی ہے اور بہ ہمت جانبازی
پر تیار رہتی ہے تاہم روم کے محافظ دیوتا جنہوں نے ہر موقع پر میری مدد کی مجھے امید ہے کہ اس مہم میں بھی مدد کرینگے"
لیکن اوریلین نے یہ جھوٹ کہا اسلیئے کہ اُسے دیوتاؤں کی اعانت میں شک
پڑ گیا تھا۔ اور زنوبیہ کی مسلسل نبرد آزمائیوں نے اس قدر مایوس کر دیا تھا کہ اُسنے
بلا درخواست اپنی طرف سے اطاعت کے ایسے شرائط پیش کر دیئے جو چنداں
دشوار نہ تھے۔ اور اگر زنوبیہ اپنی جان کی عزت پر ذرا بھی ترجیح دیتی ہوتی تو کوئی
شک نہیں کہ ان شرائط کو فوراً تسلیم کر لیتی۔ اس سے درخواست کی گئی تھی
کہ جسقدر مال و دولت چاہے لیکے چلی جائے اور شہر کو خالی کر کے رومیوں کے سپرد کر دے
اس کے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ اہل شہر کو جملہ حقوق دیدیئے جائیں جو پہلے سے

حاصل ہیں مگر زنوبیہ نے ان شرائط سے نفرت کے ساتھ انکار کیا۔ صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ جواب میں الٹی قیصر کی توہین کی۔ اور اپنی طرف سے لڑائی پر پوری مستعدی دکھائی۔

زنوبیہ کا یہ استقلال صرف اس خیال سے تھا کہ اُسے بہت جلد ملک میں قحط پڑ جانے کی اُمید تھی۔ اور سمجھتی تھی کہ اُس قحط کی وجہ سے رومی فوجوں کو خود ہی بے سروسامانی کے ساتھ بھاگنا پڑیگا۔ علاوہ بریں اسے یہ بھی امید تھی کہ ممالک مشرق کے فرمانروا ضرور اس کی کمک پر آمادہ ہو جائیں گے خاصتہً زیادہ تر اُس کا خیال فارس کی طرف جاتا تھا۔ اس لیئے کہ ملکی وضع اور تعلقات حدود کے لحاظ سے اور نیز رومیوں کے حملوں کے کمزور کرنے کے لیئے ساسانی شاہنشاہوں کا فرض تھا کہ زنوبیہ کی مدد کریں۔ لیکن ملکہ پامیرا کی بدقسمتی سے انہیں دنوں تاجدار ایران یعنے شاپور کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس کی لاش دخمہ کے سپرد کیگئی تھی ہرمز رائے ایران اس شاہی موت سے اس قدر پریشان ہو رہے تھے کہ اپنے ہی غم میں مبتلا رہے اور اُن کو غریب زنوبیہ کی حالت کیطرف توجہ کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ دوسرے فرمانرواؤں نے زنوبیہ کی کمک کے لیئے کچھ فوجیں روانہ بھی کیں تو ان میں سے بعض کو۔۔۔ اوریلین نے اپنی فوجوں کی قوت سے روکا اور بعض کو کچھ رشوت دیکے اور مال و دولت صرف کرکے واپس کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ آخر تک زنوبیہ کو تنہا ہی مقابلہ کرنا پڑا

قحط جس کی امید پر زنوبیہ پامیرا کی حفاظت کر رہی تھی اس کے اثر سے شاہنشاہ روم نے اپنے آپ کو یوں بچا لیا کہ رسد لانے کا نہایت عمدہ سامان کر لیا۔ تمام اطراف شام سے نہایت باقاعدگی کے ساتھ رومی لشکرگاہ میں ہر قسم کا سامان رسد پہنچایا جاتا تھا اور ایک دن کے لیئے بھی رومی فوجوں کو رسد کی تکلیف نہیں پیدا [illegible] پڑی۔ یہاں تک کہ [illegible] زیادہ [illegible] ہو [illegible] گرانی [illegible] [illegible] شام میں آگیا۔ اور [illegible] [illegible]

اب زنوبیہ کو کامیابی کیطرف سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ اور سوائے اسکے اور کوئی تدبیر نہیں بن پڑی کہ پامیرا کو اس کی قسمت کے حوالے کرکے کسی طرف نکل جائے وہ اپنی سب سے زیادہ تیز رفتار سانڈنی پر سوار ہو کے اس ہوشیاری کے ساتھ شہر سے نکلی کہ رومیوں کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور وہ تقریبًا ساٹھ میل کی مسافت طے کرکے دریائے فرات کے کنارے پر جا پہونچی۔ مگر اس کے جانیکے تہوڑی ہی دیر کے بعد اوریلین کو خبر ہوگئی اور اُسکے تعاقب میں لوگ دوڑائے گئے جنہوں نے بہت کچھہ مسافت طے کرکے بدنصیب ملکہ کو گرفتار کرلیا۔ اور فورًا قیصر کے سامنے لاکے کہڑا کردیا۔

دارالسلطنت پامیرا فورًا مطیع ہوگیا۔ مگر اہل پامیرا کے ساتھہ نہایت رحمدلی کا برتاو کیا گیا۔ سونا۔ چاندی۔ ریشمی کپڑے اور بیش قیمت جواہرات کا ایک بہت بڑا خزانہ شاہنشاہ کے ہاتھ لگا۔ اور اس مال و دولت اور خزانے کے ساتھ بہت سے اسلحہ گھوڑے اور اونٹ بھی رومیوں کو ملے۔ اور اوریلین نے صرف چھہ سو تیرانداز حفاظت کیلئے پامیرا میں چھوڑ دیئے اور فورًا کوچ کرکے شہر حمص کی راہ لی حمص میں پہونچ کے قیصر روم نے پامیرا کے قیدیوں کو اپنے سامنے بلوایا۔ اور اُنکی نسبت آخری فیصلہ کرنیلگا جسوقت بدنصیب شامی ملکہ سامنے حاضر کی گئی تو قیصر نے نہایت ہی کڑوے تیوروں سے اور ڈپٹ کے پوچھا "تجکو شاہنشاہان روم کیسامنے ہتھیار اُٹھانیکی کیونکر جرأت ہوئی؟" اس کے جواب میں زنوبیہ نے نہایت ہی متانت اور دانائی کے ساتھ ایک ایسا جملہ کہا جس سے اُس نے اپنی عزت کو بھی قائم رکھا۔ اور اپنے استقلال کا بھی ثبوت دیا۔ اور قیصر کی بھی بے انتہا تعریف کردی اُس نے کہا "اس لئے کہ میں شاہنشاہان روم کو اوریولس[1] اور گالی انوس کے مثل سمجھے ہوئے تھی صرف آپ ہی کو اپنا فاتح اور شہنشاہ تسلیم کرتی ہوں لیکن اس کے خلاف جب تمام رومی

[1] اوریولس اور گالی انوس اوریلین سے پہلے دو قیصر گزر چکے تھے جو نہ چنداں لائق تھے اور نہ اُنمیں اولوالعزمی تھی زنوبیہ کا مطلب یہ تھا کہ میں قیاصرۂ روم کو آپکا سا لائق نہیں جانتی تھی بلکہ اُن کو گزشتہ قیصروں کا سا پست ہمت اور نالائق تصور کرتی تھی۔

سپاہیوں نے غل مچایا اور ہر شخص خواستگار ہوا کہ اُوڈی ناطوس کی بیوی کو قتل ہونا
چاہئے۔ تب زنوبیہ سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھی اور اسکے پائے استقلال کو لغزش ہوگئی
اس خوف کے عالم میں اس نے صاف صاف قبول دیا کہ میں نے فلاں فلاں لوگوں کی
رائے سے مقابلہ کی جرأت کی اور لڑائی کے تمام معاملوں میں یہی لوگ میرے مشیر
تھے۔ یہ امر زنوبیہ کے دلی ضعف پر محمول کیا گیا خصوصًا اس لئے کہ مشیروں میں اُسنے
اپنے لائق و فائق اُستاد اور نامی حکیم لانجی نوس کا بھی نام بتا دیا تھا جسنے قیصر کے حکم
سے اپنی نامہربان ملکہ کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھ کے نہایت ہی تحمل کے ساتھ جان دی
قیصر نے انہیں لوگوں کے قتل پر کفایت کی اور زنوبیہ کو زندہ ہی گرفتار رکھا۔

اگرچہ عام مورخین نے اس واقعہ کو زنوبیہ کی پست ہمتی پر محمول کیا ہے مگر ہم صرف
اس ایک واقعہ سے اس کے تمام زندگی کے کارناموں کو مٹا نہیں سکتے۔ زنوبیہ کا طرز
اول سے آخر تک بتا رہا ہے کہ اسمیں سازش۔ چالبازی اور انٹریگ کا مادہ نہ تھا وہ
ہمیشہ علم ادب کی دنیا میں ایک عالمہ اور لڑائی کے میدانوں میں ایک جری اور جانباز
سپاہی تھی۔ یہ دونوں وصف اُسے جھوٹ بولنے سے روکتے تھے اور نہ کسی موقع پر
اسے جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ اسے دھمکا کے اسکے مشیروں کے
نام پوچھے جاتے اور وہ سچ سچ نہ بتا دیتی اسکی طبیعت کو ایسے موقعوں پر جھوٹ بولنے
کا سبق کبھی نہیں دیا گیا تھا۔ قطع نظر اس کے وہ اوریلین کو ایک نہایت ہی رحمدل
بادشاہ سمجھے ہوئے تھی اسلئے کہ اس مہم میں اول سے آخر تک اُسنے ہر موقع پر نرم دلی کے ثبوت
دئے تھے۔ ابتدا میں اُسنے ان اہل شام کی خطا معاف کر دی تھی جو اُسکی اطاعت چھوڑ
کے ملکہ پالمیرا کے مطیع ہوگئے تھے۔ پھر جب اُسنے پالمیرا کو فتح کیا تو وہاں کی رعایا کو بھی اُن کے
پورے حقوق عطا کئے اور سب کو معاف کر دیا۔ اور اب اسوقت بھی گو فوج اصرار
کر رہی تھی مگر خود قیصر کے الفاظ یہی بتا رہے تھے کہ وہ زنوبیہ کو قتل کرنا نہیں چاہتا
ان تمام باتوں سے زنوبیہ با آسانی قیاس کر سکتی تھی کہ قیصر اس کے مشیروں اور لانجی
نوس کی بھی جان بخشی کریگا۔ اسے اس کی کیا خبر تھی کہ اس کے مشیروں اور لانجی نوس کی

قسمت ہی پہ سر خلاف تھی۔ اور وہی حمل فرمانروا جو ہر موقع پر مجرموں کے جرموں سے درگزر کرتا رہا ہے۔ ان کے حق میں ایک سخت ظالم ہو جائیگا۔ بہرحال ہمیں اس امر میں زنوبیہ کی کوئی ایسی خطا نہیں نظر آتی کہ ہم اُسکی تمام خوبیوں کو بھلا دیں۔

اورلیین ابھی حمص ہی میں تہا کہ پامیرا والوں نے پھر بغاوت کر دی۔ اور اُن چھ سو تیر اندازوں کو جو تخت روم کیطرف سے مامور تھے پکڑ کے قتل کر ڈالا قیصر اس خبر کے سنتے ہی نہایت ہی غیظ و غضب کے ساتھ پھر پامیرا پر حملہ آور ہوا۔ اور ایسی عام خونریزی کی کہ بوڑھے بچے۔ مرد۔ عورت اور کاشتکار تک قتل کر ڈالے وہاں کی تمام عمارات بھی کھدوا ڈالیں اسطرح پامیرا کی اینٹ سے اینٹ بجوا دینے کے بعد قیصر نے آفتاب کا مندر دوبارہ تعمیر کرایا۔ اور چند اہل پامیرا کو وہاں پھر مکان بنانے اور آباد ہونیکی اجازت دی مگر افسوس تباہ کرنا بہت آسان ہے اور آباد کرنا نہایت دشوار ہے۔ وہ شہر جو تجارت صنعت اور فنون کا مرکز اور زنوبیہ کی لیاقتوں اور بہادریوں کی ایک یادگار تھا مدفن رفتہ رفتہ چند ہی روز میں ایک گمنام شہر اور ایک فضول اور بیکار قلعہ رہ گیا۔ اور پھر جو دیکھا تو ایک تباہی زدہ گاؤں تہا۔ موجودہ پامیرا بتدمر صرف تیس چالیس خاندانوں کی آبادی سے عبارت ہے جو قدیم عالیشان مندر کے صحن میں مٹی کے جھونپڑے بنا کے رہتے ہیں۔

ارض مشرق کے رحم و غضب کے یہ مختلف اور متضاد نمونے دکھا کے اورلیین قیصر اپنے دارالسلطنت شہر روم کو واپس گیا تو اُسکے آنے پر بڑی خوشی کی گئی اور نہایت ہی دہوم دہام سے اُس کی کارگزاریوں پر جوش مسرت دکھایا گیا۔ ابتدائی آبادی روم سے اس وقت تک نہ تو رومیوں میں کوئی جنرل اور سپہ سالار ایسی شان و شوکت کا مستحق خیال کیا گیا تہا۔ اور نہ کبھی اس سے پہلے کوئی ایسا دہوم دہام کا جلسہ ہاں دیکھا گیا تہا جو جلوس اورلیین کی شان دکھانیکے لئے دارالسلطنت روم یعنے قدیم رومتہ الکبریٰ میں نکالا گیا۔ وہ اس ترتیب سے تہا کہ سب کے آگے تیس ہاتھی چار شاہی چیتے اور دو سو سے زیادہ عجیب الخلقت جانور تھے جو اطراف عالم سے لا کے جمع کئے گئے تھے۔ ان جانوروں کے پیچھے سولہ سو تیغ زن تھے جو وہاں کے ایمفی تھیٹر میں ظالمانہ تپسپیاں اور وحشیانہ ستم

دکہاتے تہے۔ اِس جلوس کے بعد ایشیا کی دولت بہت سے مفتوح ممالک کے اسلحہ اور شاہی
ملکہ زنوبیہ کے زرہ بکتر تہے جو روم کا اقبال اور اسکی سلطنت دکہانیکی غرض سے عام مجمع
کے سامنے پیش کیئے گئے تہے۔ اس کے بعد اوریلین کی فتوحات کا ثبوت معزز خاتونوں
کے ایک بڑے غول سے دیا گیا تہا جو گاتہہ ونڈال سرکاٹی المانی (جرمنی) فرینک (فرنچ)
گال شام اور مصر کے معزز لوگوں کی بی بیاں یا لڑکیاں تہیں اور اُن اقوام و ممالک
کے مغلوب ہونے پر گرفتار کر کے یہاں لائی گئی تہیں اور اس جلوس میں امیرزادیوں
کی وضع سے نکالی گئی تہیں۔ ان عورتوں میں ہر ہر قوم و ملک کا غول الگ تہا اور
ہر غول کیساتھ ایک جہنڈا تہا جس پر اُس غول کے وطن اور قوم کا حال لکہا تہا قوم
گاتھ کی دس بہادر اور نبرد آزما خاتونیں امیزن بنا کے نکالی گئی تہیں اسلیئے کہ رومیوں سے
میدانِ جنگ میں بڑی مردانگی سے لڑی تہیں۔ لیکن سب کی آنکہیں شاہی ملکہ زینوبیہ
کو ڈہونڈہ رہی تہیں جس کی بہادری کو روم کے بچے بچے نے حیرت سے سنا تہا اور
ہر شخص اُس کی صورت دیکہنے کا مشتاق تہا۔ اس تمام جلوس کے آخر میں زنوبیہ کی حسرت
ناک تصویر تہی یہ خوبصورت اور دلربا تصویر اس وضع میں تہی کہ پاؤں میں سونے کی
بیڑیاں پڑی ہوئی تہیں اور گلے میں سونے کی زنجیر تہی جسے ایک غلام ہاتہہ [illegible] سے
کہینچتا ہوا آگے آگے جاتا تہا۔ اُس کے جسم پر اسقدر کثرت سے زیور اور جواہرات لدے
ہوئے تہے کہ اُن کے بوجہہ سے وہ گری پڑتی تہی۔ اور تہکن کیوجہ سے بہت آہستہ آہستہ
قدم اُٹہا اُٹہا کے چلتی تہی اُسکا آراستہ اور باشان و شوکت رتہ جسمیں بیٹہ کے وہ کبہی
شہر روم میں فتحمندی کے ساتھ داخل ہونیکا دم داعیہ رکہتی تہی اُس کے پیچہے تہا
اور اُس کے آگے آگے وہ پا پیادہ چلی جاتی تہی۔ یہ سب سامان عام پبلک کے سامنے پیش
کیئے گئے اور حبش۔ عرب۔ فارس باختر۔ ہندوستان چین اور ممالک دور دراز
کے سفیروں نے روم کی اقبال مندی کا یہ تماشا ہیبت ناک اور حسد کی نگاہوں سے
دیکہا الغرض یہ طفلانہ حرکتیں تہیں۔ جو اوریلین قیصر کی ایسی پر رونق الکیری میں
کی گئیں مگر لطف یہ ہے کہ باوجود ان حرکتوں کے دیکہنے [illegible] آج بہی دنیا [illegible]

عموماً مشرقی درباروں کو فضول خودنمائی اور مغرورانہ وہوم دہام کا الزام دیتا ہے۔

قیصر نے روم میں پہونچکے زنوبیہ کی قسمت کا یہ فیصلہ کیا کہ اُسکی جان بخشی ہوئی اور ٹیبو یا ٹیوولی کے قریب اُسے ایک خوش قطعہ مکان رہنے کو دیا گیا جہاں کی آب و ہوا نہایت صاف اور لطیف تھی۔ اور جو روم سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔

زنوبیہ جو اس سے پہلے شام کی ایک پُرسطوت ملکہ تھی یہاں رہتے رہتے چند روز میں روم کی ایک معزز خاتون بن گئی۔ وہاں کے معزز خاندانوں ہی میں اُس کی لڑکیوں کا عقد ہوا۔ اور اُسکی نسل کو ایسا قیام ہوا کہ پندرہویں صدی عیسوی تک اِٹالیہ میں اُس کے خاندان کا پتہ موجود تھا۔

اُمِّ ابان

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں میں شجاعت نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ مرد قدرۃً عورت سے قوی اور زبردست ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اپنے گھر اور اپنی قوم کی حفاظت کرنا قدرت نے مرد ہی کے سپرد کیا ہے مگر اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ عورت میں شجاعت ہوتی ہی نہیں تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قدیم الایام میں کوہ قاف کی عورتیں پوری سپہ گر تھیں۔ اور جسطرح بہادر میدانِ جنگ میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہیں وہ بھی دکھاتی تھیں اب ہم ایک عربیہ خاتون کی مختصر حالات پیش کرتے ہیں۔ جو عروج اسلام کے ابتدائی دور میں تھی۔ اور ایسی بہادر اور نبرد آزما تھی کہ لڑائی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہی وہ یہی خاتون ہے جسکا نام ہم نے زیب عنوان کیا ہے۔

جس وقت [illegible]

اُمِّ ابان اُس لشکر اسلام میں موجود تھیں جو ملک شام میں فتح و نصرت کے جھنڈے لگا رہا تھا اور وہ ابھی بالکل نوعمر تھیں۔ اور اسی زمانہ میں ہم انہیں اس سن و سال پر پاتی ہیں کہ شادی کو چند گنتی کے دن گزرے ہیں عروسی کے دن جو خوشبو کپڑوں میں لگائی

گئی تھی ابھی تک اپنی لپٹیں دے رہی ہے۔ اور جس مہندی سے دلہن بننے کیوقت انہوں نے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ اس کا رنگ ابھی تک باقی ہے۔ اگرچہ حضرت رسالت کو وفات پائے دو ڈہائی برس گذرے ہیں مگر اس کا پتہ نہیں کہ اس نوعمر پاکدامن خاتون کو کبھی بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے اور صحابیت کا فخر حاصل کرنے کا بھی موقع ملا ہے یا نہیں۔ مگر ہاں ان کی ابتدائی عمر کی نسبت اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ بہادر و شجاع باپ اور جانباز قبیلہ والوں کی تربیت میں اسلحۂ جنگ اور آلات گیر و دار کے استعمال کرنے میں اچھی مہارت حاصل کرلی تھی۔ فنونِ جنگ نے اس شجاعت میں جان ڈالدی۔ جو ان کے خمیر میں تھی۔ اور دین اسلام نے عفت و پرہیزگاری کو بڑہایا جو خدا پرستی کا لازمہ ہیں۔

لشکر اسلام شام کے قدیم اور مشہور شہر دمشق کی طرف بڑہا اور اس میں یہ دو چار روز کے بیاہے ہوئے میاں بی بی بھی ہیں۔ دمشق کے محاصرے کے شروع ہوتے ہی تقدیر نے جو ہمیشہ اچھے لوگوں کے لیئے ذریعہ آزمایش ہوتی رہی ہے یہ کرشمہ دکھایا کہ کسی رومی کے زہر آلود تیر نے اُمّ ابان کے نوجوان شوہر کو جام شہادت پلا دیا۔ اور وہ قبل اس کے کہ عروسی کی مہندی کا رنگ چھٹنے پائے بیوہ ہوگئیں جاہلیت میں عورتیں اس نازک موقعہ پر بین کرتی منہ پیٹتی اور قیامت سر پر اٹھا لیا کرتی تھیں مگر یہ دین کی مضبوطی اور تعلیمات نبوت کی برکت تھی کہ ام ابان نے نہایت ہی استقلال و ثابت قدمی سے کام لیا۔ اور سوا اسکے کہ مشیت الٰہی کو صبر و شکر کے ساتھ قبول کریں شکایت کا ایک جملہ بھی اس نوجوان خاتون عرب کی زبان سے نہ نکلا۔

اس دلخراش و جانکاہ موقع پر اُمّ ابان نے جو کارروائی کی تھی کہ مرحوم و شہید شوہر کی لاش کے پاس کہڑے ہوکے عجب شکر و صبر کے لہجے میں کہا دو پیارے شوہر تم کو مبارک ہو۔ اور خدا نے تمہیں آغوش رحمت میں لے لیا۔ تم اُسی خدا کے پاس گئے جس نے ہمیں تمہیں ملایا تہا اور اب جدا کردیا۔ اب میں تمہاری موت کا انتقام لونگی اور اس کوشش میں اپنی جان لڑا دونگی کہ جہاں تم ہو وہیں میں بھی پہونچ لوں

اس لیے کہ مجھے تمہارے ساتھ عشق ہے بس اب اس کے بعد میرے جسم میں کسی اور شخص کا ہاتھ نہ لگے گا کیونکہ اب میں نے اپنے آپ کو خدا کی خدمتیں بجا لانیکے لیے وقف کر دیا ہے"۔ یہ کہہ کے بغیر اس کے کہ کوئی قطرۂ آنسو اس نوجوان بیوہ کے خوبصورت چہرے پر چھلکتا نظر آئے اور بغیر اسکے کہ اسکے پرحسرت سینے سے ایک بار بھی آہ کی آواز نکلے اس نے شوہر کی لاش کو خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ اور رسوم اسلام کے مطابق دفن کر دیا۔

ان کاموں سے فراغت پاتے ہی ام اَبان نے جنگی لباس زیب بدن کیا ہتھیار لگائے۔ اور دشمنوں کے مقابلے کو تیار ہو گئیں۔

اس زمانے میں دمشق کی حکومت ٹامس نام ایک بہادر شہسوار روم کے ہاتھ میں تھی۔ جسے عرب مورخین توما کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور ہرقلوس قیصر روم کا داماد بتاتے ہیں۔ ٹامس نہایت بہادر اور شجاع شخص تھا۔ اور میدان جنگ میں اس استقلال سے لڑ رہا تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوئے جاتے تھے اسی خونریز میدان میں ام اَبان ہتھیار باندھے ہوئے کود پڑیں۔ جس جگہ سب سے زیادہ سخت لڑائی ہو رہی تھی ہستی ہلتی ہوئی پہونچیں۔ اور کمان کو ہاتھ میں لیکے دشمنوں پر تیر برسانے لگیں ان کا پہلا تیر رومیوں کے علم بردار کے ہاتھ پر پڑا۔ اور صلیبی علم مسیحیوں کے اعتقاد کے موافق گر کے ٹھنڈا ہو گیا۔ عیسائی جھنڈا اٹھانیکو بڑے جوش کے ساتھ بڑھے مسلمانوں نے روکا۔ اور اب پہلے سے زیادہ سخت لڑائی ہو رہی تھی کہ ام ابان کا ایک اور تیر خاص ٹامس کی آنکھ پر پڑا۔ اور پیوست ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی اس نے آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور بے حواس بھاگا۔ اور آنًا فانًا میدان سب دشمنوں سے صاف تھا۔ وہ بھاگ کے شہر میں ہو رہے۔ اور بڑی بڑی کوششیں کی گئیں کہ تیر ٹامس کی آنکھ سے نکالا جائے مگر کسی طرح نہ نکل سکا۔ آخر مجبورًا گانسی آنکھ کے اندر چھوڑ دی گئی اور لکڑی کاٹ لی گئی۔

اس کے بعد ایک رات کی لڑائی میں ام ابان جدہر کو جھکتیں کہ سخت لڑائی ہو رہی

ہو جا پہونچتیں۔ ایک ایک سے پوچھتیں کہ میرے شوہر کا قاتل کون ہے! اور اُن تیروں سے جو قضائے مبرم کا پیام لیجاتے تھے دشمنوں کو مار مار کے گرا دیتیں۔

یہ ہے عورت کی شجاعت اور یہ ہے عورت کا جوش ایمانی۔ مگر ہاں اُم ابان میں وہ انوکھی اور عجیب و غریب شرافت نہ تھی جو ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کی گھر والیوں میں ہے

نوار زوجہ فرزدق

یہ آخر عہد صحابہ کی ایک شریف اور صاحب جمال و کمال خاتون اور اعین بن صعصعۂ مجاشعی کی بیٹی تھی جیسی شریف النسب تھی ویسی ہی خوش سلیقہ اور صاحب خلق و مروت تھی اور ویسی ہی فصیحہ و بلیغہ بھی تسلیم کیجاتی تھی۔ شرفائے عرب میں اُس کا وقار تھا۔ اور سب اُسے اُس عہد کی اعلیٰ ترین خاتونوں میں شمار کرتے تھے۔ فرزدق شاعر نے دھوکہ دیکے اُس سے نکاح کر لیا اور ایسی مصیبت تھی جسکے عذاب سے اس پاک امن عورت کو زندگی بھر چھٹکارا نہ نصیب ہوا۔

فرزدق کے جال میں پھنسنے کی صورت یہ ہوئی کہ بنی عبد اللہ بن دارم کا ایک شریف و خوشرو نوجوان فرزدق کی تولیت میں تھا اُسنے نوار کے حسن و جمال اور اُس کی خوبیوں کا شہرہ سُنا تو اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور چونکہ وہ نوار کے چچا کا بیٹا بھی تھا اس لیئے اُسے یہ پیام بہت زیادہ پسند آیا۔ نوار نے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا کہ "فلاں نوجوان جو آپکی تولیت میں ہے میرے ساتھ عقد نکاح کرنے کا آرزومند ہے اور مجھے بھی یہ عقد پسند ہے لہذا آپ ہم دونوں کے دلوں کی آرزو پوری کر دیں۔ تو بڑی عنایت ہو"۔ فرزدق نے کہلا بھیجا "میں تمہاری خوشی پوری کرونگا۔ مگر پہلے علی رؤس الاشہاد اس بات کا صاف اقرار کر لو کہ فرزدق جس کسی کے ساتھ تمہارا عقد کریگا۔ اس سے عقد میں چلی جاؤگی۔ نوار نے کہلا بھیجا "مجھے منظور ہے" اور بہت سے معزز لوگوں کے سامنے اس بات کا اقرار کر لیا۔ اب فرزدق نے کہلا بھیجا کہ "اچھا اپنے قبیلہ والوں یعنی بنی دارم کو جمع کر دو اور ان کے سامنے اقرار کرو کہ تم اپنے عقد کا اختیار مجھے دیتی ہو"۔ نوار نے

تمام شرفائے قبیلہ کو اپنے وہاں جمع کیا۔ اور انکے سامنے حسب وعدہ اقرار بھی کرلیا۔ جب ان
سب باتوں کی تکمیل ہو چکی تو فرزدق نے کھڑے ہو کے خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کیا۔ پہلے خدا
کی حمد و ثنا کی۔ اُسکے بعد کہا "آپ سب صاحب واقف ہیں کہ نوار نے مجھے اپنے عقد کا اختیار
دیا ہے۔ لہٰذا میں آپ سب صاحبوں کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے نوار کا عقد نکاح ایک
سو سیاہ آنکھوں والی سُرخ رنگ اونٹنیوں کے مہر پر اپنے ساتھ کیا۔" یہ الفاظ سنتے ہی
صحبت پر ایک سناٹا چھا گیا اور نوار بگڑ کے زور و شور سے کوسنے دینے لگی میاں فرزدق
تو مطمئن تھے کہ اب نوار میرے پھندے سے چھوٹ کے کہاں جاتی ہے مگر نوار نہایت
ہی پریشان تھی کہ کیا کرے۔ اور کیونکر اس آفت سے پیچھا چھوٹے۔ ایک ایک کے پاس
جاتی مگر لوگ کہتے اسبات کے سچے گواہ لاؤ کہ فرزدق نے تمہیں فریب دیا۔ لیکن گواہی
کے لیے جس کسی سے کہتی وہ ٹالتا۔ کیونکہ فرزدق اتنا بڑا ہجو گو شاعر تھا کہ زمانہ اس سے پناہ
مانگ رہا تھا۔ اور لوگ ڈرتے تھے کہ ہم سے ذرا بھی بگڑا تو ہمیں بدنام و رسوا
کردیگا الغرض گواہ ملتا نہ تھا۔ اور بغیر گواہ کے کوئی اُسے فرزدق کی زوجیت سے آزادی
نہ دیتا تھا آخر اکتا کے نوار نے ارادہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر کے پاس جا کے فریاد کرے جو ان
دنوں مکہ معظمہ میں دعوائے خلافت کر رہے تھے اور سارے عرب اور عراق پر قابض و
حکمران تھے۔ مگر خرابی یہ تھی کہ فرزدق کے ڈر کے مارے کوئی اس غریب کو اپنے ساتھ
مکہ معظمہ تک لیجانے کی بھی جرأت نہ کرتا تھا۔ اتفاقاً بصرہ میں جہاں نوار اور فرزدق تھے
بنی عدی بن عبد مناة کے چند نوجوان آئے جو "بنی ام نسیر" کے لقب سے مشہور تھے
اور نوار سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ نوار نے ان سے ہمدردی کی درخواست کی
اور وہ ترس کھا کے اُسے اپنے ساتھ لیکے مکہ معظمہ کیطرف روانہ ہوئے یہ سنتے ہی فرزدق
نے اہل بصرہ سے مدد چاہی۔ لوگوں نے اُسے اونٹ دیئے سامان سفر مہیا کردیا اور آخر
تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ یہ مدد ملتے ہی فرزدق نے بھی نوار کے پیچھے پیچھے مکہ کی راہ لی
اور جو لوگ نوار کو لیے جاتے تھے اُن کی ہجو میں اشعار کہے۔ مکہ پہونچ کے فرزدق
کو معلوم ہوا کہ نوار خاص عبداللہ بن زبیر کے گھر میں ٹھہری ہے اور اُن کی بی بی خولہ بنت

منظور فزاریہ کی مہمان ہے۔ یہ چونکہ اُس عہد کا مشہور و مقبول سیف زبان و آتش بیان شاعر تھا نام سنتے ہی اہل مکہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور نوار کی چوٹ پر وہ خاص عبداللہ بن زبیر کے بیٹے کے پاس ٹھہرا اور انکی مدح میں اشعار کہہ کے آخر انہیں اپنی سفارش پر مجبور کر دیا۔

اب عبداللہ بن زبیر عجیب الجھن میں پڑے ہوئے تھے نہ کوئی رائے قائم کرتے بنتی تھی اور نہ کچھ فیصلہ کرتے بیٹے آکے فرزدق کی سی کہتے اور وہ ظاہر میں ہاں ہوں کر دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اپنی بی بی خولہ کے پاس جاتے تو وہ نوار کی سی کہتیں اور فوراً ان کی رائے اسی طرف ڈھل جاتی۔ آخر کھلگیا کہ انکی رائے نوار کی طرفداری میں ہے۔ اسپر بگڑ کے فرزدق نے یہ دو شعر کہے جو اسکی زبان سے نکلتے ہی سارے مکہ بلکہ ساری دنیائے اسلام میں پھیل گئے ؎

اما بنوہ فلم تقبل شفاعتہم   وشفعت بنت منظور بن زبانا

لیکن ان کے بیٹوں کی سفارش تو نہیں مانی گئی لیکن ہاں منظور بن زبان کی بیٹی کی سفارش کارگر ہوگئی ؎

لیس الشفیع الذی یاتیک موتزرا   مثل الشفیع الذی یاتیک عریانا

جو سفارش کرنیوالا تمہارے پاس پائجامہ پہنے ہوئے آئے اس سفارش کرنیوالے کے برابر نہیں ہوسکتا جو تمہارے پاس برہنہ ہوکے آئے۔

یہ اشعار ابن زبیر کے کانوں تک پہونچے تو انہوں نے نوار کو بلایا اور کہا "دو صورتیں ہیں ان میں سے تمہیں جو منظور ہو اُسپر عمل کیا جائے۔ تم کو فرزدق سے طلاق دلوا دیتے ہیں یا تو میں اُسے قتل کر ڈالوں کہ پھر کبھی ہماری ہجو نہ کہے اور یا دشمنان اسلام کے ملک میں جلاوطن کر کے بھیجدوں۔ جہاں وہ خود ہی مار ڈالا جائیگا" عورت کو ہزار ستاؤ۔ لاکھ اسکا دل دکھاؤ۔ اُسکے ساتھ مکر و فریب کرو لیکن اُسے وفادار ہو گی پھر بھی اسکا دل نرم ہوتا ہے اور اُسے ترس آہی جاتا ہے نوار کو یہ ہرگز گوارا نہ ہوا کہ فرزدق میری باعث جان سے مارا جائے۔ جواب دیا کہ "ان میں سے تو کوئی صورت مجھے نہیں منظور ہے۔"

زبیر نے کہا "اگر اُسکے حال پر ترس بھی آتا ہے تو پھر وہ تمہارا ابن عم ہے اور تم پر فریفتہ ہے کیوں نہیں منظور کر لیتیں کہ تمہارے ساتھ اُسکا نکاح دوبارہ کر کے اس رنجش کو مٹاؤں نوار بولی "ہاں مجھے اپنی زندگی خراب کرنا منظور ہے۔ اور یہ نہیں منظور کہ وہ غریب بے گناہ جان سے جائے"۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے فرزدق کو بلوایا اور کہا "نوار کیساتھ جس مہر پر تم نے نکاح کیا ہے اُسے لاکے حاضر کرو ورنہ میں تمہارا نکاح باطل کر دونگا"۔ فرزدق نے کہا "میں یہاں غریب الوطنی میں ہوں بغیر گھر گئے اعلیٰ درجہ کی سواونٹ کہاں سے لاؤنگا"۔ ابن زبیر نے کہا "جسطرح بنے لاؤ۔ اور اگر نوار کی محبت ہے تو دو ہی گئے"۔ آخر فرزدق نے جھنجھلا کے کہا "آپ اسلئے جبر زور ڈالتے ہیں کہ زبردستی نوار کو مجھ سے چھین کے اپنی بی بی بنالیں۔ ابن زبیر بھی نہایت مغلوب الغضب تھے بولے "تم کو اور تمہاری قوم بھر کو اہل عرب نے اپنی برادری سے نکالدیا تہا تمہاری ہستی ہی کیا ہے"۔ اسکے بعد اسے اپنی صحبت سے اٹھوا دیا۔ اور جب وہ جا چکا تو حاضرین سے کہا "فرزدق بنی تمیم سے ہے اور ان لوگوں نے ظہور اسلام سے ڈیڑھ سو برس پہلے خانہ کعبہ پر یورش کر کے اُسے لوٹ لیا تہا۔ ان کی یہ بے اعتدالی دیکھی تو تمام اہل عرب نے اتفاق کر کے ان کی ایسی بے وقعتی کی جا یسی کسی کی نہیں ہوئی تھی اور انہیں ارض تہامہ سے نکالدیا۔ یہ کہہ کے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا "نوار کا مہر لاکے حاضر کرو ورنہ بہت بُری طرح سے تمہیں قتل کرونگا فرزدق نے چند اور شعر کہے جنمیں اپنی قوم کی تعریف کی۔ اور ان الزاموں کی عذرخواہی کی جو ابن زبیر نے اس پر لگائے تھے۔ ان اشعار کو سُن کے ابن زبیر بظاہر خاموش ہو رہے مگر دل میں لئے رہے۔ اتفاقاً ایک دن وہ نماز کے لئے گھر سے نکلے تو راستہ میں فرزدق کو دیکھا دیکھتے ہی لپک کے ٹینٹوا لیا اور کہا "میرے حکم کی جسطرح بنے تعمیل کرو۔

اب فرزدق نہایت پریشان تہا۔ شاعری اور ہجوگوئی بھول گیا اور کوئی تدبیر بنائے نہ بنتی تھی کہ کسی نے کہا کہ تم "سلم بن زیاد کے پاس چلے جاؤ۔ جو قیدخانہ میں گرفتار ہیں کیونکہ ابن زبیر اُس سے کچھ رقم طلب کرتے ہیں اور وہ نہیں دیتا"۔ فرزدق سنتے ہی سلم کے پاس دوڑا گیا اور اپنی مصیبت بیان کی۔ سلم نے پوچھا "کتنے میں مہر ادا

ہوجائیگا"۔ کہا "چار ہزار دینار ہیں" اسلم نے فوراً چار ہزار دینار کی رقم نوار کے مہر کیلئے ادا کئے اسکے علاوہ دو ہزار دینار اسکے سفر خرچ کیلئے کل چھ ہزار دلوائیے۔ یہ رقم پانیکے بعد فرزدق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ فوراً عبداللہ بن زبیر کے پاس آکے وہ رقم سامنے پسادی اور کہا "لے لائیے میری جورو کو"۔ انہوں نے نوار کا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیدیا اور وہ رقم بھی واپس کی۔ فرزدق نے نوار اور اس کے مہر کی رقم کو لیکے مکہ سے بصرہ کی راہ لی اور جوش مسرت میں کہا "جب ہم دونوں بصرہ سے چلے ہیں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور آج مکہ سے چلے ہیں تو ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔ پھر نوار کی طرف متوجہ ہو کے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب تھا کہ "اپنے ابن عم کے پاس آؤ اور اُس شخص کی سی نہ بنجاؤ جو گھوڑے کو چھوڑ کے گدھے کو اختیار کرے"۔

اس کامیابی کے بعد فرزدق اُسے لے کے بصرہ میں آیا۔ مگر اس نکاح اور تعلق میں کسی قسم کا لطف نہ تھا کیونکہ میاں بی بی میں الفت و محبت ضروری ہے اور یہاں مار باندھ کا سودا تھا۔ نوار کی زندگی تلخ تھی اور کسی بات میں لطف نہ آتا۔ فرزدق کی یہ حالت تھی کہ پورا پورا شاعر اور رند مشرب تھا۔ وہ اپنے دلی جذبات کے آگے نہ سوسائٹی کی پروا کرتا نہ قوم کی۔ نہ سلطنت سے ڈرتا تھا نہ دین سے۔ نہ کسی دوست کے بس میں تھا اور نہ کسی عورت کے۔ ایسے کیساتھ نباہنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ لوگوں کی ہجویں کہتا۔ ہمعصر شاعروں پر حملہ کرتا۔ اور لوگ اُسے قتل کی دھمکیاں دیتے۔ ان سب باتوں کو نوار آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھتی اور دل میں کڑھ کے رہجاتی۔ اسکے ساتھ وہ متقی و پرہیزگار تھی۔ فرزدق رند مشرب تھا جسے شاعری کی دھن میں نہ دین کی پروا رہتی نہ دنیا کی۔ نوار کے دل میں باربار خیال آتا کہ فرزدق نے مجھے زبردستی پھانس لیا ہے۔ میرا اسکا عقد جائز طور پر اور سچے ایجاب و قبول سے نہیں ہوا۔ اسلئے میں اسپر حرام ہوں۔ پھر یہ خیال آتا کہ شرع فرزدق کے موافق فیصلہ کر چکی ہے۔ الغرض عجب شش و پنج میں تھی۔ کبھی اس سے ملنا ترک کردیتی اور کبھی مجبور ہو کے ملنے لگتی۔ علاوہ دیگر اسباب اختلاف کے یہ بھی تھا کہ فرزدق بدوضعی کے ساتھ نہایت ہی بدصورت بھی تھا

اسکا اصلی نام ہمام تھا۔ مگر بچپن ہی میں ایک بجا چہرہ ایسا واقع ہوا تھا کہ باپ نے اسپر فرزدق کی پھبتی کہی اور یہی اسکا لقب پڑ گیا فرزدق عربی میں سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار ایک شخص نے بنانے کیلئے فرزدق سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟" بولا "فرزدق" اسنے قہقہہ لگا کے کہا "فرزدق کیا یہ تو سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں" فرزدق بولا "کیا تمہیں سوالا نہ تھا" بولا "الحمد للہ کہ خدا نے مجھے تمہاری جورو کے پیٹ میں پہنچایا"

ایک دن ایک صحبت میں بنی حرام کے چند لوگ جمع تھے جنمیں حضرت عثمان ذی النورین کا غلام عنبسہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً فرزدق کا ادھر سے گذر ہوا۔ عنبسہ نے مذاقاً پکار کے پوچھا "اے ابو فراس (یہ فرزدق کی کنیت ہے) عالم آخرت میں کب جاؤگے؟" فرزدق نے پوچھا کیوں؟ تمہارا وہاں کیا کام ہے؟ جواب دیا "ہاں تمہارے ہاتھ میں اپنے والد مرحوم کے پاس ایک خط بھیجونگا" فرزدق نے برجستہ کہا "تو پھر یا تو یہ یا اصطفانوس (کسی مجوسی عیسائی) کی معرفت بھیجو۔ کیونکہ تمہارے باوا دوزخ میں جہاں ہیں وہاں میرا گذر نہوگا"

محض نوار کے ستانے کے لیے فرزدق نے چند روز بعد جہیمہ نام ایک عورت کے ساتھ نکاح کر لیا۔ پھر اسی ضد میں ایک اور عورت سے نکاح کیا جس کا نام حدراء بنت زیق شیبانیہ تھا اسپر نوار اس قدر جھنجھلائی کہ آپے سے باہر ہو کے لپٹ پڑی اور فرزدق کی ڈاڑھی نوچ ڈالی۔ اپنے گھر سے باہر نکل کے دو شعر کہے۔ جنکا مطلب یہ تھا کہ نوار میری ڈاڑھی نوچنے لگی اور جعدہ خشخاش کی ڈاڑھی نوچتی ہے۔ دونوں جب بگڑتی ہیں شیرنیاں بنجاتی ہیں۔ اور راضی ہوں تو بڑے مزے کی زندگی گذرتی ہے"
خشخاش اس زمانے میں ایک شخص تھا جس کی بی بی کا نام جعدہ تھا۔ یہ شعر مشہور ہوئے اور جعدہ کے کان تک پہنچے تو وہ نوار کے پاس دوڑی آئی اور کہا "میں نے تمہارے میاں کا کیا بگاڑا تھا جو انہوں نے تمہارے ساتھ مجھے بھی لے ڈالا" نوار کیا جواب دیتی کہا "میں نے بھی صبر کیا تم بھی صبر کرو"

حدراء کا مہر فرزدق نے حجاج سے مانگ کے ادا کر دیا تھا۔ جسکی مقدار ایک سو اونٹ تھی۔ یہ اونٹ لیکے جب گھر میں آیا تو نوار نے کہا "یہ اونٹ بہتر ہیں کالی کلوٹی جیسی"

حقیر اور مچھر کی سی ٹانگوں والی عورت کا مہر اور سو اونٹ!" مگر فرزدق مہر کے یہ اونٹ لیکے حدراء کے گھر گیا تو وہ مر چکی تھی ۔

فرزدق کا مدمقابل ان دنوں جریر شاعر تھا جو اسکی خوب خبر لیا کرتا تھا۔ اور فرزدق بھی دنیا میں اگر کسی سے ڈرتا تھا تو اسی سے۔ آجتک عربی کے زبان دانوں اور سخن فہموں میں اختلاف پڑا ہوا ہے کہ ان دونوں شاعروں میں کون افضل تھا کوئی فرزدق کو زیادہ پسند کرتا ہے اور کوئی جریر کو اسمیں شک نہیں کہ فرزدق کے کلام کو ترجیح دینے والے زیادہ ہیں لیکن اسمیں بھی شبہ نہیں کہ جریر نے جس جس طرح فرزدق کی مٹی خراب کی ہے کوئی نہ کر سکتا تھا۔ خود فرزدق اس کا لوہا مانے ہوئے تھا۔ اور اپنے شرمناک واقعات کو چھپاتا اور ساتھیوں سے کہتا "بھئی اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ جریر کو خبر ہو گئی تو میری مٹی پلید کر ڈالے گا"۔

عبید اللہ بن عطیہ فرزدق اور جریر دونوں کے اشعار کا راوی تھا۔ وہی انکے کلام کو محفوظ رکھتا اور مدون مرتب کرتا۔ ایک دن فرزدق نے اُسے بلا بھیجا۔ اور کہا "دیکھنا ابن مراغہ (جریر) کی شان میں ایک شعر کہا ہے اگر اُسنے اُسکا جواب دیدیا تو نوار پر طلاق ہے" وہ شعر یہ تھا ؎

فانی انا الموت الذی ھو نازل ۔۔۔ بنفسک فانظر کیف انت تحاولہ[۱]

پھر کہا "تم خود جاکے یہ شعر جریر کو سناؤ اور کہو اب کیا کہتے ہو؟ عبید اللہ سفر کرکے یمامہ میں گیا۔ جہاں جریر رہتا تھا۔ اُسے اس حال میں پایا کہ دروازہ کے سامنے بیٹھا بالو سے کھیل رہا ہے۔ فرزدق کا یہ شعر سنا کے اسکا پیام پہونچا دیا۔ سنتے ہی جریر نے بالو پر لوٹنا سر پر خاک ڈالنا اور سارے بدن میں بالو ملنا شروع کیا۔ مغرب کے وقت تک اسی مشغلہ میں رہا اور یکایک جوش کے ساتھ بولا "لو میں نے نوار کو طلاق دلوا دی" اور یہ شعر پڑھا ؎

انا الدھر یفنی الموت والدھر خالد ۔۔۔ فجئنی بمثل الدھر شیئاً یطاولہ[۲]

۱؎ میں موت ہوں جو تجھ پر نازل ہوئی ہے۔ لے سنبھل دیکھوں تو اُسکا کیسے سامنا کرتا ہے۔

۲؎ میں زمانہ ہوں جو موت کو مٹا کے برقرار رہتا ہے۔ بھلا زمانہ کی کوئی چیز لیکر تجھ [illegible] تا جسکی زندگی ایسی طولانی ہو۔

عبداللہ نے واپس آ کے جب یہ شعر فرزدق کو سنایا تو دم بخود رہ گیا اور بولا "تو اب اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا"

اسکی اس کمزوری سے نوار نے بھی فائدہ اٹھایا۔ فرزدق نے اسکے چھیڑنے اور ستانے کیلئے حدرا کی تعریف میں اشعار کہے اور ان میں نوار کی تحقیر کی۔ نوار نے کہا "اب تم یوں نہ مانوگے اچھا دیکھنا اسکا کیسا مزہ چکھاتی ہوں" پھر آدمی بھیج کے جریر کو اسکے وطن سے بلا بھیجا۔ اور اس سے فرزدق کی بیہودگیوں کی شکایت کی۔ اور کہا کہ وہ میری ہجو میں شعر کہتا ہے جریر نے کہا بی بی تم اپنا دل نہ کڑہاؤ میں اس سے سمجھ لوں گا چنانچہ اُس نے فرزدق کی خوب خبر لی۔ اور فرزدق نے اسکا جواب دیا۔

اسی طرح نوار نے اپنا دکھ جا کے بنی قیس بن عاصم میں بیان کیا اور وہ لوگ اسکی ساتھ ہمدردی کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ فرزدق کو اسکی خبر ہوئی تو ان لوگوں کی ہجو میں دو شعر کہے۔ یہ شعر سن کے ان لوگوں کو بڑا طیش آیا۔ اور انہوں نے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا "اگر اس کے بعد تیسرا شعر تم نے کہا تو خدا کی قسم ہم تمہیں مار ڈالینگے" یہ ایسی زبردست دھمکی تھی کہ پھر فرزدق کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

چند روز بعد فرزدق نے رہیمہ بنت غنی لمزیہ سے عقد کیا۔ مگر دو ہی چار روز بعد اس سے بگڑ گئی اور ایسی بگڑی کہ طلاق کی نوبت آ گئی اور فرزدق نے اپنے پرانے حربہ سے کام لیا یعنی اس کی ہجو کہی بنی نہشل کی ایک چھوکری سے نکاح کیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ناجائز تعلق پیدا کیا۔ وہ حاملہ ہوئی۔ اور وضع حمل میں مر گئی۔ فرزدق نے اس کے غم میں مرثیہ کہا۔

سب کے بعد بڑھاپے میں آپ نے ظبیہ بنت حاتم مجاشعیہ کے ساتھ نکاح کیا۔ مگر چونکہ مہر میں دینے کے لئے کوڑی پاس نہ تھی اس لئے اسے ایک سال تک اسی کے میکہ میں جو صحرائے عرب کا اندر تھا رہنے دیا۔ پھر عامل فارس ابان بن سنجلی کو لکھا تو اُس نے مہر کی رقم دلوا دی اب آپ اسے رخصت کرا کے گھر میں لائے تو آپکے ضعف پیری کے باعث وہی نتیجہ ظاہر ہوا جو سعدی شیرازی نے گلستان میں بتایا ہے ؎

میاں شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں ۔۔۔ کہ سر بشحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست ۔۔۔ ترا کہ دست بہ لرزد گہر چہ دانی سفت

گھر کی جوتی بیزار کے بعد یہ شرمناک مقدمہ جن قاضی صاحب کے اجلاس میں پیش ہوا انکا نام نامی مہاجر تہا۔ مگر فرزدق کی ہجوؤں کا خوف اُسپر بھی اس قدر غالب تہا کہ فیصلہ کرنیسے پہلے ہی کہہ دیا "طیبہ" چاہے فرشتوں ہی کو گواہی میں کیوں نہ لائے مگر میں فرزدق کے خلاف مقدمہ نہیں فیصل کر سکتا"۔

فرزدق کے پاس ایک اور عورت تھی جو حبشن تھی جس کے بطن سے ایک لڑکی بھی ہوئی تھی جو مکیہ کہلاتی تھی۔ اس حبشن کی تعریف میں آپنے چند شعر کہے تھے جن میں منجملہ دیگر محاسن کے اس کی خوشبو کی بھی تعریف کی تھی۔ وہ اشعار سن کے نوار بولی "ہاں اسی کی سی خوشبو تم میں بھی آتی ہے"۔

فرزدق کا اصلی حربہ اسکی ہجو گوئی تھی جس سے امرا اعیان سلطنت شرفائے زمانہ اور اُسکے معاصر شعر تک ڈرتے تھے۔ اسی قدر نہیں بعض اوقات وہ اپنی رندیہ مشربی اور آوارہ مزاجی میں بھی اسی حربہ سے کام لیا کرتا تہا چنانچہ آپ ایک نجیب الطرفین شریفہ خاتون عرب پہ فریفتہ ہو گئے۔ اور اُسے دہمکی دی کہ مجھہ سے راضی ہو جاؤ ورنہ ہجو کہہ کے سارے زمانہ میں بدنام کر دونگا۔ جب کئی بار اُسے اسی طرح کی دہمکی دی تو وہ مجبوراً نوار کے پاس آئی اور کہا "خدا کے لیئے اپنے میاں کو روکو۔ وہ میری آبرو لینے کے درپے ہیں۔ اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں"۔ نوار نے کہا "فرزدق کے سیدہا کرنے کی تدبیر نہیں ہے۔ تم اُس سے وعدہ کر لو۔ اور جس دن کا وعدہ ہو مجھے بلا بھیجو۔ پھر دیکھو کیسی دل لگی ہوتی ہے"۔ اس خاتون نے یہی کیا۔ وعدہ کی شب کو آپ خوش خوش پہونچے اُس نے کہا "میں تم کو خلوت کے کمرہ میں لیئے تو چلتی ہوں مگر وہاں چراغ نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ میرا کوئی عزیز آجائے"۔ آپنے جوش محبت میں منظور کر لیا۔ کمرہ میں گئے اندہیرے میں وہ خاتون تو چلی دی اور اس کی جگہہ نوار آ کے بیٹھ گئی۔ لطف صحبت اٹہا چکنے کے بعد یہ ابھی اطمینان سے نہیں بیٹھنے پائے تھے کہ نوار نے

ایک دوہتڑ مارا اور چلائی کہ موئے شہدے تیری یہ حرکتیں ہیں! آواز پہچانتے ہی آپ نے فی البدیہہ کہا "اخاہ! یہ تم تھیں ؟ "ما اطیبک حراماً واردائک حلالاً" کیا بتاؤں کہ حرام میں تم کیسی اچھی ہو اور حلال میں کیسی بری تھیں!"

مگر باوجود ان سب باتوں کے جانتا تھا کہ میری اصلی بی بی اور مجھ پر حق رکھنے والی نوار ہی ہے۔ چنانچہ ایک بار فرزدق کہیں باہر تھا۔ ملکیہ کی ماں حبشن نے اُسے نوار کی شکایت لکھی کہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتیں ... اُدھر نوار نے بھی اُسے اس حبشن کی شکایت لکھ بھیجی۔ اس کے جواب میں فرزدق نے یہ تین شعر لکھ کے اُس حبشن کے پاس بھیجے۔ جن میں ملکیہ کی ماں کو ڈانٹا اور لکھا تھا کہ "نوار کو کوئی معمولی عورت نہ سمجھنا۔ وہ شریف ہے اور بڑے باپ کی بیٹی ہے۔"

مگر باوجود اس کے نوار کے دل میں فرزدق کی جانب سے روز بروز نفرت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اس کو جائز شوہر نہیں خیال کرتی تھی جب کسی طرح زور نہ چلا تو اس نے فرزدق کی خوشامد درآمد شروع کی۔ ہر بات میں اُس کی خوشی پہ چلتی۔ کوئی فعل اس کی مرضی کے خلاف نہ کرتی یہانتک کہ بہزار خرابی اُسے طلاق دینے پر آمادہ کر لیا لیکن اب بھی فرزدق نے اُس سے اتنی شرطیں کرالیں کہ (۱) طلاق کے بعد بھی تمہارے گھر سے نہ جاؤں گی (۲) تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑونگی (۳) کسی اور شخص کے ساتھ نکاح نہ کرونگی (۴) اور میرے مال و اسباب اور میری جائداد پر تم جو تصرف چاہو کرو۔ تمہیں اختیار ہوگا میں تمہارا ہاتھ کبھی نہ پکڑوں گی تب اُسے لیکے اس زمانہ کے امام دین حسن بصری کے سامنے گیا اور کہا "اے ابوسعید! (یہ حسن بصری کی کنیت ہے) آپ گواہ رہئے کہ میں نے نوار کو طلاق دی" حسن بصری نے اُس کے کہا "ہاں میں گواہ ہوں" اس طلاق کے وقت گواہوں کی حیثیت سے راوی اشعار فرزدق ابو شفقل اور ایک دوسرا راوی فرزدق کے ساتھ تھے خود نوار بھی موجود تھی جس کے ہمراہ بہت لوگ گئے تھے۔ مگر فرزدق کی ہیبت سے سامنے نہیں آتے تھے بلکہ ستونوں کی آڑ میں چھپے رہے۔ واپسی کے وقت فرزدق نے ابو شفقل سے

کہا "بھئی میں تو اپنے کئے پر پچھتاتا ہوں۔ جی نہیں چاہتا کہ نوار کو طلاق دے کے آزاد کر دوں"
ابو شفقل نے کہا "ایسا ہی ہے تو خدا کی قسم تم اپنی جان دیا چاہتے ہو۔ جانتے بھی ہو کہ کس
کو اپنے طلاق کا گواہ بنا چکے ہو۔ اگر حسن بصری نے اشارہ بھی کر دیا تو مسلمان تمہیں
سنگسار کر کے مار ڈالیں گے۔" تاہم فرزدق نے اس افسوس میں چند شعر کہے جن سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے نوار سے سچی محبت تھی۔ ان میں کا ایک شعر یہ ہے ؎

وکانت جنتی فخرجت منہا ۔۔۔ کآدم حین اخرجہ الضرار

اور وہ (نوار) میری جنت تھی۔ جس سے میں ویسے ہی نکلا جس طرح حضرت آدم
کو بہکاوا اور نفاق نے نکالا تھا۔ اور نوار کا یہ طلاق لینا بھی محض دینداری کے خیال
سے تھا۔ اور کسی وجہ سے نہ تھا۔ اپنے دل میں وہ اپنے لیے فرزدق کی صحبت کو حرام و نا
جائز خیال کرتی تھی۔ بس اسی سے بچنے کے لیے اس نے بہزار دشواری آزادی حاصل کر لی
ورنہ جو شرطیں وہ فرزدق سے کر چکی تھی۔ انکی وجہ سے طلاق کے بعد اُسے کسی قسم
کی آزادی نہیں حاصل تھی۔ نہ اسے اپنے ۱۰۰۰ روپیہ پیسہ پر تصرف کرنے سے روک
سکتی تھی جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کیسی پارسا و پاک طینت اور نیک بی بی تھی۔

مرنے سے پہلے اُس نے فرزدق کو وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز حسن بصری
سے پڑھانا۔ فرزدق نے انہیں اس وصیت کی خبر کی تو فرمایا "اگر نوار نے مجھ سے
پہلے سفرِ آخرت کیا تو میں ضرور اسکی نماز جنازہ پڑھاؤں گا" اتفاقاً یہی ہوا کہ نوار رہگزرِ
عالمِ جاودانی ہوئی اور حسن بصری زندہ موجود تھے۔ فرزدق نے جا کے اطلاع کی تو وہ
فوراً چلے آئے۔ یہاں پہنچ کے دیکھا تو بہت سے لوگ بھیڑ لگائے کھڑے تھے۔ پوچھا یہ کیوں
کھڑے ہوئے ہیں؟ فرزدق نے کہا "سب سے اچھے شخص اور سب سے برے شخص کی انتظار
میں بیٹھے ہیں" اس کی مراد تو اچھے سے حسن بصری اور برے سے خود اپنی ذات تھی
مگر حسن بصری نے دونوں جملوں کو اپنے ہی سے متعلق کیا اور کہا "نہ میں سب سے
اچھا ہی ہوں اور نہ سب سے برا ہی ہوں" اسکے بعد نماز پڑھا کے نوار کو دفن کر دیا۔
اور قبر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "اس خوابگاہ کے لیے کیا سرمایہ جمع کیا ہے؟"

فرزدق نے کہا "ستر برس کا یہ عقیدہ کہ لا الہ الا اللہ" اس سے پتا چلتا ہے کہ فرزدق بھی دل سے سچا شیدائے توحید تھا اور توحید ہی کو ذریعۂ نجات جانتا تھا اور اسی لئے ان دونوں میاں بی بیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ "اللھم اغفر لھما"

لیلائے اخیلیہ

ایک نامی گرامی شہسوار عرب عبداللہ بن الرجال کی بیٹی اور دور اولین اسلام کی ایک نہایت ہی پر اثر اور نازک خیال شاعرہ گذری ہے۔ جو مشہور و مستند شاعر عرب توبہ بن حمیر کی پاکدامن و حور خصال معشوقہ تھی۔ مذکورہ لیلے کے اجداد میں مغویہ نام ایک شخص گزرے تھے جو گھوڑوں کے ایسے شوقین اور اس پایہ کے آدمی تھے کہ "اخیل" (بڑے گھوڑے باز) مشہور ہو گئے۔ انکا یہ لقب اُن کی نسل میں چلا اور آخر لیلیٰ اس کی وارث ہوئی۔ اور لیلائے اخیلیہ کہلانے لگی۔

ابتدائی حالات میں سوا اسکے کہ جناب معاویہ کے زمانہ میں اس کا نشو ونما ہوا ہمیں اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ توبہ بن حمیر جسوقت اُس کے رخ زیبا پر عاشق ہوا ہے۔ اسوقت تک اس نازنین عرب کے اشعار کو کوئی شہرت نہیں حاصل ہوئی تھی بلکہ شک ہے کہ اُس زمانے تک وہ شعر کہتی بھی تھی یا نہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ توبہ مذکور کے عشق ہی نے لیلیٰ کو شاعر بنایا۔

افسوس یہ بھی نہیں معلوم کہ اس عشق کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ مگر ہاں آج ہیں کے حالات کے راوی اتنا کہتے ہیں کہ توبہ نے اس کے جمال جہاں آرا پر فریفتہ ہونیکے بعد اس کے باپ کو پیام شادی دیا۔ عرب کے لوگوں میں رواج تھا کہ لڑکی پر جو کوئی عشق ظاہر کرے اُس کے ساتھ اس کی شادی ہرگز نہ کرتے تھے اس رسم نے بہت سے عشاق کو اپنی معشوقہ نازنین کے فراق میں زندگی بھر تڑپایا ہے چنانچہ مجنون عامری بھی اسی کی بدولت اپنی معشوقہ لیلائے عامریہ کے وصال سے محروم رہا تھا۔ توبہ نے جیسے ہی شادی کی خواہش ظاہر کی لیلائے اخیلیہ کے باپ نے قبیلۂ اولیٰ کے

... ایک نوجوان کے ساتھ اُسکا عقد کر دیا۔ اور اب توبہ بن حمیر کا سوا اسکے کہ شب و روز معشوقۂ ناز آفریں کے فراق میں تڑپے اور کچھ زور نہ چل سکتا تھا مگر تاہم اپنے دل کے ہاتھوں مجبور و بیتاب ہو کے لیلا کے دیکھنے کو جاتا اور لیلا کے دل میں اس کے سچے عشق نے کچھ ایسا لگاؤ پیدا کر دیا تھا کہ وہ بھی اس سے آکے ضرور ملجاتی۔ جب یہ حال کھلا تو قبیلے والے بہت ہی بگڑے۔ دل از دست دادہ لڑکی کو ڈانٹا ڈپٹا اور جب اسپر بھی ان دونوں عاشق و معشوق کا ملنا نہ موقوف ہوا تو سلطنت سے فریادی ہوے اور جناب معاویہؓ کے سامنے آکے شکایت کی۔ یہاں سے حکم دیا گیا کہ "توبہ اب کبھی لیلا سے نہ ملے۔ اور اگر اس حکم کے بعد بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو لیلے کے قبیلے والوں کو اختیار ہے کہ جب موقع ہاتھ آئے اور اُسے جہاں پائیں قتل کر ڈالیں۔

اس حکم سے قبیلے والے جب خوش خوش گھر میں آئے تو لیلا کو فکر ہوئی۔ اور خاصکر اس وجہ سے کہ توبہ بن حمیر کو ابھی تک یہ حکم خلافت نہیں معلوم تھا۔ اب یہ لوگ اُسکی تاک میں تھے اور لیلے نے یہ کیا کہ جس روز اسے معلوم تھا کہ توبہ آج مجھ سے ملنے کو آئیگا کوئی بہانہ اپنے قبیلے کی فرودگاہ سے باہر گئی اور سرِراہ اس وضع سے کھڑی ہو گئی کہ بخلاف ہمیشہ کے چہرے پر نقاب نہ تھی۔ توبہ آیا اور لیلا کو دور ہی سے اس وضع میں دیکھ کے کہ اپنی عادت کے خلاف آج منہ کھولے ہوئے ہے۔ اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ پھر جب امن و امان کے مقام میں پہونچ لیا تو لیلے کے عشق میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

وکنت اذا ما جئت لیلیٰ تبرقعت　　فقد رابنی منہا الغداۃ سفورہا[۱]

اسطرح خود لیلیٰ نے اس کی جان بچا دی۔ ورنہ اگر وہ اس حد سے ذرا بھی آگے بڑھتا تو معشوقۂ نازنین کے اعزہ و اقارب بلا تامل پکڑ کے قتل کر ڈالتے۔

اب لیلا ئے اخیلیہ اور توبہ بن حمیر کا ملنا اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھانا موقوف ہو گیا۔ توبہ تو اپنے جوشِ جنون کو شاعری اور شاعرانہ جوشِ عشق کے

---

[۱] اس شعر کے معنی یہ ہیں کہ "میں جب کبھی آتا تھا۔ لیلیٰ اپنا منہ چھپا لیا کرتی تھی۔ مگر کل جو اپنے منہ کھولے دیکھا تو دل میں کھٹکا پیدا ہو گیا"۔

ذریعہ سے بہلایا کرتا۔ مگر لیلا یہاں سخت آفت اور مصیبت میں مبتلا تھی اول تو تو یہ کے تعلقات کیوجہ سے اُس پہ بدگمانی تھی ہی اُسپر یہ قیامت ہوئی کہ بنی ادریع میں سے جو شوہر ملا وہ فطرۃً نہایت ہی بدگمان تہا۔ اور بات بات پر اُسے بے عصمتی اور آوارگی کا الزام دیتا۔

عرب کا معمول ہے کہ قبائل عرب کہلے میدانوں اور وادیوں میں اپنے خیمے ڈال کے رہا کرتے ہیں۔ اور مسافر اور سیاح دن دن بہر کی بلکہ بعض اوقات چار چار پانچ پانچ دن کی دشت نوردی کے بعد کسی بدوی کا خیمہ دیکھہ پاتے ہیں تو رات بسر کرنیکے کے لیئے اُس کے قریب آکے ٹہر جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر صاحب خیمہ کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی مہمانداری کرے۔ اور جہانتک امکان میں ہو انہیں آرام پہونچائے اکثر اوقات مرد شکار یا طلب معیشت کے لئے باہر چلے جاتے ہیں۔ اور عورتیں اور لڑکیاں ہی سیاحوں اور مسافروں کی خبر گیری کرتی ہیں۔ اور یہی وہ فیاضی ہے جو سرزمین عرب میں قدیم الایام سے شرافت کا جوہر سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی معمول کے مطابق ہر ہفتہ میں عادت مستمرہ کے موافق کوئی نہ کوئی مسافر لیلے کے خیمے کے پاس بھی آکے فروکش ہو جاتا۔ اور لیلا کا شوہر بدگمان ہوکے بی بی کو مارتا پیٹتا اور سخت سزا دیتا۔ مگر وہ ہمیشہ اطاعت کرتی اور ردو پیٹ کے بیٹھ رہتی۔

چنانچہ ایک معزز سیاح عرب کا بیان ہے کہ مجھے صحرا میں شام ہوگئی تھی دور پر ایک خیمہ نظر آیا۔ اس کے قریب جاکے ٹہر گیا۔ مگر حیرت تہی کہ اس خیمے میں اگرچہ بچے بہی تھے اور عورتیں بہی تہیں۔ مگر کوئی بھی میری خبر گیری کو نہ آیا۔ اتنے میں رات ہوگئی اور ایک شخص اونٹ پر سوار قریب آیا۔ اور خیمے میں جاتے ہی نہایت برہمی کے ساتھ بی بی کو بلاکے ڈانٹنے لگا کہ "یہ کون ہے؟" عورت نے عاجزی کے لہجہ میں جواب دیا "کوئی مسافر آفتاب غروب ہوتے وقت یہاں آکے ٹہر گیا ہے۔" مرد نے کہا "نہیں تو جہوٹی ہے۔ تیرے ملنے والوں میں سے کوئی ہے۔" اور اتنا کہتے ہی غریب عورت کو نہایت بے رحمی سے مارنے پیٹنے لگا۔ عورت عجیب دردناک صدا سے چلاتی تہی۔ اور اُسے ترس

نہ آتا تھا۔ آخر اس عورت سے کہنے لگا "یہ شخص جو ٹھہرا ہوا ہے۔ جبتک خود آ کے سفارش نہ کریگا میں تجھے نہ چھوڑونگا" اس کی زبان سے یہ سن کے اب عورت نے چلانا شروع کیا۔ "ای میاں مسافر! اے شتر سوار! خدا کے لیئے مجھے آ کے بچاؤ"! اب یہ چیخیں سن کے مجھ میں ضبط کی تاب نہ تھی جھنجھلا کے اپنا ایک حربہ اُٹھا لیا اور خیمے میں گھستے ہی ظالم مرد پر تین چار وار اس زور سے کئے کہ عورت بیچ میں آ گئی اور کہنے لگی "میاں تم جاؤ۔ ہمارے جھگڑوں میں دخل دینے سے تمہیں کیا مطلب"! عورت کی یہ نیک نفسی دیکھ کے میں واپس چلا آیا۔ اور کہا "اب اس ظالم شخص کے خیمے کے پاس نہ ٹھہرونگا" اُسی وقت اونٹ پر سوار ہو کے آگے چل کھڑا ہوا صبح کو ایک ایسے مقام پر پہونچا جہاں ابنائے بادیہ کے چند خیمے پڑے ہوئے تھے میں وہاں ٹھہرا اور ایک لونڈی کو پاس سے گزرتے دیکھ کے اپنے پاس بلایا۔ رات کی سرگزشت بیان کی اور پوچھا "تم جانتی ہو وہ کون شخص ہے؟" میرے سوال پر وہ بہت ہنسی اور کہنے لگی "کیا تم نہیں جانتے جو مجھ سے پوچھتے ہو؟" میں نے کہا "بالکل نہیں جانتا"! تب اُس لونڈی نے بتایا کہ "وہ لیلائے اخیلیہ کا خیمہ ہے بدقسمتی سے وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال واقع ہوئی ہے اور شوہر ایسا ملا ہے جو بات بات پر مارنے پیٹنے کو تیار ہو جاتا ہے بلکہ اسی وجہ سے لوگوں نے اس کے خیمہ کے پاس ٹھہرنا چھوڑ دیا۔ آپ ناواقف تھے اسی سبب سے وہاں ٹھہر گئے"۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ باوجودیکہ شوہر نہایت جابر و ظالم تھا مگر لیلا اس سے پوری طرح ہمدردی کرنے کو تیار تھی ممکن تھا کہ شرعی آزادیوں سے نفع اٹھا کے قاضی کے سامنے خلع کی درخواست پیش کر دیتی۔ مگر اس نے کبھی اسکا خیال بھی نہ کیا۔

اس کا عاشق زار توبہ بن حمیر عرب کے عام شرفا کی طرح گراں پایہ شاعر ہونیکے ساتھ ایک بڑا زبردست بہادر اور سپہ گر بھی تھا۔ اُس کی شہسواری اور شجاعت کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے سوار اور کثیر التعداد قبائل اُس کو

نام سے لرزتے تھے۔

ایکدفعہ اتفاقاً بنی عذرہ میں اس کا گزر ہوا جس قبیلے کے لوگ اپنی خوبصورتی وزیبائی اور اپنے حسن و عشق کے اعتبار سے سارے عرب میں مشہور تھے۔ اس قبیلے کی مشہور معشوقۂ عرب بثینہ سامنے کھڑی تھی اور حسن اتفاق سے آسے کسی قدر غور و توجہ سے دیکھنے لگی۔ بثینہ کا عاشق زار جمیل شاعر بھی پاس کھڑا تھا۔ اپنی معشوقہ کی توجہ ایک دوسرے شخص کیطرف دیکھ کے دلمیں کچھ ایسی آتش حسد بھڑکی کہ غیرت عشق کے جوش میں آگے بڑھا اور توبہ سے کہنے لگا "آپ کو شہرہ کا بڑا دعویٰ ہے۔ آیئے کشتی ہو سکتی ہے؟" توبہ نے کہا "بسم اللہ آیئے" جمیل جب مقابلے کو آنے لگا تو اسکی کمر بثینہ نے خود اپنے ہاتھ سے باندھی اور وہ توبہ کے سامنے اکھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر میں جمیل نے توبہ بن حمیر کو دے مارا۔ جمیل نے کہا "کشتی میں تو آپ ہار گئے اب آیئے تیراندازی میں مقابلہ ہو" توبہ راضی ہو گیا۔ اور اس فن میں بھی جمیل سے ہارا۔ توبہ نادم کھڑا تھا کہ جمیل نے کہا "تو آیئے اب دوڑنے میں بھی مقابلہ ہو جائے شاید آپ کے دلمیں کچھ ہوس باقی ہو" توبہ نے اسمیں بھی مقابلہ کیا۔ اور اس میں بھی ہارا۔ اسطرح ایک گھڑی بھر میں اپنی شجاعت و شہرت کو خاک میں ملجانے دیکھ کے دلمیں سوچا۔ اور یکایک چونک کے بولا "آخاہ! میں اب سمجھا یہ ساری کارسازی ان بی صاحب (بثینہ کی ہے) سنو صاحب اس مقابلے کا اعتبار نہیں۔ تم محض اسوجہ سے جیتے ہو کہ یہ نیک بخت سامنے کھڑی تھیں جب جانوں کہ ان کی نظر سے دور ہو کے اور اُدھر اُس وادی میں چلکے مقابلہ کرو" جمیل کے دل میں جیتنے سے دعویٰ تو پیدا ہو ہی گیا تھا۔ توبہ کو ساتھ لیکے اس وادی میں گیا۔ اور جس نے سُنا اسے حیرت ہو گئی کہ یہاں آتے ہی تینوں باتوں میں توبہ بن حمیر نے اسے مار لیا۔

لیکن حضرت معاویہ ہی کے زمانہ میں اس کی شجاعت و بسالت کا یہ خوفناک نتیجہ ظاہر ہوا کہ ایک نازک موقع پر بہت سے قوی اور بہادر دشمنوں کے نرغہ میں گھر کے عجب جوش و خروش اور بے نفسی و بے خوفی سے لڑتا ہوا مارا گیا اور

دشمنوں نے اسی وادی میں جہاں مارا گیا تھا ایک ٹیلے پر دفن کر کے اس کی قبر بنا دی۔
جب یہ خبر لیلائے اخیلیہ کو پہونچی تو دنیا اس کی آنکھوں میں تنگ ہو گئی اور بے تکلف اور بغیر اس کے کہ کسی کا پاس و لحاظ کرے توبہ بن حمیر کے مرثیے کہنے لگی جن میں اس مغرز شہسوار عرب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی تھی۔ اور کہتی تھی کہ اس سے بڑا اور زبردست اور قابل قدر کوئی شخص نہیں گزرا اس کے شوہر نے جب دیکھا کہ توبہ مارا جا چکا تو وہ بھی خاموش ہو رہا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی کی اس مرثیہ گوئی کو دل پر جبر کر کے وہ گوارا کر لیا کرتا تھا مگر جسطرح پہلے توبہ کے اشعار سارے جزیرہ نمائے عرب بلکہ اسلامی قلمرو میں مقبولیت کے ساتھ رواج پا رہے تھے اسیطرح اب لیلیٰ کے ان مرثیوں کا چرچا ہوا اور عرب کے لوگوں کی ہر صحبت میں حیرت و استعجاب اور پسندیدگی و دردمندی کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔ چنانچہ وہ مرثیے جناب معاویہ کے کان تک پہونچے اور انہوں نے جب دیکھا کہ یہ شاعرۂ عرب اپنے پرسوز مرثیوں کے ذریعے سے اپنے شہید عشق کو انتہا درجہ کا نیک نفس اور پاکباز بتا رہی ہے تو ایک مرتبہ اسکو بلوا کے پوچھا "تم تو اس کی ایسی تعریفیں کرتی ہو، مگر لوگ جو یہ باتیں مشہور کر رہے ہیں کیا سچ نہیں ہیں؟" اصل یہ ہے کہ توبہ کے اشعار جس کسی کے گوش گزار ہوئے تھے اسے یقین آ گیا تھا کہ اس کا لیلیٰ سے ناجائز تعلق ہے۔ لیلےٰ نے حضرت معاویہ کا یہ سوال سنکے جواب دیا "حضور، ہر وہ بات جو لوگوں میں مشہور ہو۔ سچ نہیں ہوا کرتی" یہ کہہ کے توبہ کی ہزارہا خوبیاں اور اس کے عفاف و اتقا کے حالات بیان کرنے لگی۔ معاویہ نے کہا "مگر لوگ تو اسے زانی بتاتے ہیں"
لیلےٰ نے اب اپنا ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا جسمیں توبہ کی خوبیاں اور نیکیاں بہت زور دیکے بیان کی تھیں۔
اب معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے متعلق اکثر لوگ اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور وہ سب کو آزادی سے جواب دیا کرتی تھی توبہ کی حمایت میں اس کی پاکدامنی کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے جس زمانے میں کہ وہ بالکل بوڑھی

اور بدصورت تھی اس سے تعریضاً کہا "تم میں وہ کونسی ادا تھی جسے دیکھ کے توبہ عاشق
ہوگیا؟" لیلیٰ نے نہایت ہی جرأت سے اس کو یہ الزامی جواب دیا کہ "اور آپ میں وہ
کونسی خوبی ہے جسے دیکھ کے لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنالیا؟" اس جملے پر عبدالملک
کو اسقدر ہنسی آئی کہ لوٹ گیا۔

اسی زمانے میں والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے ایکدفعہ اس سے کہا "لیلیٰ"
اب تو تمہاری جوانی گذر گئی۔ سچ سچ بتاؤ تم سے اور توبہ سے کسی قسم کا تعلق تو نہ تھا؟
اس نے قسم کھا کے کہا کہ وہ اپنے عشق میں ہمیشہ پاکباز رہا" پوچھا "اچھا کبھی اس نے
تم سے کوئی ناجائز خواہش تو نہیں کی؟" بولی "کبھی نہیں۔ صرف ایک مرتبہ اتنا ضرور
ہوا کہ اس نے نفس کے غلبے سے مغلوب ہو کے کچھ ارادہ کیا تھا مگر میں نے یہ دو شعر
پڑھے اور وہ نادم ہو کے خاموش ہوگیا ؎

وذی حاجة قلنا له لا تبح بها — فلیس الیها ما حییت سبیل عہ
لنا صاحب لا ینبغی ان نخونه — وانت لاخری فارغ وحلیل

بس اس کے بعد پھر کبھی اس نے ایسا قصد نہیں کیا۔

ان باتوں سے حجاج کا دل نہیں بھرا تھا۔ پوچھا "پھر کیا ہوا؟" اس نے کہا "توبہ
نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو بھیجا اور کہہ دیا کہ ہمارے قبیلے یعنی بنی عبادہ کی
فرودگاہ کے پاس کسی ٹیلے پر چڑھ کے یہ شعر پڑھنا ؎

عفا اللہ عنہا ہل ابیتن لیلة — من الدہر لا یسری الی خیالہا (لہ)

اس شخص نے اس ہدایت کے موافق ہمارے خیمے کے سامنے ایک بلندی پر کھڑے
ہو کے یہ شعر پڑھا تو میں سمجھ گئی کہ یہ توبہ کا قاصد ہے۔ فوراً اس کے جواب
میں میں نے بھی اسے یہ شعر سنا دیا ؎

(لہ) خدا اس کے گناہ معاف کرے بھلا کبھی مجھے وہ رات نصیب ہوگی جو خیال میں بھی نہیں آتی؟ -

عہ ترجمہ (۱) اور حاجت والے نے اپنی حاجت پیش کی تو ہم نے کہا کہ یہ تمہارے لئے نہیں جائز ہے اور زندگی بھر کبھی
کوئی راہ نہ ہوگی۔ (۲) ہمارا ایک صاحب ہے جسکی ہمیں خیانت نہ کرنی چاہئے اور تم بھی دوسری عورت کے واسطے فارغ اور اسکے شوہر ہو

وعنہ عفا ربی واحسن حفظہم ۔۔۔ عزیز علینا حاجۃ لا تنالہا[۱]

اس پاکدامنی کا اعتراف صرف لیلےٰ ہی نے اپنے اشعار میں نہیں کیا ہے بلکہ خود توبہ بھی اپنے ایک شعر میں صاف طور پر اپنی معشوقہ کے دعوے عصمت کی تصدیق کرتا ہے وہ کہتا ہے ؎

علی دمائہا لبدن ان کان اہلہا ۔۔۔ یری لی ذنبا غیر انی ازورہا[۲]

لیلا نے اخیلیہ جب حجاج سے ملی ہے تو اس نے اُسے دس ہزار درہم انعام میں دئے اور پوچھا "اگر کوئی اور آرزو ہو تو وہ بھی بیان کر دو"۔ اُسنے کہا میرے چچازاد بھائی قتیبہ بن مسلم جوان دنوں ترکستان میں ہیں ان کے دیکھنے کی تمنا ہے اگر وہاں تک پہنچوا دیجیے تو نہایت ممنون ہونگی قتیبہ بن مسلم کا نام غالباً ہمارے ناظرین نے اکثر سنا ہوگا۔ اس لیئے کہ یہ عرب کا بہت مشہور اور زبردست سپہسالار تھا جو خراسان سے ترکستان اور وہاں سے بڑھ کے کاشغر میں جا پہنچا تھا۔ اور اس ارادہ میں تھا کہ فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا مملکت چین میں پہنچ جائے حجاج نے لیلےٰ کی خواہش کے مطابق اُسے ترکستان میں بھیج دیا۔ جہاں بھائی سے مل کر وہ واپس آئی۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی سفر سے واپس آتے وقت شہر رے میں پہنچ کے پیوند زمین ہو گئی۔

لیکن یہ غلط ہے۔ اس کی موت کا اصلی واقعہ یہ ہے کہ ترکستان سے واپس آنیکے بعد ایک مرتبہ اپنے شوہر کیساتھ صحرائے عرب میں سفر کر رہی تھی کہ اتفاقاً اس وادی میں گزر ہوا جہاں اس کے عاشق توبہ بن حمیر کی قبر تھی۔ شوہر سے کہنے لگی "میں توبہ کی قبر پر جاؤنگی"۔ اس نے روکا۔ مگر لیلےٰ نے نہ مانا اور ایسی ضد کی کہ شوہر کو اجازت دینی ہی پڑی۔ اب اس نے اس ٹیلے پر جس ٹیلے پر عاشق مرحوم کی قبر تھی

---

[۱] اور خدا اسکے گناہ معاف کرے اور اسے اپنی امان میں رکھے اسکی وہ حاجت کبھی نہ برآئیگی جس سے ہم عزیز رکھ

[۲] مجھے کفارہ میں اونٹوں کی قربانیاں دینی پڑیں۔ ۔ اگر اس کا شوہر بجز اسکے کہ میں اس سے مل لیتا ہوں میری اور کوئی خطا پا سکے۔

اونٹ کو چڑھایا اور قبر کا سامنا ہوتے ہی چلا کے کہا "السلام علیک یا توبہ" اسوقت اور لوگ بھی لیلیٰ کے ساتھ تھے سلام کر چکے بعد ان ہمراہیوں کو دیکھ کر نہایت حسرت سے کہنے لگی "لوگو! اس سے پہلے مجھ پر توبہ کا کوئی جھوٹ نہیں ظاہر ہوا تھا؟" کسی نے پوچھا "جھوٹ کیا" بولی "کیا تم نے توبہ کے یہ اشعار نہیں سنے؟" ؎

ولو ان لیلی الاخیلیۃ سلمت ۔۔۔ علی ودونی تربۃ وصفائح

لسلمت تسلیم البشاشۃ اوزقی ۔۔۔ الیہا صدی من جانب القبر صائح

اگر یہ اس نے سچ کہا تھا تو پھر جواب کیوں نہیں دیتا؟"

وہ حسرت کیساتھ یہ سوال کر ہی رہی تھی کہ ایک بڑا الو جو قبر کے کسی کونے میں چھپا بیٹھا تھا ایک دفعہ گھبرا کے اور پھڑ پھڑا کے اڑا۔ اور اپنے آشیانے سے نکلتے ہی لیلیٰ کے اونٹ کے منہ سے اس زور کے ساتھ ٹکرایا کہ اونٹ بھڑکا اور اسطرح کودنے لگا کہ لیلیٰ محمل سے نکل کے دور جا گری۔ اور گرتے ہی روح پرواز کر گئی اس کے شوہر اور تمام ہمراہیوں نے اس واقعہ کو حیرت سے دیکھا۔ اور اسے قیامت کا انتظار کرنے کے لئے اسی کے عاشق صادق کے پہلو میں سلا کے گھر روانہ ہوئے۔

اُم سلمہ زوجہ سفاح

یہ ایک خالص عربی معاشرت کا نمونہ تھا۔ اور انکی بھی وہ معاشرت جو ان کے متمدن بننے کے بعد کی ہے۔ یہ خاتون یعقوب بن ولید بن عبداللہ بن ولید بن مغیرہ مخزومی کی بیٹی تھی۔ اور اسی شریف قبیلہ کی یادگار تھی جس کی ایک مشہور یادگار سیف اللہ خالد بن ولید تھے۔ وہ حسن و جمال کے علاوہ بڑی صاحب تمیز سلیقہ شعار اور ہنرمند تھی۔ اور خدا نے اُسے مال و دولت سے بہرہ ور کیا تھا۔ پہلے عبدالعزیز بن عبدالملک

؎ اگر لیلائے اخیلیہ مجھے سلام کرے اور میری یہ حالت ہو کہ مجھ پر خاک کا ڈھیر ہو اور پتھر کی سلیں ہوں تو بھی میں اسے نہایت خندہ جبینی سے سلام کا جواب دونگا۔ یا قبر کے پہلو سے کسی ہاتف کی آواز بلند ہو کے اس کے سلام کا جواب ادا کریگی۔

بن مروان کے عقدِ نکاح میں تھی۔ پھر ہاشم نام ایک معزز دولت مند عرب نے اس سے نکاح کیا۔ ہاشم کے بعد ایک دن اپنے مکان میں بیٹھی ہوئی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے ایک خوبرو و خوشجمال جوان رعنا کا گزر ہوا۔ اس نوجوان کی صورت دیکھتے ہی ام سلمہ دل میں فریفتہ ہو گئی۔ اور ہم صحبت خاتونِ قوم سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جواب ملا۔ کہ "ان کا نام ابو العباس سفاح ہے اور عم رسول اللہ حضرت عباس کی نسل سے ہیں"۔ اِن دنوں بنی امیہ کی حکومت تھی اور بنی ہاشم عام اس سے کہ فاطمی ہوں۔ یا عباسی غربت و فلاکت میں مبتلا تھے عہدہ داران سلطنت اور معزز سوسائٹی میں بھی ان کی ایسی قدر و منزلت نہ تھی کہ کوئی دولت مند عورت ان کی طرف توجہ کرتی مگر ام سلمہ مخزومیہ ابو العباس سفاح کی صورت پر کچھ ایسی فریفتہ ہوئی کہ کسی بات کا خیال نہ کیا۔ اور اپنی ایک لونڈی کو ان کے پاس بھیج کے خود ہی نکاح کا پیغام دیا اور پیام کے ساتھ سات سو اشرفیاں بھیجیں کہ یہ آپ کی نذر ہیں۔ لونڈی نے آکے سفاح کو یہ پیام دیا تو انہیں اپنی اس خوش اقبالی پر حیرت ہوئی اور اس سے کہا "مگر میں تو مفلس و نادار ہوں۔ انہوں نے ناداری کا شکوہ کیا تو اس نے وہ سات سو اشرفیاں پیش کر دیں کہ "روپیہ کی ضرورت ہے تو ہماری بی بی نے خود ہی یہ رقم تمہاری نذر کی ہے"۔ اب کیا تھا سفاح خوش خوش اپنے گھر آئے۔ پھر ام سلمہ کے بھائی کے پاس جا کے شادی کا پیام دیا۔ انہوں نے قبول کیا۔ اور دو ہی چار روز میں پانچسو اشرفی مہر پہ نکاح ہو گیا۔

شب کو ابو العباس سفاح جب حجلہ عروسی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دلہن ایک شہ نشین پہ بیٹھی ہوئی ہے۔ جس پہ مغرق و مرصع فرش ہے بال بال موتی پروئے ہوئے ہیں اور ساری بندے میں کوئی جگہ نہیں جہاں سے جواہرات صونہ دے رہے ہوں۔ دولت مندی کا ایک ایسا نمونہ اور ایسا آنکھوں کو خیرہ کرنے والا منظر کبھی ان غریب کی نظر سے نہیں گزرا تھا مبہوت و ششدر کھڑے رہ گئے۔ اور کسی طرح قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تب ام سلمہ نے لونڈی کو بلا کے شہ نشین کے

نیچے مسند بچھوائی۔ اور گرمیوں کے سادے کپڑے زیب بر کیئے۔ مگر اب بھی امارت و حسن کا اتنا رعب تھا کہ سفاح کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر ان کا دل بڑہانیکے لیئے دولہن نے خود ہی کہا "تم گھبراؤ نہیں۔ آؤ پاس بیٹھو اور باتیں کرو۔" غرض ام سلمہ کی دلدہی سے سفاح میں اتنی جرأت پیدا ہوئی کہ دولہن دولہا ایکدوسرے سے مانوس ہوئے۔

اس کے بعد سفاح کی یہ حالت تھی کہ نام کو شوہر تھے مگر حالت کو دیکھیے تو معلوم ہوتا تھا جیسے بی بی کے غلام بے درم ہیں۔ حلف اٹھالی کہ زندگی بھر تمہارا ہی رہونگا نہ کوئی اور شادی کرونگا اور نہ کسی لونڈی سے کبھی سروکار رکھونگا۔ میاں بی بی میں حد سے زیادہ محبت تھی۔ ابو العباس کوئی کام بغیر بی بی کے مشورہ کیئے نہ کرتے تھے۔ اور کبھی ان کی مرضی کے خلاف نہ کرتے۔ الغرض نہایت ہی آرام و آسائش سے گذر رہی تھی۔ بی بی کی دولت نے سفاح کو بھی ایک رئیس اعظم بنا دیا تھا اور خدا نے مسرت کو اور ترقی دینے کے لیئے اولاد بھی عطا فرمائی تھی اسی طرح ابو العباس کی اقبال مندی کا پہلا نمونہ اس صاحب مال و جمال بی بی ہی کی ذات سے نظر آیا۔

چند روز بعد انقلاب زمانہ نے بنی امیہ کا دفتر الٹ دیا۔ بنی عباس کا ستارۂ اقبال چمکا۔ خلافت اسلامیہ کا تاج سفاح کے سر پر رکھا گیا۔ اور دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ وہی شخص بن گیا۔ جسے اپنی فلاکت سے دولتمند بی بی کے پنڈے میں ہاتھ لگانیکی جرأت نہ ہوتی تھی جو افلاس کی کمزوری سے بی بی کا درم ناخریدہ غلام بنا ہوا تھا۔ اور انکی صورت دیکھکے ڈرتا اور سہما جاتا تھا۔ مگر ہاشمی شرافت کے اثر سے مالک تاج و دیہیم ہونیکے بعد بھی سفاح کے تعلقات اپنی ناز آفریں بی بی ام سلمہ سے ویسے ہی رہے۔ اور اب بھی مجال نہ تھی کہ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کریں یا کسی اور عورت کو آنکھ اٹھا کے دیکھیں۔ لیکن حکمرانی و جہاں پناہی نے اب دربار اور صحبت میں بعض ایسے لوگ بھی پہونچا دیئے جو امراء کے دلوں میں طرح طرح کی خواہشیں اور ہوسیں پیدا

کر کے ان کی سیہ کاری و عیش پرستی سے خود فائدہ اُٹھایا کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بڑے زبان آور اور لسان مصاحب خالد بن صفوان نے موقع پاکر ایک دن تنہائی میں عرض کیا "امیر المؤمنین! مجھے حضور کی حالت دیکھ کے بڑا تعجب آتا ہے۔ اقتدار خدا نے ایسے دئے ہیں کہ چاہے کیسا ہی حکم ہو مجال نہیں کہ اس کی تعمیل میں ایک لمحہ کی بھی دیر ہو سکے۔ قلمرو اتنی بڑی ہے کہ ساری دنیا تابع فرمان ہے اور باوجود سطوت اور جبروت کے ایک عورت حضور پر حاکم ہے۔ اور اس کے بندۂ فرمان بنے ہوئے ہیں وہ بیمار ہو تو حضور بیمار ہیں۔ گھڑی بھر میں نظر سے اوجھل ہو تو حضور آپے میں نہیں ہیں ایک اسکے بس میں ہونیکی وجہ سے حضور نے سارے لطف اور دنیا کی تمام لذتیں اپنے اوپر حرام کر لی ہیں۔ حتی کہ حضور کو یہ بھی نہیں معلوم ہونے پاتا کہ حسینانِ عالم میں خدا نے کیسی کیسی ناز آفریں دلربائیں پیدا کیں ہیں کوئی قیامت قامت ہے۔ کوئی ماہ طلعت ہے۔ کوئی گل رخسار ہے۔ کوئی چھریری اور نازنین ہے کوئی سالونی اور نمکین ہے۔ کوئی مدینہ کی جادو بیان ہے جو اپنی پیاری پیاری باتوں میں لبھا لیتی ہے کوئی کوفہ یا بصرے کی شیریں زبانی ہے جس کی چتونیں زہر کا اثر رکھتی ہیں کسی کی زلفیں دل کو اپنے پھندے میں پھانس لیتی ہیں کسی کی سرگیں آنکھوں کے تیر کلیجہ میں اُتر جاتے ہیں۔

اسی طرح خالد بن صفوان دیر تک طرح طرح کے حسینوں کی تصویریں سفاح کی آنکھوں کے سامنے کھینچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا دل ڈانواڈول ہو گیا اور دل میں کہنے لگا "یہ سچ تو کہتا ہے۔ اپنی اس حماقت کے باعث میں کیسی کیسی لذتوں سے محروم ہوں"۔

اب خالد تو آگ لگا کے چلتا بنا۔ اور دل میں خوش تھا کہ میں نے میدان مار لیا۔ اگر میری بات تو بن آ کے سفاح نے کسی دوسری عورت کیطرف توجہ کی تو پھر مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ ایک سوچ میں پڑا ہوا تھا اور کوئی فیصلہ نہ کر چکتا تھا اسی حالت میں تھا کہ ام سلمہ آ گئی اور اُسے ملول و حزین دیکھ کے سبب پوچھنے لگی۔ بار بار اُسے تسلی دیتی تھی اور کہتی تھی "آخر آپ کو کس

بات کی فکر ہے؟ کسی بیرونی حریف نے سر اٹھایا ہے؟ کسی نے بغاوت کی ہے؟ کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا ہے؟ آخر کونسی ایسی بری خبر آئی ہے جو آپ اسقدر متفکر ہیں؟" سفاح نے کہا "خبر و بر کوئی نہیں آئی" ام سلمہ "تو پھر وہ نگوڑی کونسی بات ہے جس کے لئے دشمن یوں پریشان ہو رہے ہیں" سفاح "کچھ نہیں" "ام سلمہ" کچھ تو ضرور ہے۔

سفاح "ایک یونہیں سی بات ہے جو تم سے کہنے کی نہیں" ام سلمہ" اور میں بے پوچھے نہ رہوں گی"

آخر ام سلمہ نے "بتاؤ" "جلدی بتاؤ" کی یہاں تک رٹ لگائی کہ مجبوراً سفاح نے ساری سرگذشت سنادی۔ اور خالد نے جو کچھ کہا تھا بی بی کے سامنے دہرا دیا سنتے ہی ام سلمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور غصہ کے تیوروں سے پوچھا "اور تم نے اس حرام زادے کو اس کا جواب کیا دیا؟" اس پر سفاح نے برآشفتہ ہو کے کہا "واہ! وہ تو مجھے نیک مشورہ دیتا ہے۔ اور تم اسے کوستی ہو!" شوہر سے یہ جواب پا کے ام سلمہ طیش میں بھری ہوئی وہاں سے اٹھ کے اپنی محلسرا میں گئی اور دس چوبداروں کو بلا کے حکم دیا کہ اسی وقت خالد بن صفوان کے مکان پر جاؤ اور اسے اتنا مارو کہ اسکا کوئی عضو صحیح و سالم باقی نہ رہے

میاں خالد گھر میں بیٹھے ہوئے شاہی انعام کے امیدوار تھے اور وہ کیا دیکھ رہے تھے کہ کوئی شاہی غلام خلعت اور نقد و جواہرات لئے ہوئے آتا ہی ہوگا کہ ناگہاں ڈیوڑھی پر چوبدار نمودار ہوئے اور دروازہ پر پہنچ کے پوچھا "خالد بن صفوان کہاں رہتے ہیں؟" آپ بے اختیار لپک کے باہر نکل آئے۔ اور جوش مسرت سے ازخود رفتہ ہو کے کہا "ہاں ہاں جی میں ہی ہوں جو کچھ انعام لائے ہو دو۔ انہوں نے کہا لو" اور بے تکان پیٹنا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھی تو آپ گھبرا کے بھاگے گھر میں گھس کے دروازہ بند کر لیا۔ اور زیادہ نہیں پیٹنے پائے۔ مگر ڈر کے مارے گھر سے قدم نکالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انہیں گھر میں بند بیٹھے کئی دن ہو گئے اور سفاح کے غلام روزانہ آ کے پلٹ جاتے تھے

یہاں تک کہ تیسرے چوتھے دن انہوں نے پکڑ پایا۔ اور کہا "چلو امیر المومنین بلاتے ہیں کئی دن سے کہاں بھاگے ہوئے تھے کہ ہم روز آ آ کے پلٹ جاتے ہیں"۔ مگر اب خالد کا خون خشک تھا۔ اور موت کا یقین تھا مارے باندھے سفاح کے دربار میں پہنچے۔ سفاح تنہا تھا۔ مگر اس کے پیچھے ایک کھڑکی میں ایک باریک زرنگار پردہ پڑا ہوا تھا جس کے ادھر کچھ حرکت بھی محسوس ہوتی تھی۔ خالد دل میں سمجھ گیا کہ بادشاہ کے پیچھے بادشاہی بیگم بھی موجود ہیں۔ سفاح نے صورت دیکھتے ہی کہا "تین دن سے کہاں تھے؟" عرض کیا حضور غلام بیمار رہا ورنہ ضرور حاضر ہوتا سفاح نے کہا "پچھلی صحبت میں تم نے حسین وپری جمال عورتوں کی کچھ ایسی صفتیں بیان کی تھیں جیسی میں نے کبھی نہیں سنی تھیں تمہاری ان باتوں میں مجھے بڑا مزہ آیا تھا جو اس وقت تک یاد ہے۔ ذرا ان باتوں کو پھر میرے سامنے بیان کرو"۔ خالد نے کہا "بہتر میں نے عرض کیا تھا کہ جس کسی نے ایک بی بی کے ہوتے دوسری بی بی کی ضرر ہی اٹھایا"۔ سفاح نے برہم ہو کے کہا "ہائیں! یہ تم نے کب کہا تھا؟" خالد "حضور خدا کی قسم یہی۔ اور عرض کیا تھا کہ تین بی بیوں کا گھر بس ایک پتیلی ہے جو برابر ابلے جاتی ہے۔ یہ سنتے ہی بگڑ کے ابو العباس بولا "خدا کی قسم تو نے یہ نہیں کہا تھا۔ اگر یہ کہا ہو تو میں قرابت رسول اللہ صلعم سے محروم ہوں"۔ خالد "اور حضور میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ چار بی بیاں شوہر کے لیے صریح آفت ہیں۔ اسے بوڑھا اور پیر فانی بنا دیتی ہیں۔ اور بیمار ڈال دیتی ہیں"۔ سفاح (جوش اضطراب سے) "خدا کی قسم میں نے یہ باتیں کبھی سنی ہی نہیں نہ تجھ سے اور نہ کسی اور سے"۔ خالد "جی خداوند میں نے تو یہی عرض کیا تھا"۔ سفاح "ارے کمبخت میرے منہ پر جھوٹ بولتا ہے"۔ خالد (چلا کے) "تو کیا حضور میری جان لینا چاہتے ہیں؟"۔ سفاح "دونو نے کہا تھا کہ ایسی ایسی حسین عورتیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (خالد بات کاٹ کے) "جی ہاں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ حرم کی دوشیزہ لونڈیاں ایسی سنڈیاں ہیں کہ عورت ہونا کیسا یہ تو سو امرد ہیں ان کو عورت ہو سکنے میں بس ایسا ہی باتوں کی کسر رہ گئی ہے"۔ خالد کے اس فقرہ پر پردے کے پیچھے سے ایک قہقہہ کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی خالد نے کہا "اور حضور میں نے یہ نہیں

عرض کیا تھا کہ "بنی مخزوم قریش کا پھول ہیں۔ اور آپ کے پاس تو ساری پھولوں سے چنا ہوا ایک اعلیٰ درجہ کا خوشرنگ و شاداب مہکتا ہوا پھول موجود ہے اور باوجود اس کے آپ دوسری آزاد بہو بیٹیوں اور لونڈیوں پر نظر ڈالتے ہیں؟" میرے اس جملہ کے ختم ہوتے ہی پردہ سے آواز آئی ہے بیشک تم نے امیر المومنین سے یہی کہا ہوگا۔ مگر انہوں نے اس کے عوض اپنے دل سے نئی نئی باتیں اپنی ہوس کے مطابق بنا لیں اور انہیں تمہاری جانب منسوب کر دیا۔" اب ام سلمہ تو پردہ کے پیچھے بیٹھی ہنس رہی تھی۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ خالد کو گالیاں دے رہا تھا۔ "خدا تجھے غارت کرے! خدا تجھ سے سمجھے!" اسے برہم دیکھ کے خالد سامنے سے کھسک گیا۔ خلیفہ کے سامنے جاتے وقت تو اُسے موت کا یقین تھا۔ مگر واپسی میں ام سلمہ کی مہربانی سے زندگی کی امید پیدا ہو گئی گھر پہنچا ہی تھا کہ ام سلمہ کے خدام جو پہلے اسکے زد و کوب کے لیئے آئے تھے حاضر ہوئے اسے بادشاہ بیگم کی مہربانی کا یقین دلایا۔ اور دس ہزار درہم خلعت کی ایک کشتی۔ اور بڑے قد و قامت کا گھوڑا اور ایک غلام ملکہ جہاں کی طرف سے اس کے حوالہ کیا۔ اور واپس گئے۔

پھر اسکے بعد نہ کبھی کسی کو سفاح کے بہکانے کی جرأت ہوئی اور نہ خود اُسے کسی دوسری عورت کا خیال آیا۔ زندگی بھر اپنی پرانی بی بی ام سلمہ سے نباہی۔ اور اُس کا ویسا ہی تابع فرمان بنا رہا جیسا کہ پہلے تھا۔

سمی رامیس

ملکۂ بابل

بابل کی نسبت تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگلی دنیا کا کوئی شہر اسکی عظمت و شان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جب ساری دنیا پر وحشت برس رہی تھی اور تمدن و تہذیب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس وقت دریائے فرات کے کنارے اس شہر کی رونق اور چہل پہل سنفہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہ توراۃ میں وہ ساری شہروں کی ملکہ بتایا گیا ہے۔ اور سچ یہ ہے

کہ صدہا عجیب و غریب اور بارونق عمارتوں نے زیور کا کام دے کے اسی واقعی دُلہن بنا دیا تھا۔ اسکا پہلا آباد کرنے والا اگرچہ نمرود بتایا گیا ہے جس کی بدولت حضرت ابراہیم نے وطن ترک کیا اور جس نے پہلے پہل شاہی اور سلطنت کی بنیاد ڈالی مگر اس شہر کو اصلی عروج جس کی کوششوں سے حاصل ہوا اور جسکی خوش سلیقگی کے طفیل میں اُسے "ملکہ" اور "دُلہن" کے لقب دئے جاتے ہیں۔ یہی ملکہ سمی رامیس تھی جس کا نام آج ہماری کتاب کا زیب عنوان ہے۔ اور جس کے حالات ہم تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں سمی رامیس نے بابل کو ایسا سنوارا اور سجایا تھا کہ تمام عالم کے شہروں نے اُس کے عظمت و جلال اور اُس کی خوش نمائی و زینت کے آگے ادب سے سر جھکا دئے اور بابل کے جس کنوئیں میں ہاروت و ماروت کے سے فرشتے پھنس کے رہگئے کوئی تعجب نہیں کہ وہ اسی پری جمال ملکہ کا چاہ غبغب ہو۔ بابل کی خوشنمائی اور رونق کی داستانیں اسباب کا ثبوت دے رہی ہیں کہ کسی چیز کے بنانے سنوارنے اور آراستہ کرنے میں عورت کا سلیقہ مردوں سے کسقدر بڑھا ہوا ہے۔

سمی رامیس ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۷۰۰ سال پیشتر اور حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو آزاد کرا کے مصر سے نکالے ہیں اُسکے ۱۰۰ سال بعد تھی۔ اور حضرت سلیمان کی شان و شوکت اور بیت المقدس کی تعمیر سے ۸۴۲ سال پہلے دنیا سمی رامیس کے اوج و عروج اور جاہ و جلال کا تماشا دیکھ چکی تھی۔ بابل جس مملکت کا پایۂ تخت تھا وہ اشوریا یا انگریزوں کے تلفظ کے مطابق اسیریا کہلاتا ہے اور جو قوم اس ملک میں آباد تھی اور جس نے دنیا میں سب سے پہلے تہذیب و تمدن کے کرشمے دکھائے بنی سام میں سے تھی یعنی وہ لوگ سارے عربوں اور اسرائیلیوں کے اور ہمارے بنی اعمام تھے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا عروج بھی ہمارے ہی گزشتہ عروج کی ایک پُرلطف داستان ہے۔ ملک اشوریا کا قائم مقام فی الحال الجزیرہ کہلاتا ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ اور دولت عثمانیہ کی قلمرو میں شامل ہے۔ اس ملک میں اسی قوم کی ایک اور ملکہ بھی گزری ہے جو نی طو قریش کے نام سے مشہور تھی اُسنے بھی بابل کی رونق بہت بڑھائی مگر سمی رامیس

اُس سے پانچ پشت پہلے سریر آرائے سلطنت تھی۔ اور اُسکی سطوت و جبروت سے دنیا کانپ رہی تھی۔

سمی رامیس کے حالات قدامت کے دھندلکے میں پڑکے ایسے مشتبہ ہوگئے ہیں کہ اُسکے واقعات میں سے بہت سی باتوں کی نسبت موجودہ مورخین کو شبہات پیدا ہوگئے ہیں۔ مگر یونانی مورخ ہیرودوطوس اور قطی سیاس نے اُسکے کارنامے بڑی تفصیل سے اور شرح و لبسط کے ساتھہ بیان کئے ہیں گو دونوں کے بیان میں اتنا اختلاف ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہیرودوطوس کی سمی رامیس اور ہے اور قطی سیاس کی سمی رامیس اور۔ سمی رامیس سے پہلے اُسکا شوہر نی نوس اشوریا والونکا تاجدار تھا جب وہ مرا تو اگرچہ اُس کا بیٹا نی نیاس موجود تھا۔ جو خود سمی رامیس کے بطن سے تھا مگر اُسے نابالغ و ناتجربہ کار دیکھہ کے سمی رامیس نے تاج شہنشاہی خود اپنے سر پر رکھہ لیا۔ اور یہ نہیں کیا کہ بیٹے کو تخت نشین کرکے خود اُسکی جانب سے انتظام کرتی بلکہ بیٹے کو محروم کرکے اور تاج شہریاری کو اپنے سر سے زینت دیکے عنان حکمرانی اپنے ہاتھہ میں لے لی۔

وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال بتائی جاتی ہے مگر مورخین یونان کا بیان اگر صحیح ہے تو اُسکا حسن عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ نہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے شباب کے جوش اور جوانی کی عشرت پرستیوں نے عشق بازی و ناز آفرینی کے عجیب عجیب کرشمے دکھائے مگر اس اخلاقی عیب کے ساتھہ وہ بڑی عقلمند زبردست۔ مدبر نہایت ہی خوش سلیقہ بہت بڑی دلیر و شجاع اور حد درجے کی اولوالعزم و حوصلہ تھی اگر نظام مملکت میں وہ اپنے حسن تدبیر کا ثبوت دیتی تھی تو عرصۂ نبرد میں بڑے بڑے زبردست حملہ آوروں سے زیادہ بہادر اور شجاع ثابت ہوتی تھی جشن طرب اور بزم عیش میں وہ اپنی نفاست مزاجی اور خوش سلیقگی کے کمالات ظاہر کرتی تھی تو شہر کی ترقی اور عالیشان عمارتوں کی تعمیر میں اپنی خوش مذاقی و بلند حوصلگی کے ثبوت دیتی تھی۔ اُسکے شوہر نے اور خود اُس نے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زور شور اور جوش و خروش سے فوج کشی کرکے اشوریا کے پرانے دار السلطنت شہر نینوا کو تباہ و برباد اور

مغلوب و مقہور کر دیا۔ اور شوہر کے مرنے کے بعد فتحمندی و حملہ آوری کا سلسلہ جاری رکھنے کے ساتھ ہی اُس نے شہر بابل کی آراستگی شروع کی جسمیں اُس کے حسن کی کرشمہ سازیوں کا اتنا اثر تھا کہ دُنیا بھر میں بابل کے جادو کی شہرت تھی اور سحر بابل آج تک مشہور ہے۔ اور کوئی تعجب کی بات نہیں اگر سحر بابل کی ابتدا اسی رانی کی نرگس فتاں اور ساحرانہ نگاہ ناز ہی سے پڑی ہو۔

اور سچ یہ ہے کہ بابل میں سمی رامیس نے جو عمارتیں بنوائیں ایسی حیرت انگیز تھیں کہ ان کا خیال کرنے سے بھی ایک پُر اسرار جادو کا کارخانہ خیال کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ چیزیں انسانی قوت سے باہر ہیں مثلاً اُس نے بابل کے گرد جو شہر پناہ بنوائی اتنی بڑی اتنی بلند اور ایسی مضبوط تھی کہ زمانہ اُسپر قیامت تک حیرت کرتا رہیگا۔ دریائے فرات بابل کے بیچ میں سے ہو کے بہا تھا جس کی وجہ سے آدھا شہر اُسکے مشرقی کناروں پہ تھا اور آدھا مغربی کناروں پہ۔ یہ شہر پناہ دونوں حصوں کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھی۔ یہ شہر پناہ مربع تھی۔ اور اُسکا پورا دور ۶۰ میل کا تھا جسکا ہر ضلع یا رُخ ۱۵ میل کا تھا۔ اور ۲۲۵ مربع میل زمین اُسکے رقبہ میں آگئی تھی اس رقبہ ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر ہی نہیں بلکہ گویا پورے ایک ضلع کے گرد ایک زبردست حصار کھینچ دیا گیا تھا اور چاروں طرف سے قلعہ بندی کر دی گئی تھی جسکے اندر عالیشان قصر ایوان اور بڑے بڑے یگانہ روزگار مندروں کے علاوہ پھل لانیوالے باغ نزہت بخش چمن۔ سرسبز مرغزار اور لہلہاتے ہوئے کھیت بھی جابجا موجود تھے فصیل کی دیوار بھی کوئی معمولی دیوار نہ تھی۔ اُسکا آثار ۹۰ فٹ کا تھا۔ اور ۳۵۰ فٹ بلند بتائی جاتی ہے اسکی بلندی پہ برابر برابر تین رتھیں سہولت کے ساتھ دوڑ سکتی تھیں یکساں فاصلہ پر تانبے کے سو پھاٹک قائم کئے گئے تھے جن پر ٹھوس برنجی پٹ چڑھے ہوئے تھے۔ شہر کے ہر پہلو پہ پچیس پچیس پھاٹک تھے۔ جتنے سڑکیں نکل کے بخط مستقیم ان کے مقابل و محاذی پھاٹکوں تک چلی گئی تھیں اور چونکہ ان سڑکوں کے تقاطع سے شہر کے اندر برابر کے مربع قطعات پیدا ہو گئے تھے لہذا یوں سمجھنا چاہیے

کہ شہر کے اندر ۱۳۴ جدا جدا کوارٹر اور حلقہ بن گئے تھے۔ شہر پناہ کے اوپر برابر کی مسافت سے نہایت ہی خوشنمائی و تناسب کے ساتھ ۲۵۰ عالیشان برج بنائے گئے تھے جنمیں رات بھر پھرے والے پہرہ دیتے اور شہر پناہ پر فوج گشت لگاتی رہتی۔

دونوں ناکے جہاں سے دریائے فرات شہر میں داخل ہوا اور نکلا تھا وہ بھی بڑے بھاری زبردست پھاٹکوں سے محفوظ کئے گئے تھے۔ یہ پھاٹک جو دریا کی سطح پر پھیلتے ڈوبتے تھے یعنی جب کھولے جاتے تو ٹوٹ کے اور تہ ہو کے کناروں پر سمٹ آتے۔ اور جب راستہ روکنے کے لئے پھیلائے جاتے تو سارے دریا کے پاٹ کو باہر کی آمدرفت سے روک دیتے۔ دریا کے کنارے کنارے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عمارہ اور مضبوط پشتے بنائے گئے تھے اور جہاں دریا سڑکوں کو قطع کرتا وہاں سڑکوں کا سلسلہ قائم رکھنے کیلئے پل بنا دئے گئے تھے اور کہتے ہیں کہ ایک راستہ دریا کے نیچے سے بھی کھود کے اس پار نکال دیا گیا تھا یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اور ایسی حیرت انگیز شہر پناہ اور ان پلوں کا بنانا کوئی معمولی کام نہ تھا اور باوجود اتنی ترقی علم و فن کے آج بھی دنیا کوئی ایسا شہر نہیں تعمیر کر سکتی ہے۔ اگرچہ لندن والے اپنے شہر کو اس عہد کا بابل کہتے ہیں مگر بابل کے جو حالات تاریخ کے صفحات پر نظر آتے ہیں ان سے لندن کو بھی کوئی نسبت نہیں

شہر کے عین وسط میں بعل کا مندر تھا جسکا مربع رقبہ ۳۲ ایکڑ زمین پر حاوی تھا اسکے ہر کونے پر ایک برج تھا۔ اور چونکہ ستارہ پرستی ان لوگوں کا اصلی مذہب تھا۔ لہذا ہر برج میں تلے اوپر سات طبقے تھے جو ساتوں سیاروں کے سات حرم یا سات دربار تصور کئے جاتے اور ہر سیارے کا رنگ بھی الگ الگ معین کر دیا گیا تھا سنہرا رنگ سورج کا تھا روپہلا چاند کا نیلگوں مشتری کا سیاہ زحل کا۔ نارنجی عطارد کا آبی زہرہ کا اور سرخ مریخ کا سب سے پہلا طبقہ جو زمین سے قریب تر تھا زحل کا دربار قرار دیا گیا تھا جسمیں ہر در و دیوار پر کالا رنگ پھرا تھا۔ اور زحل کے تمام علامات و شعار یہاں لا کے جمع کئے گئے تھے اس کے اوپر والے طبقہ میں عطارد کا دربار تھا۔ جہاں ہر طرف نارنجی رنگ تھا اسکے اوپر مریخ کا دربار تھا جسمیں ہر چیز سرخ تھی۔ اس کے اوپر سورج کا دربار تھا جہاں در و دیوار پر

سونا بھرا تھا اسکے اوپر زہرہ کا دربار تھا جہاں ہر چیز زرد بسنتی تھی اسکے اوپر مشتری کا دربار تھا جہاں در و دیوار اور ہر چیز نیلگون تھی۔ اور سب کے اوپر چاند کا دربار تھا جہاں کے در و دیوار نقرہ تھے اور چونکہ مختلف رنگ ان برجوں پر باہر کیطرف بھی پھیرے ہوئے تھے لہذا ان پرلطف رنگ آمیزیوں سے ان برجوں میں قوس قزح کی سی رعنائی پیدا کر دی گئی تھی

اسیطرح کا ایک بہت بڑا عظیم الشان مندر بخیوں بیچ میں بھی تھا جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لمبا چوڑا تھا۔ اس عالیشان مندر کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں آج تک اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہو سکی مصر کے اہرام میں سے جو ہرم سب سے زیادہ بلند ہے یہ برج اس سے بھی اونچا تھا یہی وہ برج ہے جو "برج بابل" یا "تل نمرود" کے نام سے مشہور ہے اسمیں ویسے ہی طبقے ویسے ہی ستاروں کے نام کے دربار اور ویسے ہی رنگ تھے جیسے کہ چاروں کونوں کے چاروں معبدوں میں بنائے گئے فرق اتنا تھا کہ یہاں کی ہر چیز بہت بڑے پیمانہ پر تھی۔

یونانی مورخ ہیرودطوس نے اس برج کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ عمارت تقریباً ۶۰۰ فٹ بلند تھی جسمیں ایکدوسرے سے ملحق اور اسی کے اوپر لگاتار سات برج بنتے چلے گئے تھے۔ ہر برج کی بلندی ۷۰ فٹ کی تھی۔ دوسرا برج جو اسکے اوپر تھا وہ اس سے ۷۰ فٹ بلند تھا اسیطرح ساتوں برج ایک دوسرے سے ۷۰ فٹ بلند ہوتے تھے ۵۲۵ فٹ کی بلندی تک پہونچ گئے تھے۔ پھر اسکی چوٹی پر بعل کا مندر تھا جہاں ایک ۴۰ فٹ کی لمبی خالص سونے کی ٹھوس مورت قائم تھی اس کے پاس سونے کی ایک میز اور کرسی اتنی بڑی تھی کہ اسکی قیمت کا اندازہ ساڑھے بائیس کروڑ پونڈ کا کیا جاتا ہے۔ اس بالائی معبد میں دو قربان گاہیں تھیں جن میں سے ایک سونے کی تھی اور یہاں خاص پرستش کے دنوں اور عیدوں کے موقع پر خون عود و لوبان سلگایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی رانیس نے اور بہت سے قصر و ایوان تعمیر کرائے اور سب سے زیادہ کمال یہ کیا کہ شہر کے متصل ایسے عمدہ اور پختہ تالاب بنوائے اور دریا سے کاٹ کے ایسی نہریں نکالیں جنسے ایکطرف تو ملک کی زراعت کو بے انتہا ترقی ہوئی اور دوسری طرف شہر والوں

کو دریا کی طغیانی سے بالکل اطمینان ہوگیا۔ ادھر فرات میں سیلاب آتا اور ادھر ان نالوں
اور نہروں میں پانی کے کم ہو جانے کی وجہ سے طغیانی کا سارا زور ٹوٹ جاتا اور خاص
دارالسلطنت کے علاوہ اپنی قلمرو میں بھی اس نے بہت سے بڑے بڑے کام کئے جن سے
ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دشواری اس کی ہمت اور حوصلہ کے آگے آسان تھی کہیں پہاڑوں کو کاٹ
کے میدان کر دیا۔ کہیں نہریں جاری کیں اور کہیں بڑے بڑے محل تعمیر کرائے۔

لیکن ان عمارتوں اور بڑے بڑے کاموں کو دیکھ کے حیرت معلوم ہوتی ہے کہ کبھی اس
کو کیونکر فرصت مل گئی کہ اس نے میڈیا والوں۔ فارسیوں۔ لیبیا والوں۔ اہل حبشہ
اور ملک مصر پر چڑھائیاں کیں جن میں وہ لاکھوں خلقت کو اپنے ہمراہ رکاب لے کے
گئی اور کامیاب بامراد و غانم و سالم واپس آئی۔ آخر میں اس نے ہندوستان کی یہ
عظمت و قوت اور یہاں کی دولت و حشمت کا شہرہ سنا۔ اور فوج لے کے آمادہ ہو گئی
کہ اس ملک کو بھی فتح کر کے اپنے قلمرو میں شامل کر لے۔ اور یہی مہم اس کے زوال کا
باعث ہوئی ع قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔

جب ایسے زبردست لشکر لے کے وہ ہندوستان کی مہم پر روانہ ہو چکی تو اس کے سرداران
فوج نے عرض کیا کہ ہندوستان کے راجاؤں کے پاس بڑے بڑے ہاتھی ہیں جو دم
بھر میں ہزاروں آدمیوں کو پامال کر ڈالتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کی پیٹھ پر سے تیر اندازی
کرتے ہیں ان تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ حضور وہاں چلتی تو ہیں مگر ان ہاتھیوں سے
بچنے کی کون تدبیر سوچی ہے؟" ملکہ نے اس آفت سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ
تین ہزار کالے بیلوں کو ذبح کر کے ان کی کھالیں کھچوائیں اور ان کھالوں کو جوڑ جوڑ
کے بہت سے ہاتھیوں کی صورت کے خول بنوائے جو اونٹوں کو پہنا دئے گئے اس
طریقہ سے وہ اونٹوں کو ہاتھی بنا کے میدان میں لائی۔ اور خوش تھی کہ دشمن ان مصنوعی
ہاتھیوں کو دیکھ کے ڈر جائیں گے اور سمجھیں گے کہ ان کے زبردست حریف کے لشکر
میں بھی بڑے بڑے ہاتھی موجود ہیں۔

لڑائی کے شروع ہوتے ہی ہندوستان کے راجہ نے اپنے اصلی ہاتھیوں کے غول کا ریلا

لے کے حملہ کیا۔ اور اوہر سے سمی رامیس اپنے مصنوعی ہاتھیوں اور بہادر سواروں کو
لیکے بڑہی جب دونوں لشکر بالگئے اور جنگ مغلوبہ ہو رہی تھی سمی رامیس کی فوجکے کسی
ہاتھی کے کچل جانے اور اونٹ کے بلبلاکے بہاگنے سے سنادر راجہ کو اشور یا والوں کے
ہاتھیوں کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور سمی رامیس کا سارا فریب کھل گیا اس راز کے
فاش ہوتے ہی راجہ نے اپنے ہاتھی ریل دئے جنہوں نے اشوریا والوں کے مصنوعی ہاتھیوں
کو دم بھر میں کچل کے رکہدیا۔ اور سارے اونٹ جو ہاتھیوں کے غلاف میں تھے بلبلاتے ہوئے
بھاگے۔ ان کا بہاگنا تہا کہ اہل بابل کو شکست ہوگئی ہاتھیوں سے ڈر ڈر کے بدحواس
بھاگے یہ دیکھ کے ملکہ سمی رامیس نبرد آزمائی کے لئے بڑہی اور میدان جنگ میں آکے بڑی
بہادری سے لڑی۔ مگر اسکو کیا کرتی کہ تقدیر ہی سر خلاف تھی آخر اسی بھی سر سے پاؤں تک
بہت سے زخموں سے چور ہوگئے اور گئی کاری زخم کھاکے میدان چھوڑنا پڑا۔ بابلی لشکر کا
زیادہ حصہ قتل ہوا۔ بہت سے بہاگتے میں مارے گئے۔ اور سارا لشکر تباہ و برباد ہو
گیا سمی رامیس کا گھوڑا چونکہ بہت ہی تیز دم تہا لہذا راہوار تیز پا کی بدولت جان بچاکے
اس بازار مرگ سے نکل آئی۔ اور بازی ہارکے ناکام و نامراد اپنے دار السلطنت بابل
میں پہونچی۔ مگر دل شکستہ اور ملول و حزین کیونکہ شکست و نامرادی سے اُسے اپنی
زندگی میں یہی پہلا سابقہ پڑا تہا۔ دوسری طرف زخموں نے بھی ہیجان کر رکہا تہا ان سب
باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ گھر پہونچتے ہی دنیا ترک کرکے گوشہ نشین ہوگئی۔

بابل کی اکثر باتیں مشتبہ تہیں منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے مذہب
میں نفس کشی یا جنت اور جسم کو آزار پہونچانے کا بہت رواج تہا۔ بت خانہ کے متعلق ایک
بڑا بہاری خفیہ تہ خانہ تہا جس کی ویسی ہی حالت تھی جیسی کہ قرون وسطی میں نفوں کی خانقاہوں
کی تھی یعنی اس کے راز نہ کہلنے پاتے۔ اور جہاں بہت سی عورتیں زبردستی بھی بھیجدی
جاتیں جنکو سزا دینا یا آزار پہنچانا منظور ہوتا۔ بت خانہ کے پوجاری اور کاہن وہاں
ساری دنیا کی نظر سے چھپاکے انہیں ہر طرح طرح کے مظالم کرتے۔ سمی رامیس بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اسی تہ خانہ میں چہلی گئی . . . . . جس میں بہت ہی کم لوگ جاکے واپس آیا

کرتے تھے اس تہ خانہ کی بانی بھی سمی رامیس ہی تھی جس نے بہنوں کو سزا دینے کے طریقہ سے
اس تہ خانہ میں بھیج کے دنیا سے ناپید کر دیا تھا اور آخر خود بھی آپ ہی اسمیں چلی گئی۔

اسکے بعد عنان حکومت اس کے بیٹے نی نیاس کے ہاتھ میں آئی جس کے دل میں ماں
کیطرف سے بغض بھرا تھا چنانچہ تخت پر قدم رکھتے ہی اس نے کاہنوں اور مقتداؤں سے
سازش کر کے سمی رامیس کو قتل کروڈالا لیکن اس پر اس مخفی مقام میں چاہے جتنا بڑا
ظلم ہوا ہو اور جسطرح قتل کی گئی ہو مگر اشوریا والوں کے دلوں پر اس کی عظمت کا جو سکہ
جما ہوا تھا اس نے غیبت کیساتھ ہی اسے اپنی قوم میں دیوی اور مظہر عظمت آلہی تسلیم
کرا دیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی تناسخ کے قائل تھے۔ چنانچہ مقتدایان دین صابی
نے لوگوں کو باور کرا دیا کہ سمی رامیس نے انسانی جسم چھوڑنے کے بعد اپنے حسن و جمال
کی رعایت سے ایک کبوتری کی صورت اختیار کر لی ہے اسی بنا پر اس کے نام سے خوبصورت
کبوتری کی مورت بنا کے بت خانوں میں رکھی گئی۔ در و دیوار پر بھی اسی کبوتری کی
تصویریں بنائی گئی اور دھڑلے سے اسکی پرستش کیجانے لگی۔

کہا جاتا ہے کہ جوپیٹر آموں نے جسکا بڑا مندر ریلبندی مصر میں تھا ایک فال کے ذریعہ
سے یہ پیشن گوئی کر دی تھی کہ سمی رامیس کو جب ناکامی ہوگی اسوقت وہ دنیا سے
غائب ہو جائے گی۔ اور وہی ہوا

مورخین کا بیان ہے کہ وہ ۶۲ سال کی ہو کے مری۔ اور ۴۲ سال تک تخت شہنشاہی
پر جلوہ افروز ہو کے حکمرانی کرتی رہی یعنی جب تاج شاہی سر پر رکھا ہے اسوقت اسکی
عمر بیس برس کی تھی۔ جوشِ جوانی کا وقت تھا۔ اور اسکی نوعمری کی بیوگی نے اگر اسمیں
بعض قسم کی بے اعتدالیاں پیدا کر دی ہوں تو کیا عجب ہے؟

ارین کا شہر وان ارمینوں میں سمی رامیس کا شہرہ کہلاتا ہے۔ جہاں بعض پتھروں
میں ایسے کتبے برآمد ہوئے ہیں جنمیں سمی رامیس حالات لکھے ہوئے ہیں۔

ملکہ استیر اسرائیلیہ

بخت نصر شاہ بابل جب پوری قوم بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے ارض بابل میں لے گیا اور فرعون مصر کے جور و ستم سے نجات پانیکے بعد خدا کی اس منتخب قوم کو دوبارہ اسیری و غلامی کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا ہے تو وہاں انہیں انقلابات سلطنت اور مختلف تاجداروں کے اختلاف مذاق سے عجیب عجیب واقعات پیش آئے۔ اہل بابل کے مغلوب اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تباہ ہونے کے بعد بھی اگرچہ ایک مدت تک یہود کو آزادی نہیں نصیب ہوئی۔ مگر ان دنوں اس اسیری ہی میں کبھی کبھی اُن کا ستارہ اقبال چمک بھی جایا کرتا تھا انہیں خوش اقبالی کے واقعات میں سے ایک حسین و پری وش اسرائیلیہ لڑکی استیر کا واقعہ ہے جو سچ یہ ہے کہ اپنے حسن و جمال اور اپنی دلفریب پیاری پیاری صورت کی بدولت خود ہی اپنی قوم کا ستارہ اقبال بن گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے دلفریب چہرے میں جیسی نزاکت و نازنینی تھی ویسی اُس کے دل میں نہ تھی کیونکہ اُس نے اپنے حسن کی کرشمہ سازیوں سے فقط اپنی قوم کے بچانے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہزارہا مخالفت کو قومی بغض کے جوش میں قتل کرا دیا۔

اس کی داستان جو کتاب مقدس توراۃ (عہدنامہ قدیم) میں درج ہے یہ ہے کہ جب شہنشاہ خشویرش (جو تاجداران فارس میں تھا) سریر آرائے سلطنت ہوا اور اُسکا حکم حدود ہند سے لے کے سواحل بحیرۂ روم تک جاری ہو گیا تو اپنی تخت نشینی کے تیسرے سال اُسنے ایک بڑا بھاری جشن منایا اور تمام امرا و معززین کو دور دور سے بلا کے خاص اپنے دار السلطنت شوشن میں ٹھہرایا۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی دعوت کی۔ اس جشن کے لیے بڑے بڑے سامان کیے گئے۔ جا بجا باغوں اور چمنوں میں پرتکلف فرش اور نقرہ و طلائی تخت بچھائے گئے جر پر وا اطلس کے پردے لٹکائے گئے۔ اور سونے چاندی کے برتنوں میں تمام شاہی مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ شراب پلائی گئی۔ شراب کی یہ کثرت تھی کہ گویا مئے ارغوانی کی سبیلیں لگا دی گئیں باہر شہنشاہ نے مرد مہمانوں کی اور محل میں اس کی مشہور ملکہ آفاق وشتی ملکہ نے عورتوں کی مہمان نوازی کی۔ اور انہیں انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا

جشن شروع ہوئے ساتویں دن اخشویرش نے جبکہ نشۂ شراب سے مخمور تھا اور جوش سرور زوروں پر تھا خواجہ سراؤں کو بلا کے حکم دیا کہ وشتی ملکہ سے کہو کہ پر تکلف لباس پہن کے اور تاج شاہی سر پر رکھ کے یہاں مردانے دربار میں آئے اور میرے برابر جلوہ افروز ہو کے میری رعایا کو اپنا جمال جہاں آرا دکھائے۔ خواجہ سراؤں نے بادشاہ کا یہ حکم ملکہ کو پہونچایا تو اس نے اس مجمع عام میں آنے سے انکار کیا جس پر شہنشاہ اخشویرش نہایت برافروختہ ہوا اور اپنے مشیروں اور ساتوں معزز نمبروں سے جو فارس کے رئیس تھے مشورہ طلب کیا کہ اس نافرمان ملکہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟ وزیر اعظم مموکان نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ "ملکہ نے فقط حضور کی نافرمانی نہیں کی بلکہ ایک بڑا بھاری قومی گناہ کیا ہے۔ اس کی نافرمانی کی خبر گھر گھر مشہور ہو گی اور تمام عورتیں یہ دیکھ کے کہ بادشاہ کی ملکہ انکا کہنا نہیں مانتی اپنے شوہروں کی نافرمانی کرنے لگیں گی۔ اور سارے شوہر اپنی جوروں کی نظر میں حقیر ہو جائیں گے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اس رتبہ سے کہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہیں محروم کر دی جائیں اور یہ مرتبۂ اعلیٰ کسی اور ایسی خاتون کو دیا جائے جو حضور کی فرمانبرداری کرے اور پھر اُسے دیکھ کے ساری مملکت کی عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت گزار بنیں"۔ یہ رائے بادشاہ نے پسند کی۔ اسی پر عمل ہوا۔ اور وشتی ملکہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہونے کے درجہ سے محروم کر دی گئی۔

اب بادشاہ کے لیے کسی نئی حسینہ کی تلاش شروع ہوئی بادشاہی غلاموں کی تحریک پر ساری قلمرو میں حکم جاری ہو گیا کہ ہر جگہ حسین اور کنواری لڑکیاں جمع کیجائیں اور ان میں سے جو ماہ رو نگار عورتیں منتخب ہوں وہ لا کے ایوان شہریاری میں شاہی خواجہ سراؤں کے زیر نگرانی رکھی جائیں تاکہ وہ انہیں بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرنے کے قابل بنائیں۔ بادشاہ کی خلوت میں پیش ہونے کے لیے ضرور تھا کہ ہر ایک حسینہ ایک سال تک خواجہ سراؤں کے زیر اہتمام رہے جسے چھ مہینے تک مر اور لوبان اور عود وغیرہ کی دھونی دیجاتی اور چھ مہینے تک اُس کے بدن سے میں عود اور اگر اور دوسری

خوشبودار چیزوں کے تیل بٹنے اور عطر ملے جاتے۔

الغرض سارے ملک سے آٹھ جادو نگاہ اور سرو قامت دلربائیں حسن کے بادشاہ کیلئے رکھی گئیں۔ انہی میں ایک استیر بھی تھی جس کی اصلیت یہ تھی کہ ارض مقدس سے جو یہودی گرفتار ہو کے بابل میں آئے تھے ان میں مردخائے نام ایک اسرائیلی تھا جو بنیامین کی نسل سے تھا استیر اس کے چچا کی بیٹی تھی۔ جو اپنے ماں باپ کے مر جانے سے مردخائے کی تولیت میں تھی۔ اور مردخائے نے بیٹی بنا کے اُسے ناز و نعم سے پالا تھا حسن و جمال میں دور دور تک اس کا جواب نہ تھا اور یہ حالت تھی کہ جس کی طرف نظر اٹھا کے دیکھ لیتی اسکا شیدا و گرویدہ ہو جاتا مردخائے نے خود ہی استیر کو خواجہ سراؤں کے پاس بھیجا مگر تاکید کر دی کہ خبردار کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں اسرائیلیہ ہوں۔ کیونکہ ممکن تھا کہ وہ منتخب کر کے رکھ نہ لی جاتی خواجہ سراؤں نے اُسے پسند کر کے رکھ لیا اور اس کی تدخلین و تدہین ہونے لگی برس گزرنے کے بعد ان آٹھوں لڑکیوں میں سے ہر ایک بادشاہ کی خلوت سرا میں بھیجی گئی۔ اور صبح کو ناپسند ہو کے نکل گئی استیر کی باری آئی تو بادشاہ اخشویرش دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ اور اسی کو بادشاہ کی محبوبۂ خاص اور ملکۂ آفاق بننے کی عزت دی گئی اسطرح سے اخشویرش کی تخت نشینی کے ساتویں برس استیر اسکی ملکہ بنی ایسی پری جمال اور حور وش نازنین کے ملنے پر بادشاہ نے بڑی خوشیاں کیں جشن منائے۔ لوگوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ استیر نے اب تک کسی کو اپنا اسرائیلیہ ہونا نہیں بتایا تھا۔ مگر ہر امر میں اپنے مربی مردخائے کی مطیع و منقاد تھی اور مردخائے کو بھی اس سے اس قدر محبت تھی کہ اب اس نے بھی بادشاہ کی ڈیوڑھی ہی پر رہنا شروع کر دیا۔

اتفاقاً مردخائے کو شاہی ڈیوڑھی پر پڑے پڑے یہ حال معلوم ہوا کہ بادشاہ کے دو غلام اس کی جان پر حملہ کرنے کی تاک میں ہیں اس کا حال اُسنے استیر کو بتا دیا اور استیر نے جا کے بادشاہ سے عرض کر دیا تحقیقات کی گئی تو ثابت ہو گیا کہ وہ دونوں غلام واقعی ایسا نمک حرامی کی تجویز میں تھے اس جرم کی سزا میں ان دونوں کو سولی دی گئی۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ واقعہ پورا پورا اس کے روزنامچے میں درج کر دیا جائے۔

اس اثنا میں بادشاہ وزرا میں سے اپنے ایک وزیر پر جس کا نام ہامان تھا بہت مہربان ہوا
اسکا تقرب روز بروز بڑھتا گیا۔ اور ساتھ ہی اُس کی عزت و وقعت بھی بڑھائی گئی یہاں
تک کہ عام حکم دیدیا گیا کہ جب وہ قصر شاہی میں آیا کرے تو تمام غلامان شاہی سامنا
ہوتے ہی اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑا کریں۔ سب غلاموں نے اس حکم کی تعمیل
کی مگر مردخائے جو ہمیشہ آتے جاتے وقت ہامان کو بادشاہ کی ڈیوڑھی پر بیٹھا نظر آیا کرتا تھا
کبھی سجدہ نہ کیا۔ بعض غلاموں نے کہا بھی کہ تم سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے جواب دیا کہ
یہ مجھ سے نہ ہوگا کہ ایک مخلوق کے آگے سجدہ کروں۔ غلاموں کا جب مردخائے پر کوئی زور
نہ چلا تو ہامان سے جا کے لگا دی کہ یہ شخص آپ کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے اور ساتھ
ہی یہ بتادیا کہ یہ یہودی ہے ہامان یہ سن کے نہایت برافروختہ ہوا اور ارادہ کیا کہ اُس سے انتقام
لے۔ مگر دل میں کہا کہ اکیلے اس ایک شخص سے بدلہ لیا بھی تو کیا میں اسکی ساری قوم سے بدلہ لونگا
اور اس فکر میں لگا کہ اخشویرش کی سلطنت میں جتنے اسرائیلی ہیں ان سب کو قتل کر ڈالے۔
اخشویرش کی تخت نشینی کے بارہویں سال ہامان نے پوری طرح پتہ لگایا کہ ساری قلمرو
میں کتنے یہودی اور کہاں کہاں آباد ہیں۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں آکے عرض کیا کہ حضور کے
ملک میں ایک سرکش گروہ ہے جو لوگ متفرق و منتشر طور پر جابجا آباد ہیں۔ اور سب کی یہ حالت
ہے کہ احکام شاہی کی بجا آوری میں تامل کرتے ہیں۔ انکا کیش و آئین ان کا طور طریق۔ اور
اُن کے رسم و رواج سب جدا ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ زندہ نہ چھوڑے جائیں اس
لیے حضور کی مرضی ہو تو ان سب لوگوں کے قتل و غارت کا حکم جاری کر دیا جائے تاکہ وہ مطلقاً
فنا کر دی جائیں۔ اور اس کے معاوضہ میں میں دس ہزار وزن (جو اس زمانہ میں مروج ہے)
چاندی ان لوگوں کے ہاتھوں سے جو قتل و غارت کی کارروائی کریں گے خزانہ شاہی میں
داخل کرادوں گا۔" بادشاہ نے وزیر کی یہ درخواست قبول کرلی۔ انگوٹھی اتار کے اُس کے ہاتھ
میں دی اور کہا "یہ میری مہر ہے جو حکم تم کو مناسب معلوم ہو میری جانب سے جاری کر دو۔"
بادشاہ سے منظوری حاصل کرکے ہامان بے انتہا خوش ہوا اور اسی وقت تمام ممالک
محروسہ اور کل اضلاع و اقطاع میں عہدہ داروں والیوں۔ امیروں۔ مرزبانوں اور عملداروں

کے نام فرمان جاری ہوگیا۔ کہ فلاں تاریخ ہر جگہ جتنے اسرائیلی ہوں بلا استثنا مرد و اطفال مع زن و فرزند قتل کر ڈالے جائیں۔ اور اُن کا گھر بار لوٹ لیا جائے خبردار کوئی یہودی زندہ نہ بچنے پائے۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی ہر جگہ تہلکہ پڑ گیا یہود کے دشمن اپنی تلواریں تیز کرنے لگے اور یہودیوں میں ایک عام ماتم بپا ہوگیا۔ ہر جگہ ایک گھبراہٹ اور اضطراب کا عالم طاری تھا۔ ہاں ایک ہامان البتہ بادشاہ کی صحبت خاص میں بیٹھا شراب کے جام لنڈھا رہا تھا۔

مردخائے کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو اُس نے مارے صدمہ کے کپڑے پھاڑ ڈالے سارے بدن پر خاک ملی۔ ایک کھال اوڑھ لی۔ اور وسط شہر میں کھڑے ہو کے چیخیں مار مار کے رویا۔ اور اسی وضع سے شاہی ڈیوڑھی پر آیا جہاں عام حکم تھا کہ جو شخص کھال اوڑھے ہوئے ہو چاہے کوئی ہو اندر نہ آنے پائے۔ مردخائے کی اس حالت کی خبر خواجہ سراؤں نے استیر کو پہنچائی تو وہ نہایت ہی ملول ہوئی اور کپڑے بھیجے کہ ان کی کھال کی پوشاک بدلوا دو۔ جس سے مردخائے نے قطعاً انکار کیا۔ تب استیر نے اپنے رازدار خواجہ سرا ہتاخ کو بھیجا کہ پوچھو "آخر واقعہ کیا ہے"؟ ہتاخ سے مردخائے نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور وہ رقم بتائی جس پر اسرائیلیوں کی جانیں مول لی گئی تھیں۔ اور شاہی فرمان کی ایک نقل بھی بھیج دی کہ استیر خود ہی پڑھ کے معلوم کرے کہ اسرائیلیوں کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اس کے ساتھ کہلا بھیجا کہ "تم بادشاہ کے سامنے جا کے روؤ اور اپنی قوم کو اس عام ہلاکت سے بچاؤ"۔ یہ پیام سُن کے استیر نے کہلا بھیجا "بڑی خرابی تو یہ ہے کہ میں بالکل مجبور ہوں۔ میں ابھی مہینہ بھر تک بادشاہ کے یہاں بلائی نہ جاؤں گی۔ اور وہاں عام قاعدہ یہ ہے کہ چاہے کوئی ہو مرد ہو یا عورت عزیز ہو یا دوست اگر بے بلائے بادشاہ کی خلوت خاص میں چلا جائے تو بلا تامل قتل کر ڈالا جاتا ہے۔ سوا اُس شخص کے جسے خود بادشاہ اپنے سونے کے عصائے شاہی سے اشارہ کر کے اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دے۔ میں بے بلائے جاؤں گی تو جب تک وہ متوجہ ہوں قتل ہو جاؤں گی اس جواب پر مردخائے بہت برہم و آشفتہ ہوا اور کہلا بھیجا "یہ نہ سمجھ کہ اپنی ساری قوم کے قتل ہو جانے کے بعد تو بادشاہ کے محل میں ہونے کے باعث چین سے بیٹھ سکے گی۔ اگر تو نے اس موقع پر قوم کی سفارش کو ٹال دیا

تو بنی اسرائیل تو اس عالم میں پہونچ کے آرام پالیں گے اور سُرور و نجات کا مرتبہ پائیں گے مگر تو
اور تیرا گھرانہ ہلاکت میں پڑ جائے گا اور تیرے دل پر ہمیشہ ایک کوفت رہیگی۔ خدا کی مصلحتوں
کو کون جان سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ اسی دن اور اسی گھڑی کے لئے تجھے اس نے بادشاہ کے
محل میں پہونچایا ہو"۔ یہ سُن کے استیر کے دل میں قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ اور
کہلا بھیجا "اچھا میں قوم کے لئے جان دینے کو تیار ہوں۔ آپ شہر سُوشن کے ساری
اسرائیلیوں کو جمع کر کے حکم دیجئے کہ میری طرف سے سب روزہ رکھیں۔ میں ان کی سفارش
کے لئے بے بلائے بادشاہ کے پاس جاؤں گی۔ اگر مار ڈالی گئی تو مضائقہ نہیں۔ قوم کی
خدمت گزاری میں مروں گی اور جیتی بچی تو شاید خدا میری سُن لے"۔ یہ جواب پا کے مرد
خائے واپس گیا۔ اور کل یہودیوں کو روزہ دعا و استغفار کی ہدایت کر دی۔

جب استیر اور اُس کے ساری قوم نے تین دن تک روزے رکھ لئے تو تیسرے دن
استیر نے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ ہو کے اور اپنے آپ کو خوب بنا چُنا کے بادشاہ
کے اندرونی محل میں قدم رکھا اور اس کمرہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی جسمیں بادشاہ اپنے
تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا اور جہاں سے بادشاہ کا سامنا ہوتا تھا۔ لوگ اُس کے
قتل کے لئے چھپٹنے ہی کو تھے کہ بادشاہ کی نظر پڑ گئی اور جوش محبت سے بیتاب ہو کے
فوراً اپنی سونے کی چھڑی اُس کی طرف اُٹھا دی۔ استیر نے دوڑ کے اس چھڑی کی نوک
کو ادب سے چوم لیا اور مؤدب کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے نہایت ہی محبت کے لہجے میں کہا
"ملکہ استیر کیا چاہتی ہو؟ بتاؤ۔ مانگو گی تو آدھی سلطنت تک دینے کو تیار ہوں"۔ استیر
نے عرض کیا کہ "اور نہیں بس اتنا ہی چاہتی ہوں کہ بادشاہ اور وزیر ہامان آج میری دعوت
قبول فرمائیں"۔ بادشاہ نے فوراً دعوت قبول کی۔ اور اسی وقت ہامان کو بلوا کے ملکہ
کی دعوت میں چلا آیا۔ یہاں جب شراب کے دو ایک جام پیئے اور سرور ہوا تو جام شراب
کو [illegible] لگا کے کہا "ملکہ استیر تمہارا کیا سوال ہے؟ بتاؤ پورا کروں۔ آدھی سلطنت تک
مانگو گی تو دے دوں گا۔ استیر نے عرض کیا "میری تمنا بس یہ ہے کہ کل پھر آپ حضور اور
وزیر ہامان میری دعوت میں شریک ہوں"۔ بادشاہ نے یہ دعوت بھی قبول کی اور

استیر دوسرے دن کی دعوت کے لیئے بڑے بڑے سامان کرنے لگی۔

ہامان خوش خوش یہاں سے نکل کے چلا تھا کہ ڈیوڑھی پر مردخائے کی صورت نظر آئی جس نے نہ اُسے سلام کیا نہ اُس کے سامنے سجدہ کیا یہ دیکھ کے اُس کے دل میں ایک کانٹا سا لگا جو گھر تک کھٹکتا گیا۔ گھر پہونچتے ہی اُس نے اپنی جورو زرش اور اپنے یاران صحبت سے کہا در خدا نے مجھے بہت کچھ دولت و عزت دی ہے۔ اولاد کیطرف سے بھی خوش نصیب ہوں۔ قدر و منزلت کی یہ حالت ہے کہ بادشاہ نے مجھے ملک کے تمام امرا سے زیادہ معزز بنایا یہاں تک کہ دیکھو عالی مرتبہ ملکہ استیر کی دعوت میں بادشاہ کے ساتھ شریک ہونے کی عزت ساری سلطنت میں میرے سوا اور کسی کو نہیں نصیب ہوئی اور کل پھر ملکہ نے کمال الطاف و کرم سے مجھے اور بادشاہ کو اپنے یہاں مدعو کیا ہے۔ مگر یہ سب باتیں اور ساری عزتیں خاک میں ملجاتی ہیں جب دیکھتا ہوں کہ شاہی محل کی ڈیوڑھی پر مردخائے یہودی غرور و نخوت سے بیٹھا ہوا ہے جو نہ میرے سامنے سجدہ کرتا ہے اور نہ مجھے سلام کرتا ہے" میاں کی زبان سے یہ باتیں سن کے زرش بولی "تو تم ایک کام کرو آج ہی ایک پچاس ہاتھ کی لمبی بلّی (ٹھنی) بنوا رکھو اور کل جاتے ہی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنا کہ یہ یہودی ایسا گستاخ اور بے ادب ہے اور حضور سے منظوری لے کے اُسے کل ہی اُس ٹھنی پر سولی دلوانا۔ اور جب اُسے سولی دے چکنا تب خوش خوش جا کے ملکۂ آفاق کی دعوت میں شریک ہونا" ہامان نے یہ تجویز پسند کی اور اُس ٹھنی کو تیار کرا کے لوگوں کو ہدایت کر دی کہ میرے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم اُسے لے کے ایوان شاہی میں آجانا۔

اِدھر آج ہی رات کو بادشاہ اخشویرش کے وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کی نیند اُچاٹ ہو گئی اور جب کسی بات میں دل نہ لگا تو اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ میرا روزنامچہ تو پڑھ کے سُناؤ۔ روزنامچہ سنتے سنتے جب اس واقعہ پر پہونچا کہ دو نمک حرام غلاموں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی مگر مردخائے کی حسن کارگزاری سے اِن کا فریب کھل گیا" تو چونک کے بولا "اس شخص مردخائے کے ساتھ اس کارگزاری کے صلہ میں کیا سلوک کیا گیا؟" لوگوں نے عرض کیا کچھ نہیں یہ بات رات بھر بادشاہ کے خیال میں رہی اور صبح کو بھی اسی فکر میں تھا

کے سامنے سے ہامان نمودار ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی اخشویرش بولا "ہاں تم خوب آئے
بتاؤ کہ جس شخص سے بادشاہ خوش ہو اور اُس کیساتھ احسان کرنا چاہتا ہو اُس کیساتھ
کیا سلوک کیا جائے؟ ہامان نے دل میں کہا کہ میرے سوا بادشاہ اور کس سے خوش ہیں
اور وزیر ہامان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس پر وہ احسان کرنا چاہتے ہیں لہذا جوش مسرت
سے از خود رفتہ ہو کے بولا "خداوند اُسے اپنا ملبوس خاص پہنائیں اپنا تاج اس کے سر پر رکھیں
اپنے خاص گھوڑے پر اُسے سوار کرائیں پھر اُس شان سے اُسے شہر میں نکالیں اور کسی اپنے
مخصوص امیر کو حکم دیں کہ اس کے ہمراہ رکاب رہے اور یہ منادی کرتا جائے کہ جسے حضور بادشاہ
سرفراز کرنا چاہیں یوں سرفراز کرتے ہیں" ہامان کی زبان سے یہ الفاظ سُن کے بادشاہ خشویرش
نے کہا "بہتر۔ میرا لباس تاج اور گھوڑا لے کے ڈیوڑھی پر جاؤ۔ وہاں مردخائے نام ایک یہودی
بیٹھا ہے اُس کو لباس اور تاج پہنا کے اور اُس گھوڑے پر سوار کر کے شہر میں پھراؤ اور تم خود اس
کے ہمراہ رکاب رہ کے منادی کرو کہ جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے یوں کرتا ہے" یہ حکم سنتے ہی
ہامان کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی۔ مگر کیا کر سکتا تھا؟ حکم حاکم مرگ مفاجات! فوراً
شاہی حکم کی تعمیل کی۔

اس کارروائی کے بعد مردخائے تو پھر جا کے بادشاہ کی ڈیوڑھی پر ٹھہر گیا۔ مگر ہامان خون
کے آنسو بہاتا اور اپنے حسد کی آگ میں جلتا بھنتا اپنی بی بی زرش کے پاس پہونچا اور ساری
کیفیت بیان کی۔ اُس نے میاں کو دل شکستہ دیکھ کے کہا "تو تم کڑھتے کیوں ہو؟
ایسا ہی ہے تو اب قتل یہود کے دن تم بنی اسرائیل کی خونریزی کی ابتدا شہر شوشن میں اسی
مردخائے سے کرنا اور اسی دن پر اُسے مصلوب کرنا" میاں بی بیوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی
تھیں کہ شاہی ہرکاروں نے آ کے کہا "آپ کی یاد ہوئی ہے ملکہ آفاق حسین و مہ جبین ملکہ
استیر کی دعوت میں چلئے"

اس پیام سے ہامان کی کسی قدر تشفی ہوئی۔ فوراً درباری کپڑے پہن کے گیا اور
بادشاہ و وزیر دونوں استیر کے محل سرا اور باغ میں جا کے کھانے پینے میں مصروف ہوئے۔
بادشاہ آج بہت ہی خوش اور شادمان تھا اور ملکہ استیر کے حسن نے اُس کو از خود رفتہ

بنا رکھا تھا۔ جام شراب کو منہ سے لگاتے ہی بولا" نازنین و مہ جبین ملکہ! تیرا کیا سوال ہے؟ کہہ چکا کہ مانگے گی تو آدھی سلطنت تک دے ڈالوں گا" استیر نے ایک ناز آفرینی کی تو ہوش ربا ادا سے زمین ادب چوم کے کہا "اگر مجھ پر حضور کی نظر عنایت ہے تو بس اتنی التجا اور یہی تمنا و آرزو ہے کہ میری جان بخشی ہو اور میرے ساتھ میری قوم کی بھی جان بخشی ہو۔ کیونکہ ہم سب قتل و غارت کے لئے بیچ ڈالے گئے ہیں اور دو تین روز میں ہم سب قتل ہو جائیں گے کاش اتنا ہی ہوتا کہ ہم لوگ بیچ کے لونڈی غلام بنائے جاتے تو میں صبر کرتی۔ مگر یہاں تو ہماری بدنصیبی سے لوگ ہماری جان کے درپے ہیں" بادشاہ نے نہایت متحیر ہو کے پوچھا "کس نے مول لیا؟ اور وہ کون ہے جس کا ایسا ارادہ ہے؟" اب استیر میں غصہ ضبط کرنے کی تاب نہ تھی بولی "وہی کمبخت ظالم ہامان جو پاس بیٹھا ہوا ہے اور ہم سب کے خون کا پیاسا ہے" ملکہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کے ہامان تو مارے خوف کے کانپنے لگا اور بادشاہ اخشویرش شراب پیتے پیتے جام و صراحی کو ہاتھ سے رکھ کے مارے غصہ کے اٹھا اور سامنے باغ میں جا کے ٹہلنے لگا مگر چہرے سے غیظ و غضب کے آثار نمایاں تھے۔

بادشاہ کے ہٹتے ہی ہامان ملکہ استیر کے قدموں پر گر پڑا اور عفو تقصیر کے لئے گڑگڑا رہا تھا کہ بادشاہ طیش کے ساتھ واپس آیا۔ اور ہامان کی طرف جو ملکہ استیر کے تخت کے آگے سر بسجود پڑا ہوا تھا مخاطب ہو کے بولا "اور اب کیا جی میری ملکہ بھی میرے پہلو سے اٹھا کے اس پر جبر کھینچی جائے گی یا نہیں؟" ادھر بادشاہ کی زبان سے یہ آتش بار الفاظ نکلے اور ادھر شاہی غلاموں نے مجرموں کی طرح ہامان کا سر کپڑے میں لپیٹ دیا یہ کارروائی ہو ہی رہی تھی کہ وہ شخص جسے ہامان حکم دے آیا تھا وہ پچاس ہاتھ لمبی بلی ہی لیے ہوئے شاہی محل میں پہونچا۔ اور لوگوں نے بڑھ کے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ "ہامان نے یہ ٹکٹکی اس لئے تیار کرائی تھی کہ اس پر مردخائی کو سولی دلوائے گا" بادشاہ غصہ میں بھرا ہوا تھا ہی حکم دیا کہ "اسی ٹکٹکی پر اٹکا کے اس ظالم ہامان کو سولی دو" حکم کی فوراً تعمیل ہو گئی۔ ہامان کے قتل

ہو چکنے کے بعد اخشویرش کا غصہ تھما اور وہ پھر اپنی اسرائیلیہ ملکہ کے گھر میں عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔

بادشاہ نے ہامان کا گھر اور اس کی ساری جائداد ملکہ استیر کو دے دی استیر نے اب موقع پا کے اپنے اور مردخائے کے تعلقات قرابت بادشاہ پر ظاہر کر دیے جنکو معلوم کر کے بادشاہ خوش ہوا۔ اور اسیوقت اُس کے حسب الطلب مردخائے حاضر دربار ہو کے زمین بوس ہوا۔ بادشاہ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی جو ہامان سے چھین لی گئی تھی اپنی انگلی سے اُتار کے مردخائے کو عطا کی گویا اُس کے ساتھ ہی اُسے خلعت وزارت عطا ہوا اور ان سب واقعات کے بعد مردخائے نے جا کے ہامان کے مکان اور جائداد پر قبضہ کیا۔

لیکن ابھی تک استیر کو اطمینان نہیں ہوا تھا موقع پا کے وہ پھر ایک بار بادشاہ کے قدموں پر گری اور رو رو کے عرض کیا کہ حضور مجھے اور میری قوم کو ہامان کے شر سے بچائیں۔ کیونکہ قتل و غارت یہود کا حکم ابھی تک منسوخ نہیں ہوا ہے" بادشاہ نے اپنی طلائی چھڑی اس کی طرف اُٹھا دی جو کہ امان دینے کا اشارہ تھا اور استیر نے ہاتھ جوڑ کے اور مؤدب کھڑے ہو کے کہنا شروع کیا کہ اگر میں حضور کی نظر میں بھلی اور حضور کی موردِ عنایت ہوں تو فرمان جاری ہو کہ ہامان کے جاری کیے ہوئے احکام منسوخ ہوں ورنہ سارے اسرائیلی قتل ہو جائیں گے اور میں اپنی قوم کے قتل عام کو کیونکر دیکھ سکوں گی؟ اخشویرش نے اس کے جواب میں اُس کی اور مردخائے کی طرف متوجہ ہو کے کہا "میں نے ہامان کا گھر بار تم کو دیا اس کو مصلوب کرایا۔ اور اپنی انگوٹھی بھی تم کو دے دی لہذا تم کو اختیار ہے کہ جس مضمون کا فرمان چاہو میری طرف سے اور میرے نام سے جاری کر دو" مردخائے نے اجازت پاتے ہی تمام والیوں زبانوں رئیسوں۔ اور فوجی افسروں کے نام فرمان جاری کر دیا جس کی نقلیں تمام اقطاع اور ممالک محروسہ میں سانڈنی سواروں ہرکاروں اور رسالہ کے سواروں کے ذریعہ سے بڑی عجلت کے ساتھ روانہ کی گئیں۔ اس فرمان کی رو سے پہلا قتل یہود کا

حکم منسوخ کیا گیا تھا اور یہود کو حکم تھا کہ اُسی تاریخ جو اُن کے قتل کے لیئے مقرر کی گئی تھی ہر ہر شہر میں جمع ہوں۔ اور اپنے تمام دشمنوں اور اُن سب لوگوں کو جو اُن کے خلاف ہوں مع زن و فرزند قتل و ہلاک کر دیں۔ اور یہ کارروائی ہر جگہ اور ہر گاؤں میں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہو یہی حکم خاص دارالسلطنت شوشن میں بھی جاری ہو گیا جس کے بازوں میں مردخائے آسمانی رنگ کا لباس شاہی اور اس پر ریشمی عبائے ارغوانی پہنے سونے کا مرصع تاج سر پہ رکھے کر وفر سے برآمد ہوا۔ اور اس کی صورت دیکھہ دیکھہ کے یہودی ہر جانب سے نعرہ ہائے مسرت بلند کرتے تھے۔

آخر وہ قتل کی تاریخ آئی۔ اور یہود نے بلا تامل اپنے دشمنوں اور اپنے ستانے والوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس یورش میں شہر شوشن کے اندر ہامان کے دس بیٹے بھی قتل ہوئے لیکن یہود نے سوا قتل کر لینے کے لوٹنے اور تاخت و تاراج کرنے سے بالکل ہاتھ روکا۔ شام کے وقت بادشاہ اخشویرش کو اس واقعہ کی رپورٹ ہوئی اور اس نے استیر سے مل کے کہا "نازآفریں ملکہ۔ خاص دارالسلطنت میں پانچ سو آدمی اسرائیلیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور اضلاع میں جو کچھہ ہوا ہو گا وہ اس کے علاوہ ہے۔ اس لئے اے میری پیاری ملکہ بتا کہ اب تیرا کیا سوال ہے؟ جو کچھہ بھی ہو گا سو کروں گا اور جو مانگیگی دوں گا۔" استیر بولی "میں چاہتی ہوں کہ ایسے ہی قتل عام کی اجازت شہر شوشن میں یہودیوں کو کل پھر دی جائے اور ہامان کے لڑکوں کی لاشیں مصلوب کیجائیں بادشاہ نے کہا "منظور۔ اجازت ہے کہ اسرائیلی پھر اپنے دشمنوں کو قتل کریں چنانچہ دوسرے دن بھی قتل عام شروع ہوا اور شوشن نے اس دن یہود نے ۳۰۰ آدمی قتل کئے۔ مگر دیگر مقامات اور اضلاع میں فقط پہلے ہی دن خونریزی تھی جس میں ۷۵ ہزار آدمیوں کو یہودیوں نے قتل کیا

الغرض اضلاع میں دوسرے دن اسرائیلیوں نے اپنے دشمنوں کو قتل کر کے خوشیاں کیں اور عید منائی۔ اور شہر شوشن میں دو دن قتل کرنے کے بعد تیسرے دن اُنسی کی یادگار مردخائے کے اشارے سے یہودیوں میں رواج پا گیا کہ ہر سال ان دونوں دنوں میں بڑی بھاری عید منائی جاتی۔ ساری قوم کے زن و مرد اور بوڑھے بچے اچھے اور نئے کپڑے

پہنتے فیاضیاں کرتے باہم دعوتیں کرتے اور اپنی اس قومی کامرانی کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتے تھی ایک یہود حسینہ کے حسن کی ہولناک کرشمہ سازی جو ظاہر کرتی ہے کہ مدتوں کی اسیری و مظلومی نے یہود کی ہوسیں اور آرزوئیں اور ان کی خوشیاں کس درجہ ذلیل کردی تھیں اور جوش انتقام نے انہیں کیسا ناخدا ترس بنا دیا تھا۔

قلوپطرہ

کلوپٹیرہ

زلیخا کے بعد مصر میں قلوپطرہ کے حسن کی کرشمہ سازیاں ہیں جس کا پایہ تاریخی حیثیت سے بہت بڑھا ہوا ہے وہ اس سرزمین کے کسی معزز گھرانے کی بہو بیٹی نہیں بلکہ خود ملکہ تھی۔ اور چونکہ وہ اپنے حسن کی کمند کسی ہمیر زادے پر نہیں ڈالتی تھی اس لئے اپنے اغراض میں کامیاب بھی خوب ہوئی۔ اور شہوت پرستی و حسن فروشی کے نشیب و فراز میں پڑکے آخر کار خود اپنی ہی کرشمہ سازیوں اور ناز آفرینیوں پر قربان ہوگئی۔

سکندر کے ہاتھ سے جب مصر کا پرانا خاندان فراعنہ پامال ہوا۔ اور وطنی سلطنت کا خاتمہ ہوچکا تو اس کے بعد بطلیموس لاغوس کے فرمانروائے مصر بننے سے وہاں بطلیموسوں کا ایک نیا یونانی خاندان شاہی شروع ہوا جس کے تاجدار بڑے بڑے حامیان علم و فن گذرے ہیں اور انہیں میں وہ نامی گرامی ریاضی داں بطلیموس یا بطلیموس جسے اکثر لوگ بجائے بادشاہ کے ایک عالی مرتبہ حکیم و مہندس جانتے ہیں اور جو پرانے نظام فلکی کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی خاندان کے پچھلے تاجدار بطلیموس اولی طیس کی دو اولادیں تھیں ایک لڑکا بطلیموس اور ایک اس سے چھوٹی لڑکی قلوپطرہ کے حسن و جمال اور اس کی ذہانت و قابلیت کے باعث باپ کو اس سے ایسی محبت تھی کہ مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے بعد قلوپطرہ اور بطلیموس دونوں مل کے سلطنت کریں۔ مگر افسوس دولت و سلطنت وہ چیز ہے جو محبت و قرابت کے تمام رشتوں کو قطع کر دیا کرتی ہے۔ نوعمر بطلیموس سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی بہن کے حق میں ایک نامہربان بھائی بن گیا اور اسے اس

حقوق وراثت سے محروم کرکے گھر سے نکالدیا۔ مگر قلوپطرہ بھی کوئی دبنے والی شہزادی نہ تھی
مقابلہ کو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے جھنڈے کے نیچے ایک بڑا لشکر جرار جمع کرلیا۔

یہ ۴۸ سنہ قبل محمد یعنی ولادت مسیح سے اڑتالیس سال پیشتر کا زمانہ تھا۔ دولت روم اپنے
شباب پر تھی۔ اور وہ دور شروع ہو گیا تھا جب کہ جمہوریت کا زور ٹوٹ کے پولیوس قیصر
(جولیس سیزر) سلطنت روم کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا پولیوس اپنے حریف فامپئی
(پامپی) کے تعاقب میں وارد مصر ہوا۔ اور ساحل اسکندریہ پر قدم رکھتے ہی فامپئی کا
سر اُس کے سامنے لا کے پیش کر دیا گیا۔ اب وہ واپس چلا جاتا مگر دولت روم کا چونکہ یہ اصول
تھا کہ قرب و جوار بلکہ ممالک دور و دراز میں بھی جہاں تک بنے سلطنتوں کے معاملات میں
دخل دیکر کر کے اپنی قوت بڑھائی جائے لہذا پولیوس قیصر مصر کے خاندان شاہی کا
جھگڑا چکانے کے لیئے اسکندریہ میں ٹھہر گیا اُس کی آمد کی خبر سنتے ہی قلوپطرہ بھی اسکندریہ
پہونچی۔ اور کوشش کرنے لگی کہ کسی صورت سے قیصر کے دربار میں پہونچے۔ اُسے اپنے
حسن و جمال پر ناز اور دعوی تھا اور سمجھتی تھی کہ ممکن نہیں کوئی شخص میری دلفریب صورت
دیکھے اور میرا طرفدار نہ بنجائے اس لیئے وہ تو اس فکر میں تھی کہ کسیطرح قیصر سے چار
آنکھیں ہو جائیں۔ اور قیصر کی یہ حالت تھی کہ اس کی صحبت میں باریابی قریب قریب غیر
ممکن تھا۔ اور غالباً یہ بھی قلوپطرہ کے بھائی بطلیموس کی سازش کا نتیجہ تھا جو قلوپطرہ کی کسی
صورت سے قیصر تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر قلوپطرہ نے قیمتی کپڑوں کے ایک گٹھر میں اپنے آپ کو بند کرایا۔ اور وہ گٹھا تاجرانہ
حیثیت سے قیصر کے سامنے پہونچایا گیا جب اُس کی نگاہ کے روبرو وہ گٹھر کھلا تو اُس
میں قلوپطرہ نکلی جس کی صورت دیکھتے ہی پولیوس دنگ رہ گیا۔ اب مصر کی حسین شاہزادی
نے اپنی مظلومی اور اپنی حالت و کیفیت ایسے ناز و انداز سے بیان کی۔ اور اس کے
عالم آشوب حسن۔ اس کی سریلی آواز۔ اور اُس کے دلفریب لہجے نے پولیوس پر ایسا
جادو کر دیا کہ ــــ وہ لشکر ہی وداع طاقت تھی۔ اسکا دم بھرنے لگا۔ اور جو جھگڑا پیش نظر
تھا اُس میں بھی مشہور فیصلہ کر دیا کہ "حق لیلی بود"

اب قیصر یہاں تمام دنیا و مافیہا کو بھول گیا۔ نہ روم کی سلطنت یاد تھی اور نہ چند وہ باقی ماندہ حریف جو ادہر ادہر مارے مارے پھرتے تھے۔ دو سال تک اسکندریہ ہی میں پڑا رہا دن عید تھا اور رات شب برات قلوپطرہ ہر وقت پہلو میں تھی اور اُس کے تمام ارادوں اور حوصلوں پر حکومت کر رہی تھی۔ غریب بطلمیوس کی قسمت کا یہ فیصلہ ہوا کہ وہ بیچارہ دریائے نیل میں غرق ہو کے مار ڈالا گیا اور حشمت فراعنہ کی مالک اکیلی قلوپطرہ تھی جو شب و روز ژولیوس قیصر سے ہم آغوش رہتی

دو سال کی عیش پرستی کے بعد قیصر کو اپنے مقاصد سلطنت یاد آئے ایشیا اور افریقہ کے دیگر صوبجات کی راہ لی۔ اور قلوپطرہ امن و امان اور آزادی و خود مختاری سے مصر میں حکومت کرنے لگی۔ ژولیوس بڑی فتوحات حاصل کر کے نہایت ہی دہوم دہام سے رومۃ الکبریٰ میں داخل ہوا اور اس کے بعد چند ہی روز وہاں ٹھہرا تھا کہ طرفداران جمہوریت کے ایک سازشی گروہ نے اُسے سر دربار قتل کر ڈالا اور اُس کے بعد روم میں سخت جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قیصرو (سسرو) جمہوریت کے طرفداروں کے ساتھ الگ خوشیاں منا رہا تھا۔ ژولیوس کی بہن کا پوتا اقطاویانوس جس نے ژولیوس کی گود اور اسی کے آغوش میں نشو و نما پایا تھا۔ جو چند روز بعد اگسطس کا لقب اختیار کر کے دوسرا شہنشاہ روم بنا۔ اور جس کے ہاتھوں وہاں کی جمہوریت ہمیشہ کیلئے پامال ہو گئی اس نے ایک حق دار وراثت کی حیثیت سے سلطنت کا دعویٰ کیا۔ اور تیسری طرف ژولیوس کے نامی گرامی افسر انطونی نے عوام الناس کے ایک بڑے بھاری گروہ کو جمع کر کے ژولیوس کے خون کا انتقام لینا چاہا۔ چند روز میں اقطاویانوس اور انطونی باہم مل گئے اور اتفاق کی برکت سے اپنے سب حریفوں اور ژولیوس کے دشمنوں اور قاتلوں پر کامیاب ہو گئے۔

اس کامیابی کے بعد اقطاویانوس تو رومۃ الکبریٰ میں چلا گیا۔ اور انطونی نے ممالک مشرق کی راہ لی۔ کہ وہاں کی سلطنت کو سنبھالے چونکہ ملکہ مصر پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اُس نے روم کے غالب گروہ کی کوئی مدد نہیں کی۔ لہذا ایشیا کے [illegible] میں پہونچتے ہی انطونی نے نہایت درشتی کے الفاظ میں قلوپطرہ کو لکھا کہ فوراً شہر طرسوس

میں حاضر ہو کے جواب دہی کرے جن سخت الفاظ میں یہ فرمان بھیجا گیا تھا اُس سے دولت
مصر کی بے شک توہین ہوتی تھی مگر قلوپطرہ عورت تھی۔ اور بہت ہی زکی تھی ہوشیار اور
پُرفن عورت اُس نے دل میں کہا ؏ گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو؟ جانتی تھی کہ میں کس
خوبی اور کیسے دعوے کے ساتھ انطونی کو شیشہ میں اتار سکتی ہوں۔ ان الفاظ کا ذرا بھی
بُرا نہ مانا۔ اور فوراً جواب دہی کیلئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اسکندریہ سے تو اپنے معمولی جہازوں پر بیٹھ کے گئی۔ مگر طرطوس میں داخل ہونیکی
شان ایسی عجیب و غریب تھی کہ ہر طرف ہل چل پڑ گئی۔ اور جس کسی نے دیکھا مبہوت و
بدحواس رہ گیا۔ کہ یہ کوئی شاہزادی ہے۔ یہ آسمان کی پریاں اور دیویاں زمین پر
اُتر آئی ہیں۔ شہر طرطوس سمندر سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ اور اس کے نیچے سے
دریائے قدموس بہا ہے قدموس کے دہانے سے وہ اسطرح چلی کہ اس کی کشتی نہایت ہی پر تکلف
خوبصورت خوشنما اور زرنگار تھی۔ کیونکہ اُس پر جابجا سونے چاندی کا پانی پھرا ہوا تھا
اور نظر فریب نقش و نگار اور گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ پتوار اور کھینے کی بلیاں چاندی
کی تھیں۔ اور ایک ارغوانی رنگ کا نہایت ہی خوش رنگ پال چڑھا ہوا تھا جو ہوا کے بھرنے
سے عجیب بہار دکھاتا تھا۔ کشتی کے اوپر ایک زربفت کا شامیانہ بڑی نفاست سے کھنچا ہوا
تھا جس کی مقیش کی جھالر شعاع آفتاب پر چشمک زنی کرتی تھی۔ اس کے نیچے خود سونے
کا مرصع تاج سر پر رکھے۔ سر سے پاؤں تک مرصع زیور اور معرق کپڑے پہنے اور جواہرات
سے لدی ہوئی دیویوں کی شان سے بیٹھی تھی۔

اُن دنوں چونکہ سارے ملک کا مذہب یونانی اور رومی بت پرستی تھی اور اہل روم
و یونان کے عقیدے میں حسن و جمال کی دیوی وینس (زہرہ) تھی جسکی خوبصورتی و
رعنائی کی شہرت تھی جس کی نہایت ہی حسین مورتیں ایک خاص وضع اور ادا میں
بناکے مندروں میں رکھی اور پوجی جاتی تھیں۔ اور انہیں مندروں میں عشق کا
دیوتا کیوپڈ ایک معصوم صفت پردار بچہ کی وضع میں بنایا جاتا تھا جس کے ہاتھوں
میں تیر کمان ہوتے یعنی وہ دلوں پر عشق کے تیر برسایا کرتا ہے۔

اسی عام خیال کے مطابق قلوپطرہ وینس کا بھروپ بھر کے اور اُسی کی نازآفرینی کی نشست میں عجیب آن بان اور تمکنت و وقار سے اس شامیانہ کے نیچے طلاکار اور مرصع گاؤتکیہ سے پیٹھ لگائے بیٹھی خوبصورت خوبصورت لڑکے جو عشق کے دیوتا کیوپڈ کے روپ میں تھے اور تیر و کمان لگائے ہوئے تھے آس پاس کھڑے پنکھا جھلتے اور مگس رانی کر رہے تھے صدہا حسین و پری جمال دوشیزہ لڑکیاں جو آسمانی پریوں کے بھیس میں تھیں خدمت کو حاضر تھیں۔ کچھ تو دست بستہ مودب سامنے کھڑی تھیں کچھ اس کے اشاروں پر کام کاج کی لیے دوڑ رہی تھیں اور بہت سی حوروش اور مہ پارہ لڑکیاں جل پریوں کے بھیس میں تھیں جو پانی میں اتری ہوئی کشتی کو چڑھاؤ پر ڈھکیل ڈھکیل کے بڑھاتی اور کھینچے لیے جاتی تھیں بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ اصلی وینس آسمان سے اُتر آئی ہے اور اُس کے تخت کو پریاں اڑائے لیے جاتی ہیں۔

ایسا دلفریب اور ہوش رُبا منظر آج تک کبھی کسی کی نظر سے کاہے کو گزرا تھا جو دیکھتا ساکت ہو لیتا۔ اور دریا کے کنارے ہی کنارے بدحواس کشتی کے ساتھ دوڑنے لگتا اور دین و دنیا بھول جاتا۔ اس شان سے جب یہ کشتی طرطوس داخل ہوئی تو دونوں طرف دریا کے کنارے ہزارہا خلقت کا ہجوم تھا اور سارے شہر میں غل ہو گیا کہ آسمان سے پریاں اُتر آئیں انطونی اسوقت بیٹھا دربار کر رہا تھا اس خبر کے اُڑتے ہی تمام لوگوں نے اُٹھ چھوڑ دیا۔ تماشا دیکھنے کے لیئے دریا کے کنارے چلے گئے اور وہ اپنی کرسی پر اکیلا بیٹھا رہ گیا اتنے میں اُسے خبر پہونچی کہ ملکہ مصر قلوپطرہ آپ سے ملنے کو آئی ہے انطونی نے اپنی شاہانہ متانت کے قائم رکھنے کے لیئے ضبط سے کام لیا اور کہلا بھیجا کہ "وہ بہت چلی آئیں اور انکی دعوت ہے" قلوپطرہ نے یہ پیام سنکے دل میں کہا "اگر انطونی نے میری ابھی یہ شان نہ دیکھی تو کچھ نہ ہوا" جواب میں کہا "ان سے جا کے عرض کرو کہ پہلے آپ میری دعوت قبول کر لیں پھر میں بھی حاضر ہو جاؤں گی" انطونی کو خود ہی اس شان رعنائی کے دیکھنے کا شوق تھا جس پر ایک زمانہ عش عش کر رہا تھا بے تکلف دریا کنارے چلا گیا۔

وہاں جا کے ایک ایسا عالم نظر آیا کہ ہوش و حواس جاتے رہے۔ اور ایک جہان چھوڑ

ہزار جان سے ملکہ قلوبطرہ کا شیدا ہوگیا۔ اس آراستگی و نمائش حسن و عشق کی اس کامل بہروپ۔ اور پھر اس کے ساتھ ملکہ مصر کی دل لبھانے والی باتوں نے ایسا فریفتہ کیا کہ نہ روم کی سلطنت ہی یاد رہی اور نہ اپنی محبت والی بی بی "فلویا" جو روم میں بیٹھی اُس کے نام پر جی رہی تھی۔ اب انطونی کی چوٹی قلوبطرہ کے ہاتھ میں تھی چنانچہ اُسے لے کے اُس نے اسکندریہ کی راہ لی جہاں بیٹھ کے انطونی عیش و عشرت میں پڑ گیا اور رات دن جشن منانے لگا۔

ان دونوں نے اپنے اس عیش و نشاط کے زمانہ میں جیسے جیسے لطف اُٹھائے ہیں اور اپنی عشرت پرستی کے جوش میں جیسی جیسی فضول خرچیاں کی ہیں دائرہ اعتدال سے باہر ہیں۔ اور ایسی ہیں کہ لوگوں کو مشکل سے انکا یقین آسکتا ہے ایک بار ایک دوسری کو جلسہ دینے میں باہمی مقابلہ ہوا کہ کون زیادہ فیاضی و بے جگری سے روپیہ لٹاتا اور سامان عیش فراہم کرتا ہے۔ انطونی نے کہا "اس میں تم مجھ سے فوقیت نہیں لیجا سکتیں" قلوبطرہ کو بولی "میں تو ایک گھونٹ پر دس لاکھ روپیہ اُڑا دوں گی تم کیا کرسکتے ہو؟" اور یہ کہہ کے اپنے کان کی ایک انتی سے ایک بڑا بھاری موتی جس کی قیمت لاکھوں کی تھی سرکے کے جام میں ڈال دیا اور جب وہ گھل گیا تو اٹھا کے پی گئی دوسری انتی کے ویسے ہی اور اسی قیمت کے موتی کے اُس نے دو ٹکڑے کئے اور انہیں وینس دیبی کے سنگار میں صرف کر دیا اس کی یہ بے جگری دیکھکے انطونی عش عش کر گیا کہ میری محبت میں جو کچھ قلوبطرہ کر سکتی ہے میں نہیں کر سکتا۔

چند روز بعد انطونی کو روم میں جانا پڑا کیونکہ اس کی بی بی فلویا بیمار تھی۔ فلویا اسکے پہونچنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوئی تو اُس نے قیصر کی بہن اقطاویہ سے شادی کر لی۔

یہ شاہزادی حسین و صاحب جمال ہونے کے ساتھ بڑی باعصمت خاتون تھی اور سچ یہ ہے کہ انطونی اس قابل نہ تھا کہ ایک ایسی پاکدامن شاہزادی کی قسمت اسکے ہاتھ میں دے کے چھوڑی جائے انطونی کے دل و دماغ میں قلوبطرہ اس قدر بسی ہوئی تھی کہ اُسے اقطاویہ سے کسی طرح اُنس نہ ہوا۔ اور شادی کی رسوم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے

ارض مشرق کی راہ لی تاکہ قلوبطرہ کے آغوش شوق کے مزے لوٹے۔

دوبارہ مصر میں آکے انطونی پھر عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ اور قلوبطرہ کی صحبت میں روز بروز زائد ہوتا جاتا تھا اور نہ اپنے فرائض سے تعلق تھا اور نہ اپنے انجام کی پروا تھی قلوبطرہ کی محبت کے جوش میں ناعاقبت اندیشی کی دلیری اس حد تک بڑھی کہ شاہزادی اقطاویہ کے پاس طلاق نامہ لکھ کے بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ "تم سے پہلے میری شادی ملکۂ مصر کے ساتھ ہو چکی تھی"۔ اس واقعہ سے شاہزادی کے بھائی قیصر اقطاویانوس کی نہایت ہی دلشکنی ہوئی۔

اقطاویانوس کو پہلے ہی سے اس بات کا خیال تھا کہ کسی طرح انطونی کو گرا کے دولت روم کے کل سیاہ و سفید کا مالک ہو جائے اور اپنے چچا یولیوس قیصر کا سچا اور پورا جانشین بنے بہانہ ہی ڈھونڈھ رہا تھا بہن کی دل آزاری کی تاب نہ لایا سارے رومیوں کو اس بات پر برہم کر دیا کہ ظالم و دغاباز اور لوگوں کو پھانسنے اور لبھانے والی ملکہ مشرق کے مقابلہ میں اقطاویہ کی ایسی باعصمت اور پاکدامن شاہزادی کی توہین کی گئی رومیوں کے دلوں میں جوش انتقام پیدا کر کے قیصر نے حملہ کے لیے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا ادھر سے اپنے جہازوں کا بیڑا لیکے انطونی اور قلوبطرہ آئے اور علاقہ اپائرس کی ایک راس کے پاس دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا۔

زور شور سے لڑائی ہو رہی تھی۔ اور فتح اور شکست کے آثار کسیطرف نمودار نہیں ہونے پائے تھے کہ ناگہاں قلوبطرہ لڑائی سے مرعوب اور دہشت زدہ ہو کے بھاگی اور اس کے ساتھ ہی سارے مصری جہازوں نے بھی لڑائی سے رخ پھیر کے مصر کی راہ لی انطونی اگرچہ بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا مگر اپنی معشوقہ کو واپس جاتے دیکھ کے اس نے بھی لڑائی کو ناتمام چھوڑا اور اس کے پیچھے چلا دونوں بھاگ کے اسکندریہ میں پہونچے اور عیش و طرب کے جشنوں میں اس خیال کو بھی بھلا دیا کہ دشمن قیصر تعاقب کرتا ہوا چلا آتا ہے اور عنقریب یہاں پہنچا چاہتا ہے۔

اقطاویانوس قیصر بھی نہایت ہی چالاک تھا اس نے بھی دل میں ٹھان لی کہ

قلوبطرہ کو اُسی کمند میں پھانسنا چاہیے جسمیں کہ وہ اوروں کو پھانسا کرتی ہے اسکندریہ
کی بندرگاہ کے قریب پہونچتے ہی اُس نے مراسلت کر کے قلوبطرہ پر اپنا اشتیاق اور
عشق ظاہر کیا۔ قلوبطرہ نے دل میں کہا یہ جاتا کہاں ہے جسطرح میں نے انطونی کو اپنی
زلف گرہ گیر میں پھانسا ہے اسے بھی پھانسوں گی۔ اور ایسا گرفتار کروں گی کہ ہلنے نہ
دوں گی"۔ یہ تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ اب انطونی میں دم نہیں رہا ہے اس لئے اپنے تمام فوجی
افسروں اور جہازوں کے جنگی کپتانوں کو حکم دے دیا کہ کسی قسم کی مزاحمت نہ کیجائے
قیصر آتا ہے تو اُسے بے تکلف آنے دو۔ مگر جب قیصر نے اسکندریہ پر قابض ہو کے اس
کی گرفتاری کا حکم دیا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ آخر جب اُس کا کچھ زور نہ چل سکا
تو اپنی دو وفادار سہیلیوں کو ساتھ لیا۔ اور ایک برج میں جسے سلاطین مصر کے عام
طریقہ کے موافق تعمیر کرا کے اپنا مدفن قرار دیا تھا جا کے چھپ رہی اور شہر میں مشہور ہو گیا
کہ قلوبطرہ مر گئی۔ اس کے مرنے کی خبر سنتے ہی انطونی ایسا بیقرار ہوا کہ فراق معشوقہ کی
تاب نہ لا سکنے کے باعث خودکشی پر آمادہ ہو گیا اور اپنی ہی تلوار سے اپنے آپ کو ایسا
زخمی کر لیا کہ زندگی کی کوئی امید نہیں باقی رہی۔ وہ بستر مرگ پہ تڑپ رہا تھا کہ خبر آئی
"قلوبطرہ مری نہیں زندہ ہے اور آپ کو اپنے برج میں بلاتی ہے"۔ اس میں چلنے
کی طاقت نہ تھی لوگ پلنگ کو کندھوں پر اُٹھا کے اُس برج کے پاس لے گئے۔ قلوبطرہ
کو دشمنوں کے خوف سے برج کا دروازہ کھولنے کی جرأت نہ ہوئی مگر پلنگ کو رسیوں
میں باندھ کے ایک کھڑکی کیطرف سے اوپر کھینچ لیا اوپر پہونچتے ہی انطونی قلوبطرہ
کے سینہ سے لپٹ گیا اور اُسی طرح لپٹے ہی لپٹے دم توڑ دیا۔

مگر اب بھی قلوبطرہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئی۔ اور قیصر کے پھانسنے اور
اُس کے مسخر کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا لیکن اکٹاویانوس
بھی اس بلا کا مضبوط آدمی تھا کہ اُس سے کسی طرح پیش نہ گئی۔ وہ برابر اسی کوشش
میں لگا رہا کہ قلوبطرہ کو زندہ گرفتار کر لے اور اس سے اپنی بہن کا انتقام لے۔ اس نے
قلوبطرہ کی کسی شرط کو منظور کیا اور نہ اُسے کسی عہد و پیمان پر امان دی۔ آخر قلوبطرہ کو

مایوسی ہوئی۔ اور ساتھ ہی اُس کی آنکھوں کے سامنے اسوقت کی تصویر پھر گئی جب وہ گرفتار کر کے رومۃ الکبریٰ میں لیجائی جائیگی۔ اور وہاں قیصر کے جلوس میں اس شان سے نکالی جائے گی کہ ہاتھ پاؤں میں سونے کی زنجیریں ہونگی۔ اور اپنی سواری کی مطلا و مرصع رتھ کے آگے آگے پا پیادہ جا رہی ہوگی اس بے عزتی و ذلت پر اُس نے موت کو ترجیح دی۔

دوسری طرف اوکٹاویانوس کو بیحد شوق تھا کہ اس حسین اور شہرۂ آفاق ملکہ کو اہل روم کے سامنے اپنے قیدی کی حیثیت سے پیش کرے۔ لہذا اُس نے اس بات کا پورا بندوبست کیا کہ قلوپطرہ خودکشی نہ کرنے پائے جس برج میں قلوپطرہ تھی اُس کا چاروں طرف سے محاصرہ کرالیا۔ اور قطعی ممانعت کر دی کہ کوئی شخص کسی قسم کا ہتھیار کوئی دوا یا کوئی چیز اندر نہ لے جانے پائے تاہم محاصرہ کرنیوالوں نے ایک دن انجیروں کا ٹوکرا اندر پہونچا دیا جس میں اُن کے نزدیک کسی بات کا اندیشہ نہ تھا۔

اس ٹوکرے کے اندر پہونچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد قیصر کو قلوپطرہ کا ایک خط ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ میرے بچوں کو امان دیجائے اور اس کی اجازت دیجائے کہ میں اور انطونی دونوں اسی مقبرہ میں دفن ہوں جس میں ہم دونوں ہیں۔" قیصر یہ تحریر پاتے ہی لپک کے اُس برج کے پاس پہونچا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر جا کے قلوپطرہ کے کمرے کو دیکھا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ ملکہ اپنے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ اپنی شاہی مسہری پر آرام کر رہی تھی۔ دونوں سہیلیوں میں سے ایک اس کے پاؤں کے پاس پڑی ہوئی تھی اور دوسری سرہانے کھڑی اپنے دونوں ہاتھوں سے اسکے سر پر تاج سنبھالے ہوئے تھی کہ گرنے نہ پائے۔

قیصر کو یہاں کے سناٹے میں موت کا سناٹا نظر آیا۔ پوچھا یہ کارروائی پوری طرح ہو گئی؟" خادمہ بولی جی ہاں ہو گئی۔ اور یہی بات ایسی عالی مرتبہ ملکہ کے شایاں تھی" اتنا کہنا تھا کہ پیچھے ہی وہ بھی اپنی جگہ پہ گر کے مر گئی۔

اب اسکی جستجو شروع ہوئی کہ قلوبطرہ نے کیونکر جان دی۔ غور کرنے سے ایک چھوٹا نہایت ہی زہریلا سانپ جس کے کاٹتے ہی انسان مرجائے قلوبطرہ کے بازو میں لپٹا ہوا ملا جس سے کہ اپنے آپ کو کٹوا کے بلکا اور اُس کی دونوں خادماؤں نے جان دی تھی قیصر کو افسوس ہوا کہ قلوبطرہ میرے ہاتھ سے اپنی جان کو بچا لیگئی۔ مگر کبر و نخوت کے جوش میں اُسے اب بھی ترس نہ آیا۔ کیونکہ جب رومۃ الکبریٰ میں گیا ہے تو اسکے داخلہ کے باشان و شوکت جلوس میں ملکہ قلوبطرہ کی ایک مورت اسکی اُتھی شاہی مسہری پہ سوتی ہوئی نکالی گئی جس کے پیچھے پیچھے قلوبطرہ کی دو لڑ اولادیں یعنی بیٹا اسکندر اور اُس کی بیٹی قلوبطرہ تھیں۔ یہ دونوں بچے تھے جن کو قلوبطرہ نے اپنے غرور حسن اور عیش پرستی کے مذاق سے "اپالو (دیوتا) اور "ڈیانا" (دیوی) کے خطاب دئے تھے۔

اب ملک مصر دولت روم کا ایک صوبہ تھا۔ اور ان دونوں بچوں کا کوئی والی وارث نہ تھا قیصر کو تو اپنے جلوس میں ان کی تشہیر کرانیکے بعد اپنے تبختر کی داد مل گئی مگر اُس کی بہن "اقطادیا" کو جو واقعی بڑی شریف شاہزادی تھی یہ خیال کرکے اُن بچوں پر ترس آگیا کہ میرے مرحوم شوہر انطونی کی یادگار ہیں۔ انہیں لے کے اپنی ہی اولاد کی طرح پالا۔ تربیت کی۔ اور جب چھوٹی قلوبطرہ بڑی ہوئی تو اس کا شادی مراکو کے ایک فرمانروا سے کر دی۔

مصر میں قلوبطرہ کی لاش وہاں کے دستور کے مطابق ممی بنا کے اور ایک سنہری تابوت میں بند کر کے اُسی مقبرہ میں رکھی گئی جو اُس نے اپنے لیے بنوایا تھا اور اب دو ہزار برس بعد قبر سے نکل کر لندن کے برٹش میوزیم میں پہونچی جہاں آج ہر شخص جا کے اُس کے پر تکلف تابوت اور اس کے ابدی خواب نازکی کیفیت دیکھ سکتا ہے۔

ہند بنت نعمان

یہ عرب کی ایک صاحب جمال اور پاک نفس و پاک دل شاہزادی تھی جس کا

عہد خاص طلوع نیر اسلام کے زمانہ میں تھا۔ اُس کے شباب کا زمانہ جاہلیت میں تہا
اور اُس نے وفات اسوقت پائی جبکہ اُس کے آبائی ملک پر صحابہ کا قبضہ ہو چکا تہا۔

عرب کا جو حصہ عراق سے ملا ہوا ہے جس سرزمین پر بصرہ و کوفہ آباد کئے گئے اور
جس کے قرب میں اب کربلا اور نجف وغیرہ کی آبادیاں ہیں یہ ملک عہد جاہلیت میں
عرب کی ایک متمدن سلطنت کے زیر فرمان تہا جو سلطنت "حیرہ" کہلاتی تھی۔
تاجداران حیرہ اگرچہ نوشیروان عجم کے ماتحت تھے مگر یہ ماتحتی صرف برائے نام تھی
اس لئے کہ اُن کے نظم ونسق اور اُن کی آمدنی و محاصل سے دارائے عجم کو کوئی تعلق
نہ تہا۔ یہاں نعمان بن منذر کا خاندان حکمران تہا جس سے خسروان عجم سے پرانے تعلقات
چلے آتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جو قوانین سلطنت عجم کے دستور العمل تھے
وہ اگلے فرمان روایان حیرہ ہی کے مدون کئے ہوئے تھے کیونکہ یہ لوگ کبھی سلطنت
عجم کے وزیر اعظم ہوتے تھے کبھی شاہزادگان عجم کے اُستاد و اتالیق اور کبھی وہاں کے
نابالغ تاجداروں کے اتالیق اور نگہبان۔ الغرض یہاں کے فرمانرواؤں نے سلطنت
عجم سے خاص قسم کے تعلقات قائم کر لئے تھے جن کا بہت کچھ لحاظ کیا جاتا تہا خاصۃً
ان کے مورث اعلیٰ النعمان اول کا تو خسروان ایران بڑا ادب کرتے تھے یہ سلاطین حیرہ
قبیلہ بنی لخم میں سے تھے۔ اور بڑی شان و شوکت اور رعب و تمکنت کے لوگ تھے
عرب کے تمام حضری و بدوی قبائل میں اُن کی شان و شوکت کی دہوم تھی اور شعرائے
عرب ان کی مدح میں بڑے پر زور قصیدے کہتے تھے۔

انہیں میں کا آخری فرمانروا النعمان بن منذر بن امرء القیس تہا جسکی بیٹی ہند بنت
نعمان عرب کی وہ مشہور و معروف شاہزادی تھی جس کے حالات ہم اس موقع پر بیان کرنا
چاہتے ہیں ہند اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں شمار کیجاتی تھی۔ اس کی ماں
عرب کے ایک دوسرے شاہی خاندان یعنی کندہ کی شاہزادی "ماریہ" تھی جو مذہباً
مسیحی کی پابند تھی اور اسی وجہ سے ہند بنت نعمان کا مذہب بھی عیسوی تہا۔ لیکن
مگر بجائے اس کے کہ ہند کا نکاح کسی شاہی خاندان میں ہو عرب کے عباد قبیلہ

مشہور شاعر عدی بن زید کے ساتھ ہوا جو اُس کے رُخ زیبا کا دیوانہ ہو گیا تھا اس عشق کی بنیاد یوں پڑی کہ ہند اپنی عمر کے گیارہویں برس جبکہ حیرہ کے تخت پر اس کا دادا منذر حکمران تھا۔ مسیحیوں کی عید فسح (الیسٹر) کے موقع پر ایک کنیسہ کی زیارت کو گئی بہت سی حسین و ہم عمر خواصیں اور لونڈیاں ہمراہ رکاب تھیں۔ اور انہیں خواصوں میں ماریہ نام ایک حسینہ بھی تھی۔ ہند ان سہیلیوں کے ساتھ گرجے کے ہر حصہ میں جاتی اور بے تکلفی و بے باکی سے ہر چیز کو دیکھتی تھی۔

اتفاقاً عدی بن زید بھی جو کسرائے عجم کے دربار سے انہیں لوں ہدیہ اور انعام و اکرام کی چیزیں لے کے منذر بن نعمان کے پاس آیا ہوا تھا اُسی وقت اسی کنیسہ کی زیارت کو آیا اور ہند کی بے تکلفیوں اور ناز آفرینی کی حرکتوں کو شوق و محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگا عدی بھی ایک بہت ہی حسین و خوش رو جوان رعنا تھا چنانچہ اُس کے دل پر ہند کے حسن و جمال کا اتنا اثر نہیں پڑا تھا جتنا کہ اُس کی زیبائی و رعنائی کا اثر ہند کی سہیلی ماریہ کے دل پر پڑ گیا۔ وہ بے اختیاری سے عاشق و فریفتہ ہو گئی۔ دیر تک یہی کیفیت رہی کہ ماریہ عدی کو شوق کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اور عدی ہند کی بھولے پن کی حرکتوں اور طفلانہ بے تکلفیوں کو۔ ماریہ کا فرض تھا کہ ہند کو ہوشیار کر دیتی کہ دیکھو تمہیں ایک غیر شخص شوق کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے مگر وہ عدی کے باغ حسن سے آنکھوں ہی آنکھوں میں گلچینی کر رہی تھی۔ اُسے ہوش کہاں تھا کہ اپنی شاہزادی کو اس کی بے باکانہ حرکتوں سے روکے۔ ناگہاں خود ہند کی نظر عدی پر جا پڑی اور اُسے ہمہ تن اپنی طرف مصروف دیکھ کے شرما گئی۔ پھر ساتھ والیوں کو ڈانٹا کہ ایک اجنبی شخص کی نظریں مجھ پر پڑ رہی تھیں۔ اور تم سے اتنا نہ ہوا کہ مجھے ہوشیار کر دیتیں بلکہ جھنجھلا کے ایک آدھ خواص کو بھی مارا۔ ان اداؤں نے عدی پر اور زیادہ اثر کیا۔

اگرچہ اس پہلے دیدار نے عدی کے دل پر ہند کے حسن کا نقش ڈال دیا تھا لیکن ابھی اس نقش کو زیادہ استقلال نہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ چند روز بعد یہ خیال اس کے دل سے مٹ جاتا۔ مگر ماریہ عدی کی محبت کا جو نقش اپنے دل پر لیے

آئی تھی وہ بہت گھبرا اٹھا۔ وہ اس ہوس میں بیتاب تھی کہ اُس جوان رعنا سے ملنے کا پھر کوئی اچھا موقع ہاتھ آئے۔ اُس کا نام اور پتہ تو اُس نے لوگوں سے دریافت کر لیا تھا۔ تعارف کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈھ رہی تھی۔

اب اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا اور شاہزادی ہند بالکل بھول گئی کہ فلاں کنیسہ میں کوئی مجھے گھور رہا تھا۔ اُسے غافل پا کے ماریہ نے اُس کے سامنے ایک اور بڑے رومی کنیسہ کی تعریف کی۔ کہا "وہاں بڑے بڑے عابد و مرتاض راہب خدا کے پاک عابد و زاہد بندے اور بڑی بڑی خدا رس راہبہ عورتیں رہتی ہیں۔ اُس کی فلک رفعت عمارت کا مقابلہ نہ کوئی شاہی قصر کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایوان عالیشان۔ حیرہ کی تمام عورتیں خصوصاً کنواری لڑکیاں اُس کی زیارت کو جاتی ہیں۔ وہاں بڑا بھاری میلہ لگا رہتا ہے۔ اور ہر وقت بڑے لطف کا مجمع ہوتا ہے" الغرض ایسا شوق دلایا کہ ہند اس کنیسہ کی زیارت کی بیحد مشتاق ہو گئی۔ اور اپنی ماں سے وہاں جانے کی اجازت چاہی۔ ماریہ نے اُس کی ماں کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ لاڈلی بیٹی کی زبان سے شوق زیارت سنتے ہی اُس نے اجازت دیدی۔ اور قرار پا گیا کہ فلاں تاریخ شاہزادی شان و شوکت سے فلاں گرجے کی زیارت کو جائے گی۔

یہاں کا بندوبست کرنے کے بعد ماریہ عدی کے پاس دوڑی گئی اور کہا اگر آپ شاہزادی ہند کے جمال جہاں آرا کی زیارت کرنا چاہتے ہیں تو فلاں تاریخ فلاں کنیسے میں آ جائیے آپ کو اُس روز شوق کی نگاہ سے دیکھتے دیکھا تھا میں نے تو میں کہا کہ بندوبست کر دیا کہ آپ پھر انہیں دیکھ لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ وہ اپنی شان کے امیرانہ ٹھاٹھ سے آئیگا تاکہ اُن کے دل پر بھی کچھ اثر پڑے۔ عدی نے احسان مندی کا اظہار کر کے وعدہ کیا اور پہلے دیدار کا مزہ اگرچہ بھول بھی گیا تھا تو پھر یاد آ گیا۔ روز مقررہ پر اُس نے ایک زربفت کی بہت بھاری اعلیٰ درجہ کی شاہانہ قبا زیب بر کی جو ایران کے ایک شاہی خاندان کے معزز رکن رکین نعمان شاہ مرحوم سے خلعت کے طریقہ پر ملی تھی۔ نہایت ہی لطیف و روح افزا خوشبو لگائی۔ چند حسین و خوبرو [illegible]

کے طریقہ سے ساتھ لیا۔ اور ٹھیک وقت پر کنیسہ میں آپہونچا۔

اتنے میں شاہزادی ہندؔ بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئی۔ اس وقت عدیؔ کو اس وضع میں دیکھ کے ماریہ کے دل پر ایسا بے اختیار کر دینے والا اثر پڑا کہ اس کی طرف اشارہ کر کے شاہزادی سے کہا "حضور دیکھئے وہ کیسا جوان رعنا ہے۔ یوں تو یہاں جتنی چیزیں ہیں سب ہی دلچسپ ہیں۔ مگر دیکھنے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو یہ نوجوان ہے" ہندؔ کی نظر جو اُس پر پڑی تو وہیں کی ہو گئی۔ مبہوت رہ گئی۔ اور کسی طرف نظر ہٹانا نہ چاہتا ہی نہ تھا۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اور نظر عدیؔ کے رُخ زیبا پر جمی ہوئی تھی۔ جب شوق نے اور زیادہ بے قرار کیا تو ماریہ سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ اس جوان کو پاس سے جا کے دیکھوں۔ یہ مجھے پہچان تو نہ لیگا" ماریہ نے کہا "پاس جانے میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ اور وہ کیا جانے کہ آپ کون ہیں؟" اب ماریہ کے کہنے سے ہندؔ عدیؔ کے قریب گئی، اور اُسکی حرکات کو دیکھنے اور اُس کی باتوں کو سننے لگی عدیؔ نے عمداً اُس کی طرف سے نظر ہٹالی اور اپنے دوستوں سے مذاق اور شوخ طبعی کی باتیں کرنے لگا۔ ہندؔ کی پر شوق آنکھوں کو نظر آیا کہ نہ اس سے زیادہ کوئی حسین و خوبرو ہے نہ کسی کی وضع و لباس میں ایسا بانکپن ہے نہ شوخ طبعی و خوش مزاجی میں کوئی اُس سے بڑھا ہوا ہے اور نہ فصاحت و بلاغت میں کوئی اُس کو جواب دے سکتا ہے۔ اُس کے سارے دل پر ان باتوں کا ایسا اثر پڑا کہ ہوش جاتے رہے اور آنکھیں محو دیدار ہو گئیں اور شوق دل کی بے قراریاں اُس کے بھولے چہرے سے نمایاں ہونے لگیں۔ ماریہ سمجھ گئی کہ اس کے دل پر پورا اثر پڑ گیا ہے۔ جھک کر کان میں کہا "آپ چاہیں تو اس جوان پری مثال سے باتیں بھی کر سکتی ہیں" ہندؔ تو اس کی آرزو مند تھی ہی عدیؔ سے دو چار باتیں بھی کیں۔

الغرض اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ عدیؔ اور ہندؔ دونوں گرجے سے واپس چلے تو بیتاب و بے قرار تھے۔ اور ماریہ کا عشق تو اعتدال سے گزر کے بے شرمی و بے حیائی کے درجہ کو پہونچ گیا تھا۔ عدیؔ اس سے پہلے ماریہ کو منہ لگاتا تھا۔ لیکن اب اُس کا بے حد گرویدہ احسان تھا۔ اور درد دل کا علاج سوا اُس کے اور کسی سے ممکن ہی نہ نظر آتا تھا جس کو

وجہ سے اُس کا دوست ہی نہیں بن گیا بلکہ اُس کے آنے اور اُس سے دو باتیں کر لینے کو
اپنی خوش قسمتی تصور کرتا تھا۔ گرجے کی ملاقات کے دوسرے دن وہ اُس کے پاس گئی
تو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اُس کا مزاج پوچھا۔ ماریہ نے کہا "آپ سے میری ایک تمنا ہے"
عدی نے کہا "تمہاری جو تمنا و آرزو ہوگی اُسے سر آنکھوں سے بجا لاؤنگا تمہارے منہ
سے نکلے تو سہی" ماریہ آنکھوں پر پیشانی کی ٹھیکری رکھکر بولی "میں تمہارے شوق میں
بیتاب ہوں اور آتش فراق میں جل کے خاک ہوئی جاتی ہوں۔ اگر اتنا احسان کرو کہ
مجھے اپنی خلوت میں جگہ دو تو وعدہ کرتی ہوں کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دوں گی
اور جس طرح بنے گا تمہیں ہند سے ملا دوں گی" کوئی اور چارہ کار نہ دیکھ کے عدی نے
اقرار کر لیا۔ اور جب یہ شرط پوری ہوگئی تو ماریہ کو اپنا اقرار پورا کرنے کی فکر ہوئی۔

عدی سے رخصت ہوکے ماریہ حیرہ کے ایوان شہریاری میں آئی تو دیکھا کہ ہند نہایت
ہی بے قرار ہے۔ اور اس درجہ بیتاب ہے کہ کسی حال میں قرار نہیں آتا۔ ماریہ کی صورت
دیکھتے ہی حسرت کے ساتھ بولی "اب سینہ میں آگ تم نے لگائی ہے تو تمہیں اس کو
بجھاؤ بھی۔ اگر تم نے کوئی تدبیر نہ کی تو میں تڑپ تڑپ کے مر جاؤں گی" ماریہ بولی "ہاں
ہاں میں جہاں تک بنے گا آپ کی آرزو پوری کروں گی۔ آپ کے محل کے پچھواڑے
فلاں مکان ہے۔ میں اُسی میں عدی کو لاکے بٹھا دوں گی۔ آپ کا جب تک جی
چاہیگا کوٹھے پر کھڑی ہوکے اُس سے باتیں کر لیجیئیگا" ہند نے شکر گذاری کے ساتھ
پوچھا "تو کب؟" بولی "اب جاتی ہوں اس کا بندوبست کر دوں گی"

دوسرے ہی دن اس نے عدی کو اسی وضع و لباس میں لاکے اُس مکان میں
بٹھایا۔ اور محل میں آکے ہند کے کان میں کہا "لیے جاکے اپنے عاشق سے مل آئیے
وہ آپ کا منتظر ہے" ہند فوراً کوٹھے پر دوڑی گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا
اور دیر تک اشاروں اشاروں ہی میں اپنا ذوق و شوق ظاہر کرتے رہے۔ اس ملاقات
نے آتش عشق کو اور تیز کر دیا۔ اور ہند کی یہ حالت ہوگئی کہ ماریہ سے کہا "اب اگر تم مجھے
عدی کے پاس نہ پہنچاؤ گی تو دو ہی تین دن میں مر جاؤں گی"

ماریہ نے اب عدی کے پاس جا کے ہند کی یہ بیتابی ظاہر کی۔ اور کہا "اگر آپ اُس سے شادی نہ کریں گے تو وہ تڑپ کر مر جائے گی۔ اور آپ پر اوسکا خون ہوگا" عدی بولا "بھلا میرے لیئے اس سے بڑھ کے خوش نصیبی کی بات ہو سکتی ہے؟ لیکن بھلا میری مجال ہے کہ بادشاہ نعمان کو اس کی شاہزادی کے لیئے اپنا پیام دوں؟" ماریہ نے کہا "اس نسبت کو منظور کرانا میرا کام ہے۔ تم پیام تو دو۔ اور جس طرح میں بتاتی ہوں اُس طرح پیام دو"

عدی "تم جس طرح کہو گی پیام دوں گا۔ مگر ڈرتا ہوں کہ وہ بگڑ نہ جائیں" ماریہ نے کہا "ایک کام کرو۔ تم ایک عام دعوت کرو۔ اور اُسی سلسلہ میں ایک دن نعمان کو بھی بلاؤ اُسے کھلا پلا کے خوب شراب پلاؤ۔ اور جب نشہ سے بدمست ہو اُس وقت پیام دو اور یقین جانو کہ وہ انکار نہ کرے گا" عدی نے کہا "خوب سوچ لو۔ یہ جان جوکھم کا معاملہ ہے۔ اگر برہم ہو گیا تو مجھے اُسی وقت قتل کرا ڈالے گا؟" ماریہ نے کہا "محل کے اندر میں نے اپنے طور پر پورا انتظام کر لیا ہے۔ تب تم سے کہا ہے۔ تم بے اندیشہ پیام دو"

اس قرارداد کے مطابق عدی نے ایک فرضی تقریب قرار دے کے تمام اہل شہر کی دعوت کی۔ پھر بادشاہ نعمان کو مع اُس کے اہل دربار اور خدم و حشم کے مدعو کیا نفیس پر تکلف غذائیں کھلا کے شراب پلائی۔ اور جب دیکھا کہ نشہ سے چور ہو رہا ہے شادی کا پیام دیا۔ مگر اُسے حیرت ہو گئی جب دیکھا کہ نعمان نے فوراً شادی منظور کر لی۔ اُسی صحبت میں نکاح کر دیا۔ اور تیسرے دن بیٹی کو رخصت بھی کر دیا

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد نعمان بن منذر نے جب بجائے خود سوچا تو اپنے کیئے پر پچھتایا۔ دل میں خیال گزرا کہ عدی نے شراب پلا کے میرے ساتھ دغا بازی کی اور اُسے بیٹی دینے سے میری بڑی توہین ہو گئی۔ مگر اس بغض کو دل میں لیئے رہا۔ اور موقع ڈھونڈھتا رہا۔ اُس نے کبر و نخوت کے جوش میں یہ معمول مقرر کر لیا تھا کہ اپنے دربار میں ایک دن تو شفقت و رحمت کا دن قرار دیا تھا۔ اور ایک دن غیظ و غضب کا۔ اہل دربار توان دونوں دنوں سے واقف تھے غیظ و

غضب کے دن دُور ہی دور رہتے ۔ مگر دور دراز کے ملکوں سے جو شامت زدہ اُس
دن آجاتا ۔ نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا جاتا ۔ اتفاقاً شامت اعمال سے اُسی غیظ و
غضب کے دن عدی اور نعمان کا سامنا ہو گیا ۔ بس کیا تھا؟ نعمان کو موقع ہاتھ آ گیا
فوراً اُسے گرفتار کر کے قتل کرا ڈالا جس کا انتقام عدی کے ایک بیٹے زید بن عدی نے
یوں لیا کہ خسرو عجم کو اُسکا دشمن بنا دیا ۔ اور نعمان مدتوں تاجدار ایران کی قید میں رہ کے
قتل کیا گیا ۔ اس واقعہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو ناظرین ہمارے ناول ایام عرب کو ملاحظہ فرمائیں

شاہزادی ہند کو اپنے مظلوم شوہر کے مارے جانے پر بڑا صدمہ ہوا ۔ باپ سے تو کیا
کہہ سکتی تھی؟ کس کی مجال تھی کہ اُس سراپا نخوت فرمانروا کے سامنے شکایت کا ایک
لفظ بھی زبان سے نکال سکے ۔ مگر بیٹا کچھ ایسی شکستہ دل ہو رہی تھی کہ بمصداق "ع
اُس پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا" تارک الدنیا ہو گئی اور عرب کی شریف زادیوں
کے عام مذاق کے خلاف تمام لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کش ہو کے مسیحی راہبوں
کی ایک خانقاہ میں بیٹھ رہی جو اُسی کے نام سے منسوب ہو کے "دیر ہند" مشہور ہو گئی

ہند کی شادکامی و کامرانی کی زندگی تو بہت ہی تھوڑی تھی مگر راہبہ عورتوں کے
ساتھ بیٹھ کے عبادت کرنے کے لیئے اُس نے بڑی طولانی عمر پائی ۔ اس خانقاہ میں
بیٹھے بیٹھے اُس نے کمال بے تعلقی کے ساتھ تقدیر کے بڑے بڑے فیصلے اور دنیا کے
حیرت انگیز انقلاب دیکھے ۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے مرحوم شوہر عدی کے بیٹے زید نے
خسرو پرویز کے دربار میں رسوخ پیدا کر کے اُسے نعمان بن منذر کے گھرانے کی عورتوں
کا شوق دلایا ۔ اور جب ایوان کسریٰ سے نعمان کی بیٹیاں طلب ہوئیں تو وہ اپنے کنبہ
کی تمام عورتوں کو بنی شیبان کی حمایت میں چھوڑ کے خسرو کے دربار میں حاضر ہو گیا
جہاں قید ہوا اور اسی قید میں مر گیا ۔ اب اس کے باپ کا تاج و تخت ایاس بن قبیصہ
طائی کو ملا جو بنی طے کا سردار تھا ۔ اور پرویز نے بنی شیبان سے نعمان کی عورتوں کو
مانگا ۔ انہوں نے انکار کیا ۔ اور نتیجہ میں یوم ذی قار کی عظیم الشان لڑائی ہوئی"
جس میں عربوں نے ایرانیوں کو شکست دی ۔ ایاس طائی نے ابھی ہند کے باپ کی

قلمرو پر ہمدان کا ایرانی سردار آزادبہ عجمی والی ملک کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ جب وہ بھی ایک مدت دراز تک فرمانروائی کر چکا تو ہند کے بھائی منذر بن نعمان منذر کو آبائی حکومت ملی اب حضرت سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلعم مبعوث ہو چکے تھے۔ اور عرب کی اُجلی ریگ روان کا نورانی غازہ دنیا کے منور کرنے کے لئے کرۂ ارض کے تاریک چہرے پر لگایا جا رہا تھا۔ سیف اللہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) علمِ اسلام کے پرچمِ ہدایت کے سایہ میں تھے۔ اب یہاں کی حکومت صحابۂ رسول اللہؐ کے ہاتھ میں تھی کبھی ابو موسیٰ اشعری حاکم تھے۔ اور کبھی ابو ہریرہ۔ کبھی شمشیرِ حکمرانی ابوبکر کے پنجۂ قدرت میں تھی اور کبھی مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھ میں۔

ہند ان سب حیرت انگیز انقلابوں اور تقدیر کے کرشموں کو اپنی خانقاہ کے حجرے سے خاموشی کے ساتھ دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہو گئی۔ مغیرہ بن شعبہ اپنی حکومت کے زمانہ میں ایک بار اس دیر (خانقاہ) کی طرف سے گذرے۔ اور اس کی عالیشان عمارت دیکھ کے لوگوں سے پوچھا "یہ کیسی خانقاہ ہے؟" لوگوں نے کہا "دیرِ ہند ہے جس میں نعمان بن منذر کی تارک الدنیا شاہزادی ہند رہتی ہے اور وہی یہاں کی ساری راہبہ عورتوں کی سردار ہے۔" یہ سن کے مغیرہ خانقاہ کے دروازہ پر گئے۔ اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ نام سن کے ہند نے اندر بلا لیا۔ اخلاق سے ملی۔ ہرن کی ایک کھال اُن کے بیٹھنے کے لیے بچھوا دی۔ اور پوچھا "آپ نے کیوں تکلیف کی؟" مغیرہ نے کہا "میں تمہیں نکاح کا پیام دینے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میرے عقد میں آنا قبول کر لو۔" یہ سن کے ہند نے ذرا تامل کیا۔ پھر بڑی متانت کے ساتھ صلیب کی طرف اشارہ کر کے کہا "میں اسی کی قسم کھا کے کہتی ہوں کہ مجھے اگر ذرا بھی گمان ہوتا کہ حسن و جمال اور شباب کی زندہ دلیوں کا کچھ بھی حصہ مجھ میں باقی ہے تو آپ سے ضرور نکاح کر لیتی۔ غالباً مجھ سے شادی کرنے کا خیال آپ کے دل میں اسلئے پیدا ہوا ہوگا کہ میں نعمان بن منذر کے ملک پر قابض و متصرف ہوا ہوں۔ تو اُس کی بیٹی کا شوہر بھی ہو جاؤں تاکہ اپنے اقران و امثال پر فخر کر سکوں۔ آپ جس خدا کو مانتے ہوں اُسی کی قسم کی

کہا کے "کیئے کہ یہ نہی بات آپ کے دل میں ؟" مغیرہ نے کہا "بے شک یہی آرزو میرے دل میں ہے" اُن کی زبان سے تصدیق کے یہ الفاظ سنتے ہی ہند بولی "مگر یہ قیامت تک نہ ہوگا" گو آپ کی آرزو کے خلاف ہو"

اپنے اس شوق میں مایوس ہو کے مغیرہ نے اُس سے بعض قبائل عرب کی شرافت اور اُن کی فوقیت کے بارے میں نعمان بن منذر کا خیال پوچھا جسمیں ہند نے اُن کی مرضی کے موافق اطمینان بخش جواب دیئے۔ اور اُن کی تشفی کر دی۔ آخر مغیرہ بن شعبہ اس سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ اور اس کی تعریف میں تین شعر پڑھے ہے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ "دو نسل سلاطین میں جو خوبیاں سُنی تھیں وہ بیشک صحیح ہیں"

بس پھر اس کے بعد سے پتہ نہیں چلا کہ ہند کتنے دنوں تک اس خانقاہ میں زندہ رہی اور کب اور کس زمانہ میں اس نے سفر آخرت کیا ؛

اولغا ملکہ روس

روس کی ملکہ کیتھرائن کا نام بہت مشہور ہے جو شہنشاہ پطرس اعظم کی ملکہ تھی اور اس کے بعد وارث تاج و دیہیم ہوئی تھی اور جس کے حالات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ مگر اس سے بہت پہلے سلطنت مذکور کے ابتدائی عروج کے زمانے میں ایک اور ملکہ گزری ہے جس کے کارنامے کیتھرائن کے کارناموں سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں اور دراصل اسی کے زمانہ سے سلطنت روس کا ستارہ چمکا اس کا نام دنیا میں مشہور ہوا۔ اور تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ یہ مندرجہ عنوان ملکہ اولغا تھی جو تلیسری بیگم دراصل [illegible] سے تاجداران روس اگور کی ناز آفرین بی بی اور ملک کی محبوب عام ملکہ تھی۔

سلطنت روس کے آغاز کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ بحر اسود کے شمالی اور یورپ کے مشرقی و شمالی علاقہ میں قدیم الایام اور مشہور [illegible] قبائل کی بنیاد پڑ چکی تھی

پہلے سلاوی نام ایک قوم رہتی تھی جن کی بت پرستی سب سے جدا اور جن کی زبان یونانی سے ملتی جلتی تھی۔ اس قوم کے بہت سے غول اور گروہ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور بہادری میں شہرت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کے گروہوں کا سلسلہ شمالی حصۂ ربع مسکون میں ترکوں اور مغلوں کے غولوں سے آملا تھا۔ انہیں میں سے ایک گروہ کے سردار سرگروہ رورک نے متعدد سلاوی گروہوں اور قبیلوں کو اپنے ماتحت کر کے ایک چھوٹی سلطنت قائم کی جو کہ سلطنت روس کے نام سے مشہور ہوئی صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس قوم نے اپنی سلطنت کیلئے روس کا نام کیوں اختیار کیا اس کی کئی توجیہیں کی گئی ہیں۔ مگر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں کے معبودوں میں "روسالکی" نام حسین و نازک اندام پریاں تھیں۔ جو سمندر اور جنگل کی دیویاں مانی جاتی ہیں۔ ان کی نہایت ہی خوبصورت اور دلفریب نیم برہنہ مورتیں بنا کے شوالوں میں رکھی جاتی تھیں۔ اور ان پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ غالباً انہیں کے نام سے اس قوم نے اپنا نام ماخوذ کیا۔

رورک نے قوم کا بادشاہ قرار پاتے ہی شہر نوءغزاو پر قبضہ کر لیا اور اسی کو اپنا مرکز فرمانروائی قرار دیا۔ سنہ ۸۶۲ء میں اس نئی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی اور اس سے سترہ برس بعد سنہ ۸۷۹ء میں پہلے فرمانروا رورک نے سفر آخرت کیا جبکہ بغداد کے سریر خلافت پر معتمد علی اللہ پندرہواں خلیفۂ عباسی جلوہ افروز تھا اور یونانی قلمرو روم پر لیودی سیج (لیو راہب) کی حکومت تھی۔

رورک کے مرنے کے وقت چونکہ اسکا بیٹا اغور نابالغ بچہ تھا اس لئے اس کے ایک زبردست سردار اولغ نے اغور کو تخت پر بٹھا کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اولغ نے ایسے زور شور سے حکومت کی اور رعایا اور نیز شاہی خاندان کو اس پر ایسا بھروسہ تھا کہ ۳۳ سال تک حکومت کرتا رہا اور اغور نے بالغ ہونے پر بھی کسی قسم کی مخالفت یا سلطنت کی ہوس نہیں ظاہر کی یہاں تک کہ جب سنہ ۹۱۲ء میں وہ مر گیا تو اصلی تاجدار اغور نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

اپنی اغور کی بی بی ملکہ اودنغا تھی۔ جو شہر سکوف کے قریب کسی گمنام گاؤں
میں پیدا ہوئی تھی اور غریب و فلک زدہ ماں باپ کے آغوش میں فلاکت و سکنت کے
ساتھ پلی تھی۔ مگر حسن و جمال اس بلا کا تھا کہ اونچے اونچے امیروں کی نظر پڑتی تھی جو
دیکھتا تیر نظر کا گھائل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ اس کی چشم فتان اور زلف پیچاں نے
قوم کے سرتاج بادشاہ اغور کو اپنا اسیر گیسو بنا لیا چنانچہ اغور نے عنان حکومت اپنے
ہاتھ میں لینے سے دس برس پہلے سنہ ۱۲۰۳ء میں اس کے ساتھ شادی کر کے اُسے
اپنی ملکہ اور اپنا شریک سلطنت بنا لیا۔

اغور اچھا بادشاہ نہ تھا۔ بے انتہا بخیل تھا۔ اور دولت کی ہوس اسقدر بڑھی
ہوئی تھی کہ قوم اور رعایا میں ہر دلعزیز نہ رہ سکتا تھا۔ مگر اودنغا کے اچھے اخلاق
اُس کی نیک نفسی و فیاضی۔ اُس کی محبت بھری باتوں اور رعایا کے حال پر اس
کی عنایتوں نے بی بی کی وجہ سے شوہر کو بھی بہت کچھ نیک نام کر دیا۔ اور جب اُس نے
عنان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ تو اودنغا کی ذہانت و ذکاوت اور انتظامی
قابلیت کے جوہر کھلنا شروع ہوئے اور ساری قوم کی محبوبہ بن گئی۔

اغور نے ایک سرکش قوم "ڈریولیاں" پر فوج کشی کر کے اُسے مطیع فرمان اور
باج گزار بنایا۔ اس کو چند ہی روز گزرے تھے کہ پھر اُسی قوم پر چڑھائی کی اور پہلے
سے دونا خراج طلب کیا۔ جسے ان لوگوں نے جبر و قہر ادا کیا۔ دولت سے لدا پھندا غانم
و سالم شہر کیف میں آ کے ٹھہرا۔ اور دل میں خیال کیا کہ میں نے ان لوگوں سے ابھی
کم رقم وصول کی ہے۔ اور لینا چاہیے۔ پھر ان کی سرزمین پر چڑھ گیا۔ اور جتنا پہلا
وصول کیا تھا بزور سختیاں کر کے دوبارہ وصول کیا۔ جب یہ رقم بھی ادا ہو گئی تو دل میں کہا ابھی ان کے
پاس بہت کچھ باقی ہے مجھے اور کچھ لینا چاہیے۔" اور کہلا بھیجا کہ "یہ کافی نہیں ہے اتنی ہی رقم اور دو"
ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں میں بظاہر تو انکار کی جرات نہ تھی مگر دل میں دشمن ہو گئے اور
ڈھونڈھنے لگے کہ کیا اور کس طرح اُس کے مظالم سے اپنی جان چھڑائیں۔ آخر انہیں موقع مل ہی گیا ایک بار
اغور اپنی فوج سے جدا ہو کر خاص رفیقوں کے ساتھ تھا کہ ڈریولیاں نے اُس کو اکیلا پا کے

اس کے چند رفقا کو چن چن کے مار ڈالا اور خود اسے پکڑ کے ایسی بری طرح سے مارا کہ اس کے قتل کا واقعہ عبرت روزگار ہو۔ دو درختوں کے جو قریب قریب تھے دو ٹہنے کھینچ کھینچ کے قریب لائے گئے پھر ایک میں اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں۔ اور دوسرے میں دوسرا ہاتھ اور پاؤں مضبوط باندھ کے ان ٹہنوں کو چھوڑا تو وہ اپنی اپنی طرف کھنچے اور اس کے جسم کے بیچ سے پھٹ کے دو ٹکڑے ہو گئے جو الگ الگ دونوں درختوں میں جا لٹکے اس طرح جان لینے کے بعد اس کے جسم کے دونوں ٹکڑے زمین میں گاڑ دیئے اور ان پر قبر کی حیثیت سے ایک تودہ بنا دیا۔

یوں ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ٩٤٥ھ میں اعوز کی زندگی کا چراغ گل ہوا۔ اس کا بیٹا چونکہ نابالغ تھا اس لیئے ملکہ اولغا نے شوہر کا ماتم کرنے کے بعد سریر شہریاری پر قدم رکھا جبکہ بغداد میں ۲۴۵ عباسی خلیفہ المطیع للہ کی اور قسطنطنیہ میں قسطنطین پور فیر وجنیطوس الملقب بہ ریچ کی حکومت تھی اولغا چونکہ بڑی ذہین و دانا اور نیک نفس و نیک کردار عورت تھی اس لیئے بڑی قابلیت اور شائستگی سے حکومت شروع کی۔ لیکن دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور بے قرار تھی کہ اپنے آنجہانی شوہر کے خون کا بدلہ کیونکر لوں اسی ادھیڑ بن میں لگی تھی کہ ڈریولیان لوگوں کے سردار کی طرف سے بیس منتخب معزز سفیروں کا ایک ڈیپوٹیشن آیا اور اسے شادی کا پیام دیا۔

اعوز کو قتل کر کے ڈریولیان لوگوں کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ چاہتے تھے کہ پوری قلمرو روس کے مالک بن جائیں جس کی مناسب ترین تدبیر ان کے سردار کے ذہن میں یہ آئی کہ میں ملکہ اولغا سے شادی کر لوں اگرچہ اولغا کی عمر بیادہ ہو چکی تھی وہ دلبری و ناز آفرینی کا زمانہ گزر گیا تھا۔ تاہم گزشتہ حسن کی چند کرنیں اب بھی اس کے خوبصورت چہرے سے نمودار تھیں جنہوں نے سلطنت کی ہوس میں ڈریولیان لوگوں کے سردار کو از خود رفتہ کر دیا۔ اور وہ اپنی حالت و حیثیت کو بالکل بھول گیا۔

اس بنا پر ملکہ اولغا بہت برہم ہوئی۔ مگر چونکہ عقلمند اور انجام پر خوب نظر

رکھتی تھی اپنے غیظ وغضب کو دل ہی میں دبایا۔ اور ان سے کہا "تمہارا پیام میں خوشی سے قبول کرونگی مجھے تو خود ہی اس کی تمنا تھی۔ مگر جس کشتی میں آئے ہو اسی میں جاکے ٹھہرو۔ میں اپنے امرا و وزرا سے مشورہ کرلوں۔ اور اس کے بعد انہیں کل صبح کو تمہارے پاس بھیجوں گی کہ تمہیں قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم سے میرے قصر میں لائیں۔ اور میں باضابطہ طور پر تمہاری درخواست کو قبول کروں مگر اتنا خیال رہے کہ تم سوا اُن کے کندھوں پر سوار ہوکے آنے کے اور کسی طرح اور۔۔۔۔۔۔ کسی سواری پر نہ آنا تاکہ تمہارا خوب رعب اُن پر بیٹھ جائے" اس جواب سے نہایت محظوظ ہوکے وہ لوگ اپنی کشتی میں واپس گئے۔

صبح کو اُنہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کہ امرائے روس ان کے استقبال کو پہونچے اور کہا "بسم اللہ تشریف لے چلئے حضور ملکہ نے یاد فرمایا ہو" ان مسخروں نے کہا "مگر ہم نہ گھوڑوں پر سوار ہوں گے" اور نہ کسی اور سواری پر ہم تو خود تمہارے کندھوں پر بیٹھ کے چلیں گے" روسی امیروں نے کہا "اب آپ کو اس میں اصرار ہے تو ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے ہمیں تو آپ کی خاطر داشت اور اپنی ملکہ کے حکم کو پورا کرنا ہی" یہ کہہ کے سبھوں نے پیٹھیں جھکا دیں۔ اور کہا "آئیے بیٹھیے" یہ بیسوں آدمی اُن کے شانوں پر سوار ہوئے اور اُنہیں قصر شاہی کیطرف لیچلے لیکن قصر کے پاس پہونچ کے بجائے اس کے کہ پھاٹک کے اندر داخل ہوں انہیں محل کے پچھواڑے لے گئے۔ اور وہاں ایک غار میں جو اسی غرض کے لیے رات ہی کو ملکہ کے حکم سے کھود رکھا گیا تھا پھینک دیا۔ پھر اوپر سے مٹی ڈال کے انہیں زندہ دفن کردیا۔

اب ملکہ اولغا کو اُن لوگوں سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا۔ ان سفیروں کا کام تمام کرتے ہی ڈریولیان لوگوں کے پاس اپنے چند ہوشیار افسر بھیجے جنہوں نے ان لوگوں کے سردار سے کہا "ہماری ملکہ کو آپ سے شادی کرنا خوشی سے منظور ہے آپ کے سفیر جو گئے ہیں قدر و منزلت سے وہاں مہمان رکھے گئے ہیں۔ اور

ملکہ محترمہ چاہتی ہیں کہ آپ اپنے تمام معزز سرداروں کو بھیجئے تاکہ وہ انہیں دھوم دھام اور تزک و احتشام سے یہاں لے آئیں کیونکہ بغیر کرّ و فر اور اعلیٰ درجے کے جلوس کے وہ اپنے شہر سے باہر قدم نہیں نکال سکتیں"۔ ڈریولیان لوگوں کا سردار تو ہوس ملک گیری اور اولغا کے عشق میں از خود رفتہ ہو ہی رہا تھا۔ فوراً اپنے کل معزز سرداران فوج کو حکم دیدیا کہ جاؤ ملکہ اولغا کو نہایت ہی قدر و منزلت اور شان و شوکت سے لے آؤ۔ یہ لوگ ان روسی سفیروں کے ساتھ نوغراد میں پہنچے جہاں ان کا بہت کچھ استقبال کیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ حمام میں بھیجے گئے۔ تاکہ غسل کر کے ملکہ اولغا کی خدمت میں باریاب ہوں۔ جیسے ہی حمام میں داخل ہوئے اس کے دروازے باہر سے بند کر دیئے گئے۔ اور آگ تیز کر دی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی لمحوں میں سب کے سب حمام کے اندر گھٹ گھٹ کے مر گئے۔

یوں بڑی سہولت کے ساتھ ان لوگوں کو نذر اجل کر کے اولغا نے خود روانہ ہونے کی تیاریاں کر دیں اور ایک قاصد کو آگے بھیجا جس نے تیزی کے ساتھ جا کے ڈریولیان کے سردار کو مژدہ سنایا کہ "ملکہ اولغا روانہ ہو چکیں آج ہی کل میں پہنچا چاہتی ہیں۔ وہ پہلے اپنے شوہر کی قبر پر ماتم و نوحہ خوانی کریں گی۔ پھر آپ سب صاحبوں کو ایک دعوت دیں گی جس کے بعد شادی کے رسوم عمل میں آئیں گے"۔

یہ خوش خبری سنتے ہی سردار ڈریولیان کی یہ حالت ہوئی کہ جامے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ساری قوم کو لیکے استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا۔ بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ ملکہ اولغا سے ملا۔ لیکن خلاف توقع اس کے ہمراہ اپنے ایک سردار کو بھی نہ دیکھ کے پوچھا "میرے وہ سردار کہاں ہیں؟" جواب ملا کہ "وہ پورے لشکر روس کے ساتھ پیچھے پیچھے آ رہے ہیں"۔ اس جواب پر وہ مطمئن ہو گیا۔ اور اولغا نے اپنی قرارداد کے مطابق پہلے اپنے شوہر اغور کی قبر پر نوحہ خوانی کی۔ ماتم کیا جی بھر کے روئی۔ اور اپنی قیام گاہ میں آ کے دعوت کا سامان کیا۔ یہ دعوت نہایت ہی پر تکلف اور شاندار تھی۔ تمام ڈریولیان لوگ

حسب مرتبہ قدر و منزلت سے بٹھائے گئے۔ دسترخوان چنا گیا۔ سب نے لذیذ غذائیں تناول کیں۔ سیر ہو کے کھایا۔ اور شراب کے دور چلنے شروع ہوئے عمدہ قیمتی اور تیز شرابیں مہیا کی گئی تھیں۔ جن کے زیادہ تیز کرنے کے لئے کیا عجب کہ ان میں اور بھی مختلف منشی اجزا ملا دیئے گئے ہوں۔ کیونکہ دو ہی چار جام میں جتنے تھے مدہوش و از خود رفتہ تھے اور شور مچا ہوا تھا کہ ؎

دور چلے دور چلے ساقیا اور چلے اور چلے ساقیا

عین اسی حالت میں کہ کسی کو سر و پا کا ہوش نہ تھا۔ اور ملکہ اولغا لوگوں کی از خود رفتگیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ناگہاں روسی سپاہی نیزے اور تلواریں لئے ہوئے ان لوگوں پر جھپٹ پڑے۔ ڈریولیان لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ بھاگنا چاہتے تھے مگر بھاگنے کے قدم نہ تھے۔ اٹھ کے گرتے تھے اور قتل ہوتے تھے جن چند لوگوں کا نشہ ہرن ہو گیا تھا وہ اپنے سردار کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے باقی پانچ ہزار آدمی اسی جگہ کاٹ کے ڈال دیئے گئے۔

اس طریقے سے اولغا نے ڈریولیان لوگوں کی قوت بالکل توڑ دی اور انہیں حیران و پریشان اور ترساں و لرزاں چھوڑ کے اپنے شہر میں واپس آئی۔ ایک برس گزر گیا۔ اور ڈریولیان لوگوں کو سوا خاموش پڑے رہنے کے سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اولغا کے سینے میں ابھی تک انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی دوسرے برس اپنے ننھے بچے کو ساتھ لے کے سپاہ روس کی سپہ سالاری کرتی ہوئی اولغا ڈریولیان پر چڑھ آئی ڈریولیان کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ اپنے قلعہ میں جا کے بیٹھ رہے۔ اور پھاٹک بند کر لیئے ملکہ اولغا نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور بڑی بہادری سے اپنے لشکر کو لڑائی اور قلعے پر دھاوے اور حملے کرتی رہی۔ مگر قلعہ نہایت ہی مضبوط تھا۔ ہزار کوشش کی کچھ بھی زور نہ چل سکا۔ اور ڈریولیان قسم کھا گئے تھے۔ کہ چاہے بھوکے پیاسے مر جائیں مگر قلعے کا دروازہ نہ کھولیں گے۔ خلاصہ یہ کہ محاصرے کو ایک مدت گزر گئی اور فوج روس کے

بنائے کچھ نہ بنی۔

اب ملکہ اولغا نئی تدبیروں میں مصروف ہوئی جو عورتوں ہی کے لئے خاص ہیں اور جن سے اکثر عورتوں نے بڑے بڑوں پر فتح پائی۔ اس نے قلعے والوں کے پاس ایک سفیر کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ "کیا ارادہ ہے اب کیا تم نے دل میں یہی ٹھان لی ہے۔ کہ قلعے میں پڑے سڑا کرو؟ اور فاقے کر کر کے مر جاؤ۔ مانا کہ تمہارا قلعہ مضبوط ہے۔ مگر رسد کا کیا انتظام کرو گے؟ اور یہ بھی سہی۔ مگر کیا تک۔ میں نے بھی قسم کھائی ہے۔ کہ بے فتح کئے نہ جاؤں گی۔ ہاں اگر تم صلح پر آمادہ ہو تو میں نہایت ہی آسان شرطوں پر تمہارا قصور معاف کرنے کو تیار ہوں اور ایسا خراج قبول کروں گی جو محض برائے نام ہوگا۔ اور جس کا تم پر بار نہ پڑیگا۔ فقط اتنا چاہتی ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر سے تین کبوتر اور تین گوریاں (خانگی چڑیاں) پکڑ کے میرے پاس بھیج دے۔ جن سے تمہاری اطاعت کا اظہار ہو جائے گا۔ اور میں اس معمولی اور بے آزار خراج کو لیکر چلی جاؤنگی"۔ ڈریولیان کوہ کے سرداروں نے یہ پیام سن کے کہا "یہ کونسی مشکل بات ہے؟ اگر ملکہ ایسی نہایت آسان شرط پر صلح کرنے کو آمادہ ہیں تو ہم خوشی سے اُن کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ اور عنقریب ہر گھر سے کبوتر اور چڑیاں پکڑوا کے نذر کر دیں گے"۔ دو ہی تین دن کے اندر کبوتر اور چڑیاں ملکہ اولغا کے ملاحظے میں پیش کر دی گئیں

ملکہ نے اس عجیب و غریب خراج کے وصول ہوتے ہی حکم دیا کہ جتنے کبوتر اور چڑیاں ہیں اتنے ہی گچھے اور گیند تیار کر کے تیل میں ڈبو دئے جائیں اور پھر ان کبوتروں اور چڑیوں کی دموں میں تاروں وغیرہ کے ذریعے سے باندھ دئے جائیں سپاہیوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور سر شام ہی وہ گچھے اور گیند مشعلوں کی طرح روشن کر دیے گئے اور ملکہ کے حکم سے وہ تمام کبوتر اور چڑیاں چھوڑی گئیں۔ جن کے اڑتے ہی آسمان پر ایک عجیب قسم کی آتشبازی کا تماشا نظر آیا۔ اور معلوم ہوا کہ لشکر روس سے ہزارہا ہوائیاں چھوٹ رہی

رہی ہیں۔ اور آسمان پر آگ سی لگی ہوئی ہے جس تماشے کے دیکھنے کے لیئے یہ
ڈریولیان لوگ اپنے کوٹھوں اور قلعے کے برجوں پر چڑھ آئے لیکن تھوڑی دیر
کے بعد جب وہ کبوتر اور چڑیاں اپنے گھروں اور آشیانوں کی تلاش میں قلعے
کی طرف آنے اور اُترنے لگیں تو جہاں بیٹھیں اور جس گھر میں آئیں اُسمیں آگ
لگادی۔ ڈریولیان مبہوت و بدحواس کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ قلعے کے ہر
کونے اور آبادی کے ہر گھر سے شعلے بلند ہونے لگے۔ عورتیں اور بچے بلبلا بلبلا
کے گھروں سے باہر نکل آئے۔ اور آخر آگ یہاں تک بڑھی کہ قلعہ کے اندر
کسی کو پناہ نہ مل سکتی تھی۔ اور سوا جلکے مرجانے کے کوئی مفر نہ تھا۔ گھبرا گئے
قلعے کے پھاٹک کھول کے باہر نکلے اور ادہر اُدہر بھاگنے لگے۔

یہ دیکھ کے ملکہ اولغا نے فوراً حملہ کر دیا۔ روسی سپاہی ہر طرف سے اُن پر ٹوٹ پڑے
جو جدہر جاتا مارا جاتا تھا۔ اس طرح ہزارہا ڈریولیان لوگ مارے گئے اور اُن کی پوری
قوم تباہ و برباد ہو گئی۔ اولغا نے اُن کا خوب اچھی طرح قلع قمع کرنے کے بعد جب
دیکھا کہ اب قلعہ میں جو کچھ تھا جل چکا اُس تباہ شدہ قلعہ کو اپنے قبضہ میں کیا
اور اس سرکش گروہ میں ذرا بھی قوت نہیں باقی رکھی کہ کبھی سر اُٹھا سکے۔

اسکے بعد وہ غانم و سالم شہر کیف میں ہوتی ہوئی اپنے شہر نوغزاد میں پہونچی
اور سپاہیوں کو انعام و اکرام تقسیم کیا۔ اولغا نے ان لوگوں سے اگرچہ نہایت
ہی بیرحمی سفاکی اور مکاری کے ساتھ انتقام لیا مگر اس کے بعد پھر کسی امر میں
اُس سے کسی قسم کی سنگدلی اور بیرحمی نہیں ظاہر ہوئی دارالسلطنت میں
واپس آنیکے بعد اُس نے بڑی عقلمندی اور عدالت گستری سے حکومت کی۔
اور تمام رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں لے لیئے۔

اب اُس کی زندگی کا دوسرا رُخ نمودار ہوا۔ کیونکہ وہ بہادر اور مدبر ہونے کے
علاوہ دین کی بڑی پابند اور نہایت ہی عابد و زاہد بھی تھی۔ دین عیسوی سارے
یورپ میں پھیل چکا تھا۔ اپنی بت پرستی کو ملکہ اولغا اپنی قوم کی قدیم جہالت و

کا نتیجہ خیال کرتی تھی۔ اور قوم روس محسوس کر رہی تھی کہ متمدن بننے کے بعد
اُسے کسی اعلیٰ درجہ کے متمدن مذہب کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاہم ابھی
اس کو تھوڑا زمانہ باقی تھا کہ قوم روس مذہب عیسوی کو اختیار کرے۔ مگر ملکہ
اولغا کو اپنی قدیم بت پرستی کے عیوب نظر آ گئے تھے اور ملت مسیحیہ کے قبول کرنے کے
لئے بیتاب تھی۔ مگر اُس کے خیال میں یہ مناسب نہ تھا کہ میں جو قوم کی حکمران
اور فرمانروا ہوں پرانے مذہب کو چھوڑ دوں۔ اور قوم اپنی قدیم حالت پر برقرار
رہے اس لئے ۹۵۵ء میں جب سلطنت کو اُس نے خوب مضبوط اور دشمنوں
اور خطروں سے صاف کر دیا تھا۔ عنان حکومت اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دی
اور خود تخت شاہی سے اُتر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئی۔ اب اس کا بیٹا تو اپنے
قومی مذہب کا پابند رہا مگر وہ خود آمادہ ہوئی کہ دین مسیحی اختیار کر کے باقی زندگی
ریاضت و نفس کشی میں صرف کر دے۔ چنانچہ سلطنت کو بیٹے کے سپرد کرتے
ہی اُس نے قسطنطنیہ کا سفر کیا جو کہ اُن دنوں مسیحی فرقوں میں سے کلیسائے
یونان والوں کا مرکز تھا۔ وہاں کے کنیسہ سینٹ صوفیا کی عظمت و شوکت زوروں
پر تھی۔ اور اسی شان و شوکت نے اولغا کو اس مذہب کا گرویدہ بنا دیا تھا۔
یہاں کے مقتدائے اعظم (پیٹریارک) نے اسے بپتسمہ دے کے اس کا مسیحی نام
"وہلین" قرار دیا اور اُسے نہایت ہی عزت کے ساتھ تاجدار روم لیو رفیروجنی
طوس المقلب بہ مورخ کے دربار میں پیش کیا۔
قسطنطنیہ سے واپس جا کے وہ گوشۂ عزلت میں بیٹھ گئی۔ اور عبادت و ریاضت
میں اسقدر مصروف ہوئی کہ عیسائیوں نے اُسے سینٹ (ولیہ) کا لقب دیا۔ اس
زمانہ میں اُس نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ اپنے بیٹے فرمانروائے روس
کو دین عیسوی کا پیرو بنا لے۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور بیٹے نے
اپنے قدیم مذہب سے دست بردار ہونا نہیں گوارا کیا۔
آخر اسی عبادت و ریاضت اور رہبانیت و نفس کشی میں اُس نے ۹۶۹ء

ہیں دنیا کو رخصت کیا۔ اور مسیحیوں کے اصول کے مطابق دفن ہوئی۔

کیتھرائن ملکۂ روس اول

مملکت روس میں اس نام کی دو ملکہ گزری ہیں۔ مگر حسن کی کرشمہ سازیوں کا سب سے زیادہ مکمل نمونہ پہلی کیتھرائن ہی ہے جسکے دلچسپ حالات لکھنے کے لیئے ہمنے قلم اُٹھایا ہے جن لوگوں نے نورجہاں بیگم کے حالات پڑھے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں کہ کس غربت و مصیبت اور فلاکت و مسکنت کی حالت میں پیدا ہوئی اور محض اپنے حسن و جمال کی قوت سے کس اعلیٰ عروج اور کس شان و شوکت اور عظمت و جبروت کے درجہ کو پہونچ گئی لیکن مقابلہ کر کے دیکھیئے تو کیتھرائن کے حالات نورجہاں سے زیادہ حیرت انگیز نظر آتے ہیں۔ جو گمنامی میں پیدا ہوئی ایک معمولی سپاہی کے ساتھ نکاح ہوا لونڈیوں کیطرح گرفتار کر کے اپنے وطن سے لائی گئی۔ اور آخر اپنی خوشجمالی کی قوت سے پیٹرس اعظم شہنشاہ روس کی ملکہ ہی نہیں بلکہ اُس کے جان و مال کی مالک ہو گئی ان دونوں مشرقی و مغربی شہنشاہ بیگموں میں یہ فرق بھی نظر آتا ہے کہ نورجہاں بیگم باوجود اعلیٰ اقتدارات اور اپنے نام کا سکہ تک جاری کرا دینے کے نہایت ہی پاکدامن و عصمت شعار تھی اور ہر حال میں اُس کا دامن بے عصمتی کے دھبوں سے پاک رہا بخلاف اسکے کیتھرائن اپنے دامن کو بدکاری و بے عصمتی کی نجاست سے نہ بچا سکی بلکہ عروج کا آغاز ہی بدکاری سے ہوا یورپ کے انتہائی شمال میں اور قطب شمالی سے قریب ایک جزیرہ نما ہے جو ممالک سویڈن اور ناروے پر حاوی ہے یہ جزیرہ نما نقشہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ گویا براعظم کے درخت سے بید مجنوں کی سی ایک شاخ لٹک کے بائیں طرف جھک پڑی ہے اسی سرزمین میں ایک چھوٹا صوبہ لیوونیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو سویڈن کی قلمرو میں شامل ہے سلطنت سویڈن کی فوج کا ایک ادنیٰ درجہ کا افسر "جوہان راب" نامی لیوونیا میں رہتا تھا جسکے گھر میں آج سے دو صدی پیشتر ۱۶۸۲ء میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو اُسوقت عزیزوں اور

ہم وطنوں کو نہایت ہی منحوس و بدقدم نظر آئی۔ ہنوز ماں کے پیٹ ہی میں تھی کہ باپ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ غریب ماں نہایت ہی افلاس و فلاکت کی حالت میں تھی نہ کوئی خبرگیراں تھا اور نہ کوئی پرسان حال۔ تاہم فقر و فاقہ کیساتھ بسر کر کے تین سال تک دودھ پلایا۔ مگر بمشکل رضاعت کی مدت بھی پوری کرنے نہ پائی تھی کہ مصائب نے ماں کو نہ برداشت کر سکی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر گئی۔

اب اس تین برس کی ننھی سی جان کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ گاؤں کے ایک اور شخص کو ترس آ گیا۔ اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور چند سال رکھ کے پالا۔ اس کے چند روز بعد ایک پراٹسٹنٹ پادری نے اُسے شہر (سرینگر) میں لیجا کے رکھا اور اپنے لڑکوں کی خدمت پہ مامور کیا۔ اب لڑکی ذرا ہوشیار ہو چکی تھی۔ پادری صاحب کے لڑکوں کی خدمت بڑی سرگرمی اور شوق سے بجا لاتی۔ اور جہاں تک بنتا انہیں آرام پہونچاتی۔ پادری صاحب کے لڑکے تعلیم پاتے تھے یہ لڑکی پاس بیٹھ کے اُن کو سبق یاد کرنے کا شوق دلاتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُن سے سیکھ کے خود بھی لکھتی پڑھتی۔ اور علم و فضل میں ترقی کرتی یہ لڑکی جیسی حسینہ و جمیلہ تھی ویسی ہی ذہین و طبّاع۔ پادری صاحب کے لڑکوں نے تو خیر کچھ نہ کچھ ترقی کی ہی ہوگی۔ مگر اس نوخیز اور ذہین لڑکی نے چپکے چپکے ہی لکھ پڑھ کے علم و فضل میں جو مرتبہ حاصل کر لیا۔ بہت غیر معمولی تھا۔

اب اس حسین پری جمال دوشیزہ کا عہد شباب تھا۔ عہد جوانی کی راتیں مرادوں کے دن۔ جوانی کی اداؤں نے حُسن کی آب و تاب کو چمکا دیا اور شباب نے اس کی نظر فتان کے تیروں پلکوں کے خنجروں اور ابروؤں کی تلواروں پر باڑہ رکھ دی۔ سویڈن کے کسی سپاہی کی اُس پہ نظر پڑی اور نظر پڑتے ہی گھائل ہو گیا اگرچہ اُس کے حُسن کا آفتاب حسینان عالم کے چراغ گل کئے دیتا تھا۔ مگر غربت و فلاکت کے باعث خود اُسے اپنی اور اپنے اس دلفریب حُسن کی قدر نہ تھی اُسی پہلے قدردان حُسن کے ساتھ نسبت ٹھہر گئی اور ۱۸۸۵ء میں نکاح ہو گیا۔

شادی کو مشکل سے پورا سال گذرا ہوگا کہ سلطنت روس نے سویڈن پر چڑھائی
کر کے شہر مرین برگ پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر بھی یہی نظر آیا کہ مصیبت اور بری
قسمت نے ابھی تک اُس غریب لڑکی کا ساتھ نہیں چھوڑا کیونکہ اُس کا شوہر وطن
کی حمایت میں مارا گیا۔ اور روسی جنرل بادر زبردستی پکڑ کے اُسے اپنے ساتھ روس
میں لے آیا۔

یہی حسین لڑکی کیتھرائن تھی جو ایسی تباہیوں اور بدقسمتیوں کے ساتھ گرفتار ہو کے
ملک روس میں آئی ہے۔ لیکن اُس کے یہاں آنے کی شان اگرچہ نہایت ہی بیچارگی
و بے حرمتی اور بےکسی و بےبسی کی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بدقسمتی کو وہ
اپنے وطن ہی میں چھوڑتی آئی کیونکہ اسی وقت سے نصیبہ نے یاوری شروع کی
اور اب اُسے پستی سے بلندی اور ذلت سے عزت کی طرف عروج حاصل ہونا شروع
ہوا۔ اس گرفتاری و اسیری سے پیشتر اُس کی زندگی ایسی گمنامی کی حالت میں گذری
تھی کہ اُسوقت کے جو کچھ حالات ابھی بیان کئے گئے ہیں افسانے سے زیادہ
وقعت نہیں رکھتے۔ مختلف راوی مختلف حالات بیان کرتے ہیں اور اس زمانہ
کے مورخوں کو اُن کا بہت کم اعتبار ہے۔ تاہم جو کچھ واقعات ہم نے بیان کئے
ہیں یہی سب میں زیادہ معتبر تصور کئے جاتے ہیں۔

الغرض جنرل بادر نے کیتھرائن کو لا کے اپنے گھر میں رکھا چونکہ جنرل بادر سے
اور اس عہد کے روسی رئیس اعظم لارڈ مینشی کوف سے دوستانہ تعلقات تھے لہذا
کیتھرائن کی رسائی لیڈی مینشی کوف کے گھر میں ہوئی۔ یہ معزز خاتون ستم زدہ
کیتھرائن کے حال پر مہربانی کرتی تھی۔ اور اُسے اپنے اوپر مہربان دیکھ کے
کیتھرائن کبھی کبھی اُس کے وہاں چلی جاتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن اُس پر لارڈ مینشی
کوف کی نظر پڑ گئی۔ اور پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہوا کہ صبر رخصت ہوا آگاہ
کے ساتھ۔ مگر یہ لارڈ صاحب ابھی اپنی آرزوئیں دل ہی میں چھپائے ہوئے تھے
کہ ایک دن اُن کے گھر میں شہنشاہ پیٹرس اعظم آیا۔ اُسنے جو کیتھرائن کی بانکی

چتونیں دیکھیں تو بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا۔ پاس بُلا کے کچھ پوچھا گچھا۔ جواب میں اُسکی میٹھی میٹھی باتوں اور سُریلی آواز نے اور زیادہ سحر آفرینی کی۔ اور شہنشاہ خمی دل کے ساتھ اپنے ایوان شہریاری میں گیا۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی صورت ہر وقت نظر کے سامنے پھرتی رہتی۔ آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے شہنشاہ پیٹرس نے کیتھرائن سے راہ و رسم پیدا کیا۔ تعلقات بڑھائے۔ اور اب یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی شوخ نگاہیں اور چلبلی ادائیں روز بروز زیادہ اثر کرتی جاتی تھیں۔

پیٹرس اعظم چند ہی روز پہلے اپنی پہلی بی بی کو اختلاف مذاق اور باہمی نا اتفاقی کیوجہ سے طلاق دے چکا تھا۔ اور اس کا دل پیشتر ہی سے کسی ایسی حسینہ کو ڈھونڈھ رہا تھا جسے ہمدم و ہمراز بنا کے اپنے درد دکھ میں شریک کرے لیکن ایک ایسی ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت کو یک بیک اپنا شریک سلطنت بنانے کی جرأت نہ ہو سکی خفیہ طور پر کیتھرائن سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے کیتھرائن نے شہنشاہ کا دل اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد روز بروز ایسی جان ستان اداؤں اور دلربائی کے ناز و انداز سے کام لیا کہ چند ہی روز میں بادشاہ اُس کا درم ناخریدہ غلام تھا آخر پیٹرس کو اس میں بھی چین نہ پڑا کہ اپنے دل کی مالک معشوقہ سے مخفی تعلقات رکھے اور ظاہر میں نہ مل سکے پوشیدہ طور پر رومی گرجہ میں لیجا کے اور پادریوں سے ساز کر کے اس کے ساتھ بالکل مخفی طور پر نکاح پڑھوا لیا اور "کیتھرائن الکزینا" اس کا لقب قرار دیا۔ خفیہ طور پر تمام امرا میں اس نکاح کی بابت سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ جن کا اثر یہ تھا کہ مخالفت کا ہنگامہ دبے ہی دبے سرد پڑ گیا۔ اور سب لوگ اس خبر سے مانوس ہو گئے۔ کہ شہنشاہ کی بیوی ایک ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت ہے لیکن شہنشاہ کے دل کو ابھی تک چین نہ تھا وہ اس بات کو بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ میں تخت سلطنت پر بیٹھ کے دربار کروں اور میرے پہلو میں شہنشاہ بیگم کی حیثیت سے کیتھرائن نہ بیٹھی ہو۔ آخر جب کسی طرح

صبر نہ آیا تو ۱۷۱۱ء میں لیپنے اس نکاح کا اعلان کر دیا اسوقت کیتھرائن کی عمر پورے ۲۴ سال کی تھی جبکہ وہ نہ ایک الھڑ عروس چاردہ سالہ تھی اور نہ ایسی سن رسیدہ کہ حسن و جمال کا انحطاط شروع ہو گیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اُس زمانہ میں وہ ایک ایسی معشوقہ شیریں ادا تھی جو دلربائی و دلبری کے فن میں پورا کمال رکھتی ہو۔ اب کیا تھا جلوت و خلوت میں ہر جگہ کیتھرائن شہنشاہ کے ہمراہ تھی تمام مہمات سلطنت میں مشورہ دیتی تھی اور ملک پر جیسی حکومت کیتھرائن کرتی تھی خود پٹرس بھی کر سکتا تھا

اظہار نکاح کی محرک یہ بات ہوئی کہ ۱۷۱۱ء میں دولت عثمانیہ اور سلطنت روس میں لڑائی چھڑ گئی۔ فوج کشی کی ضرورت سے پٹرس کو میدان جنگ میں جانا ضروری تھا مگر پیاری کیتھرائن کو چھوڑ کے جانا اُس کے امکان سے باہر تھا کیونکہ بغیر اسکے ایک دم کیلئے بھی چین نہ آسکتا تھا اور بہت کچھ غور و فکر کے بعد جب اُسے یقین ہو گیا کہ کیتھرائن کے فراق کو میں کسیطرح برداشت نہ کر سکونگا اپنے تعلقات آشکارا کر دیئے اور بے تکلف نکاح کا اعلان کر دیا گیا امرائے ملک کو اسوقت اپنے ملک اور اپنی آزادی بچانیکی فکر میں تھیں کسی نے اس نکاح کو جسکی سن گن پہلے ہی پا چکے تھے ناراضی نہیں ظاہر کی اور پٹرس اعظم کیتھرائن کو ایک عالی مرتبہ شہنشاہ بیگم کی شان سے ہمراہ لے کے جوش و خروش کے ساتھ میدان جنگ کیطرف روانہ ہوا۔

اس سفر نے کیتھرائن کو پٹرس کی نظر میں زیادہ عزیز بنا دیا۔ اپنے طرز عمل سے اُس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا کہ وہ فقط ایک ناز آفرین مہ جبین معشوقہ نہیں بلکہ ایک انیس و ہمدرد بی بی۔ بلند حوصلہ والوالعزم ملکہ اور صاحب الرائے مشیر و مدبر بھی ہے وہ ہر معاملہ میں شہنشاہ کو اچھی اور صائب رائے سے مشورہ دیتی تھی افکار و آلام میں اسکی دلداری کرتی۔ بیماری میں اعلیٰ درجہ کی تیماردار بن جاتی۔ میدان جنگ میں اس کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے رہتی۔ اور خطروں میں کبھی اُس کے پاس سے جدا نہ ہوتی۔ یہی نہیں نیکی اور بھلائی کے کاموں پر بادشاہ کو آمادہ کر کے اُس سے ایسے کام کراتی۔ کہ فوج اور رعایا کے دلوں پر اس کی محبت کا نقش روز بروز زیادہ گہرا پڑتا جاتا سپاہیوں کے ساتھ وہ نہایت ہی لطف و محبت سے پیش آتی۔ اور خود جا کے غریب سپاہیوں کی خدمت کرتی۔ اور تسلی و تشفی کیساتھ اُن کے حوصلے بڑھاتی۔

مگر اس لڑائی میں ترک روز بروز غالب ہی آتے جاتے تھے عثمانی عساکر بڑھتے چلے
آتے تھے ۔ اور روک تھام کی کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی ۔ ترکی لشکروں نے شہنشاہ پیٹرس
کو نہایت عاجز کردیا اور اُسے شکست و ناکامی کا بالکل یقین ہوگیا ایسی نازک حالت
میں وہ ملول و حزین متفکر و پریشان اپنے خیمہ میں تن تنہا جاکے بیٹھ رہا اور روسیوں کو
حکم دیدیا کہ خبردار کوئی شخص چاہے کوئی ہو میرے خیمہ کے اندر قدم نہ رکھنے پائے کیتھرائن
نے اس کی یہ حالت سُنی تو بیتابی کے ساتھ دوڑی گئی ۔ سپاہیوں نے منع کیا مگر اس نے
پروا نہ کی اور بے تکلف خیمہ کے اندر گھسی چلی گئی ۔ شہنشاہ اُس کی صورت دیکھ کے
خوش ہوا گویا یہ پیاری محبت بھری صورت دیکھتے ہی دل کو تسلی ہوگئی ۔ اور بولا خوب
آئیں ! اسوقت تمہاری ہی ضرورت تھی ۔ تمہاری رائے اکثر صائب ہوا کرتی ہے اب
بتاؤ کہ اس معاملہ میں کیا کروں ؟ " کیتھرائن نے غور کرکے کہا " میرے نزدیک تو یہ مناسب
ہے کہ آپ ترکوں سے صلح کرلیں اور حکم دیدیں کہ ان کے جن جن شہروں پر روسیوں نے
قبضہ کیا ہو چھوڑ دئے جائیں ۔ رہا یہ امر کہ آپ سمجھتے ہیں اب ترک صلح پر راضی نہ ہونگے
اسکی میں ذمہ دار ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کا اشارہ پاتے ہی محمد پاشا سپہ سالار
روم کو راضی کرلوں گی " اس کی یہ تجویز سنکے پیٹرس خوش ہوا ۔ اور اُسے صلح کی
تحریک کرنے کی اجازت دی کیتھرائن نے شہنشاہ کا اشارہ پاتے ہی ایک معتبر
ہوشیار اور عقلمند روسی سردار کو بہت سے زر و جواہر اور قیمتی ... تحفوں اور ہدیوں
کے ساتھ محمد پاشا کے پاس روانہ کیا ۔ یہ سفارت شہنشاہ کی مرضی کے موافق
کامیاب ہوئی ۔ شرائط صلح طے ہوگئے ۔ اور دونوں طرف کے لشکر واپس روانہ
ہوئے ۔ بعض متاخر مورخین کا بیان ہے کہ اس صلح میں کیتھرائن کو دخل نہ تھا
خیر اُسے دخل ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود پیٹرس اعظم کو
اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ترکی سپاہیوں کی دست برد سے مجھے اور میرے
لشکر کو ملکہ ہی نے اپنے حسن کارگزاری سے نجات دلائی چنانچہ اسی زمانہ میں کیتھرائن
کے احسانات کے ادائے شکریہ کے طور پر پیٹرس اعظم نے معزز کارگزار خاتون کی

عزت افزائی کے لیئے ایک زنانہ اعزازی تمغہ اور خطابات ایجاد کیا جو "سینٹ کیتھرائن"
کے لقب سے آج تک مروّج ہے۔

اِس صلح کے تین سال بعد کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جسکی
ولادت پر زارِ روس پطرس نے بڑی خوشیاں منائیں۔ بی بی کی یاد تازی رکھنے کے
لیئے اس کا نام کیتھرائن رکھا اور جبتک زندہ رہا ہر سال ایک قومی عید کی
حیثیت سے اس کی سالگرہ منایا گیا۔ یہ بھی حسنِ اتفاق تھا کہ اس شہزادی کے
پیدا ہونے سے چند روز پہلے سویڈن کے بیڑوں پر روسیوں کو نمایاں فتح حاصل
ہوئی تھی اور وہاں کا فرمانروا گرفتار ۔ ۔ ۔ کر کے سینٹ پطرس برگ میں لایا گیا تھا
چنانچہ فتحیاب افسروں اور پابہ زنجیر قیدیوں کا داخلہ عین اسی دن ہوا جس روز
شاہزادی کی ولادت پر خوشیاں منائی جارہی تھیں۔ لہٰذا اس عید میں اور دھوم
دھام اور شان و شوکت پیدا ہوگئی۔

پطرس اعظم نے اس سے پہلے خفیہ طور پر ممالک یورپ کا ایک سفر کیا تھا جس میں
اُس نے عالم کی نظر سے مخفی رہ کے وہاں کی ترقیوں اور تاجرانہ اولوالعزمیوں کو خوب
غائر نگاہ سے دیکھا تھا اس سفر نے دل میں شوق پیدا کر رکھا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ یورپ کا ایک سفر علانیہ طور پر اور شاہانہ شان و شوکت
سے بھی کرے۔ اور وہاں کے انتظامات سلطنت کو دیکھے۔ چنانچہ اس آرزو کے
پورا کرنے کا اب موقع ملا۔ اور ملکہ کیتھرائن کو ساتھ لیکے نہایت ہی کروفر اور شوکت
و حشمت سے سفر کیا۔

اثنائے سفر میں کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صرف ایک ہی
دن زندہ رہنے کے لیئے دنیا میں آیا تھا۔ وضع حمل کی ضرورت سے ملکہ دو چار روز
کے لیئے ایک مقام پر ٹھہر گئی۔ اور زارِ روس آگے بڑھ گیا۔ مگر کیتھرائن کو صاحب
تاج و سریر شوہر کی مفارقت اس قدر گراں تھی کہ زچگی سے فراغت ہوتے ہی بغیر
اس کے کہ اپنی کمزوری و معذوری کا کچھ خیال کرے چل کھڑی ہوئی۔ اور جلد جلد

منزلیں طے کرکے اُس سے جا ملی۔

اب پطرس اعظم کو دنیا میں ملکہ کیتھرائن سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی۔ محبت ہی نہیں اپنے آرام اور اپنی زندگی اُسکی زندگی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ بدقسمتی سے خدا نے اُسے کوئی وارث تاج و تخت بیٹا نہیں دیا تھا جس کے دم سے آیندہ کی امیدیں وابستہ ہوتیں ان مجموعی باتوں نے دل پر اثر کرکے اُسے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جان سے زیادہ پیاری بی بی کو باضابطہ طور پر تاج شہنشاہی پہنائے اور اُس کو اپنا وارث سلطنت قرار دے۔ چنانچہ اُس نے ایک نہایت عالیشان گرجا تعمیر کرایا جسکو اپنی شہنشاہ بیگم کے نام سے نامزد کیا۔ اُسی کنیسہ میں ۱۷۲۴ء میں کیتھرائن کو بڑے جلوس اور نہایت تزک و احتشام سے لے جا کے تاج شاہی پہنایا۔ ملکہ کے جلوس میں خود شہنشاہ ایک فوجی افسر کی طرح پا پیادہ گرجے تک گیا وہاں اپنے ہی ہاتھ سے اُسے تاج قیصری پہنایا۔ اور ملکہ کی تاج پوشی کے بعد اپنی طرف سے ایک اعلان پڑھ کے سنایا جس کا مضمون یہ تھا"

"از جانب شہنشاہ اعظم مالک دولت روس بنام جملہ مقتدایان دین و والیان ممالک و سرداران فوج و رعایائے ممالک محروسۂ روس جو لوگ دیانت و امانت کی صفت سے متصف ہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ تمام ممالک مسیحی میں قدیم الایام سے رواج چلا آتا ہے کہ سلاطین اپنی شریک زندگی ملکاؤں کو تاج شاہی پہناتے ہیں جس طرح یہ دستور آج جاری ہے۔ اسی طرح ازمنہ ماضیہ میں بھی مسیحی المذہب مشرقی شہنشاہان روم میں بھی جاری تھا قیصر بازلیند نے اپنی ملکہ زوبیہ کو قیصر جسٹی نین نے اپنی ملکہ لوئی سینا کو، قیصر ہرقل نے اپنی بی بی ہرقلینہ کو، اور قیصر لیون فلسفی نے اپنی بی بی ماریہ کو اور دیگر قیاصرہ روم نے اپنی شہنشاہ بیگموں کو تاج شہریاری پہنائے جن کی فہرست بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے ساتھ اس بات سے بھی سب لوگ بخوبی واقف ہیں کہ اس پچھلی لڑائی میں جو مسلسل ۲۱ سال تک جاری رہی ہم نے ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے سخت سے سخت مصیبتوں کا سامنا

گیا اور بڑی دشواریوں سے لڑتے رہے بفضلہ تعالیٰ ان لڑائیوں کا خاتمہ پوری کامیابی
پر ہوا اور جیسی باوقعت صلح اس موقع پر حاصل ہوئی ہے اس سے پہلے کبھی سلطنت
روس کو نہیں نصیب ہوئی تھی اور نہ ہماری قوم کو کبھی ایسا فخر حاصل ہوا تھا جیسا
کہ فی الحال اس موقع پر حاصل ہوا۔ ان مہموں میں ہماری بی بی ملکہ کیتھرائن نے
نہایت خلوص دل اور مستعدی و دانائی سے ہماری مدد کی۔ اور بارہا نازک موقعوں
پر اُس نے ہمارے لیئے زندگی خطروں میں ڈالدی خصوصاً اُس نازک موقع پر
جبکہ دریائے پرت کے کنارے عساکر عثمانیہ کے مقابل ہماری فوج کی حالت بہت ابتر
ہوگئی تھی اور ہمارے سپاہیوں کو بہت اضطراب تھا۔ اُس موقع پر ہمارے پاس
صرف بائیس ہزار سپاہی رہ گئے تھے اور عثمانی لشکر کی تعداد دو لاکھ ستر ہزار تھی
ان مواقع پر اُس سے بڑی بھاری جمعیت اور اعلیٰ درجہ کی شجاعت ظاہر ہوئی
جس سے ہمارے تمام سپاہی واقف ہیں۔ اس کے ان خدمات کا لحاظ کر کے
اور نیز ان اقتدارات کی بنا پر جو ہمیں خدا کی عنایت سے حاصل ہیں اسکی تاج پوشی
کی رسم شہر ماسکو میں اس سال کے موسم سرما میں ادا کیا جاتا ہے جس کا اعلان
ہمارے اور ہماری ملکہ کے بہی خواہ دوستوں میں اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا
لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ درجہ کمال تک پہونچے اور کیتھرائن کے وارث تاج
وتخت قرار پا جانے کے بعد یکایک پطرس اعظم کو اُس کی جانب بدگمانی پیدا ہوئی
دونوں کی باہمی محبت نفرت و وحشت سے بدل گئی جس کا ظہور یوں ہوا۔ کہ
اسی تاج پوشی کے برس یعنی ۱۷۲۴ء کے آخر میں پطرس کو یقین ہو گیا کہ اسکی
ملکہ کو ایک شخص سے ناجائز تعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کی عظمت و سطوت
کو حد سے زیادہ بڑھ جاتے دیکھکے بعض امرائے روس کو حسد معلوم ہوا اور
اُن کی سازشوں نے شہنشاہ بیگم کو اپنے شوہر زار کی نظر میں متہم کر دیا۔ وہ شخص
جس کی نسبت خیال تھا کہ ملکہ کا منظور نظر ہے۔ اُسے تو پطرس نے قتل کرا ڈالا
مگر ملکہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس لیئے کہ اُسے اُس بلند درجہ سے گرانا جس پر وہ پہونچ
چکی

چکی تھی آسان نہ تھا۔ شاید زار روس اس پر بھی آمادہ ہو جاتا کیونکہ اُس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۷۲۵ء کے ابتدا ہی میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

پیٹرس اعظم کی موت کی نسبت لوگوں میں بڑا اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکہ کیتھرائن ہی نے اُسے زہر دے کے مار ڈالا۔ اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ کوئی باوقعت شہادت موجود ہے کہ ملکہ کو الزام دیا جا سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسا خیال کرنے کے قرائن موجود تھے۔ چونکہ اب زار اپنی اس ملکہ سے نہایت ناراض تھا۔ لہذا ممکن نہیں کہ اُسکو آزار پہونچانے کی فکر میں نہ کر رہا ہو۔ اور کیا عجب کہ اگر زندہ رہتا تو اپنے شہنشاہی اقتدارات سے جسطرح پہلی بی بی کو طلاق دی تھی اُسے بھی دے دیتا۔ اور کیتھرائن کو جو کچھ عزتیں حاصل ہو گئی تھیں آناً فاناً میں خاک میں ملجاتیں۔ مگر باوجود ایسے قرائن کے ہمیں بغیر کسی کافی ثبوت کے کیتھرائن کو متہم کرنیکا حق حاصل نہیں ہے۔

پیٹرس کے مرنیکے بعد کیتھرائن نے اُس کی موت کو کچھ زمانہ تک مخفی رکھا کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ اپنے مقاصد کے مطابق تدابیر انجام دے لینے اور اپنے طرفداروں کی پارٹی تیار کر لینے کے بعد شہنشاہ کی وفات کو عوام پر ظاہر کرے۔ اس مقصد میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئی۔ پیٹرس اعظم کے مرنے کی خبر مشہور ہوتے ہی تخت نشینی کے متعلق لوگوں میں اختلاف پڑا۔ مگر بارڈ میچی کوف اور دیگر امرائے ملک اعلیٰ عہدہ داران سلطنت آرچ بشپ بلدیسکو وزیر جنگ اور بہت سے صاحب اثر لوگوں کی ایک زبردست جماعت نے بالاتفاق کہا کہ ”پیٹرس اعظم اپنی ملکہ کیتھرائن کے لیے تخت نشینی کی وصیت کر گیا ہے اور صاف الفاظ میں بتا گیا ہے کہ اُس کی جانشینی کے لیے ملکہ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے۔“ اُس جماعت میں اتنے اتنے بڑے لوگ شامل تھے کہ تمام مخالفوں کے حوصلے پست ہو گئے اور کسی کو علم مخالفت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب نے ملکہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا اور اسطرح کیتھرائن

سے لیوڈینا کی وہی بدنصیب لڑکی جو اپنی ولادت کے وقت ہر طرح اور ہر بات میں بدقسمت نظر آتی تھی اور انتہا درجہ کی مفلوک الحال تھی ۱۷۳۰ء میں سلطنت روس کے سریر شاہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی اور دنیا کا ایک بڑا بھاری حصّہ اُس کے زیر فرمان تھا۔

عنان فرمانروائی ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے نظم و نسق سلطنت کیطرف توجہ کی اور اُسکے عہد کے اہم واقعات میں سے یہ امور ہیں کہ مجلس اعیان (ہاؤس آف لارڈ) کو اُس نے توڑ دیا جس کی مملکت روس میں بیحد ضرورت تھی کیونکہ روس میں امراء کا اثر بہت بڑھا ہوا تھا اور غریبوں کی فریاد بہت کم سنی جاتی تھی۔ مذہبی لوگوں کا اثر اس سے پہلے حکومت پر غالب تھا۔ اس میں بھی اس نے مناسب اصلاحیں کیں مقتدایان دین کے خطاب و القاب بیکار کر دئے۔ اور اُن کی حکومت دائرۂ کتب مقدسہ ہی تک محدود کر دی۔

پادریوں کا زور کم کرنیکے ساتھ اُس نے مجلس تعلیمات کو تقویت دی۔ اور کوشش کی کہ ملک میں آزادانہ تعلیم اور علم و فضل کو ترقی ہو۔ اُس نے اپنے مشیروں کی ایک مخفی مجلس شوریٰ مقرر کی تھی جو اس کی ذات تک محدود تھی۔ اور رعایا پر اُس کے ارکان کا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن افسوس کہ اُس کی زندگی نے بہت جلد بے وفائی کی۔ اور اپنے شوہر کے بعد کچھ کم تین ہی سال حکومت کرنے پائی تھی کہ باد فنا کے جھونکوں نے ۱۷۴۰ء میں اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ جبکہ اُس کی عمر ۴۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔

اس روسی ہیرائین کی زندگی کے کارناموں کے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ وہ جیسی صاحب حسن و جمال تھی ویسی ہی عاقل و ہوشیار بھی تھی۔ اپنے حسن کی قوت سے اُس نے ایک زبردست ترین شہنشاہی اپنا غلام ہی نہیں بنا لیا تھا بلکہ اپنی ہمدردی و محبت سے رعایا کے ہزاروں دل بھی اپنے ہاتھ میں لیلئے

ہلینا

(قسطنطین اعظم کی ماں)

اسکی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی میں ہے کسی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اسکے ماں باپ کون تھے اور کس درجہ کے لوگ تھے لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ نہایت ہی حسین و نازنین پری جمال و مہ طلعت تھی اور ایسی حسینہ تھی کہ جس کی نظر پڑ جاتی فریفتہ ہوجاتا۔ ایشیائے کوچک کے شہر بیتھنیہ میں جسے اہل عرب شہر دُرِ رہا کہتے ہیں سنہ ۲۴۸ء کے قریب پیدا ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قیاصرۂ روم عیسائیوں پر ظلم کرتے کرتے تھک گئے تھے اور نظر آتا تھا۔ کہ اس نئے دین کی جس قدر روک کی جاتی ہے اُسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ اکثر غربا حضرت مسیح پر ایمان لاتے جاتے تھے۔ اور اندر ہی اندر اُن کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ مسیحیوں میں جوش بھی سچا تھا اور بلا کا تھا۔ جن کے مقابل تمام پرانے بت پرستان روم کا جوش پھیکا پڑ گیا تھا وہی روح جو مسیحیوں کی تعداد بڑھا رہی تھی اُس نے اس حسین لڑکی کو بھی مسیحیت کا شیدا بنا دیا۔ اور بشپ کے اُسقف کے پاس جا کے اُسکے ہاتھ پر ایمان لائی اور مذہبی کتابوں کی تعلیم پا کے ایک تعلیم یافتہ لڑکی بنگئی قسطنطین کلوروس جو قیصر قالطیانوس کا معتمد علیہ افسر تھا حملہ آوری کے سلسلہ میں ادھر آیا اتفاقاً اُسکی نظر ہلینا پر پڑگئی۔ اور دیکھتے ہی سو جان سے عاشق ہوگیا۔ فاتح کو ایک مفتوح شہر کی لڑکی پر وہ چاہے کیسی ہی حسینہ ہو دسترس پانا کون مشکل تھا اُسے ساتھ لے گیا بزنٹائن (موجودہ قسطنطنیہ) میں گیا اور اپنی نازآفرین محبوبہ بنا کے رکھنے لگا۔ ہلینا مسیحیہ ہوچکی تھی مگر اُس کے [illegible] شوہر کا مذہب وہی پرانا شرک کا مذہب بت پرستی تھا۔ وہاں اُس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکی ولادت کے ساتھ نجومیوں نے قالطیانوس قیصر سے کہا کہ "یہ لڑکا عنقریب سارے روم کا مالک ہوجائیگا۔ اور اہل روم کے مذہب کو بھی بدل دیگا" یہ سنتے ہی قالطیانوس اُسکے خون کا پیاسا ہوگیا۔ باپ سے سوا اسکے اور کچھ نہ بن پڑا کہ بی بی کو مع بچہ کے اُسکے میکے میں بھیج دیا۔ ہلینا اگرچہ اپنے مذہب پر مستقل تھی مگر اس کی جرأت اُسے مشکل سے ہوسکتی تھی کہ بیٹے کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم دے مگر بچہ کو باپ سے جدا اور ان کے وطن میں رہنے سے اور کچھ نہیں تو اتنا فائدہ ضرور ہوا

کہ اس کے دل میں اگر مسیحیت نہیں تو مسیحیوں کی ایک گونہ محبت ضرور پیدا ہو گئی چند روز بعد جب وقاطیانوس قیصر مر گیا تو اقبالمند بیٹا باپ کے پاس جا کے رہا۔

قسطنطین کلوروس نے ہلینا کو یا تو اس کی مسیحیت کی وجہ سے یا اور کسی بنا پر طلاق دیدی۔ اور سقسمیانوس ہرقل کی بیٹی سے عقد کر لیا جس سے ہلینا مصیبت اور تنہائی میں پڑ گئی مگر اپنے بچہ کی امید پر مصیبت کے ایام صبر و سکون سے کاٹتی رہی اب یہ لڑکا رومی رواج کے مطابق اپنے باپ کے نام قسطنطین کا وارث ہوا۔ اور اپنے کارناموں اور اپنی بلند نظری کا بیان ہوں اور اقبالمندیوں کی بدولت قسطنطین اعظم کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کا باپ آخر زمانہ میں مغربی قلمرو روم کا حاکم تھا۔ اور اس کے مرنے پر وہی اصلی حکومت کا جانشین ہوا۔

ان دنوں روم میں ایک ہی زمانہ میں دو شہنشاہ راج کرتے تھے چنانچہ مغربی قلمرو روم کا حاکم قسطنطین تھا جو علاقہ گالیا (فرانس وجرمنی) میں رہتا۔ اور دوسرا فرمانروا مقسنطیوس تھا جو خاص رومۃ الکبریٰ میں تھا۔ دونوں میں رقابت و عداوت بڑھتی گئی۔ اور قسطنطین اپنے لشکر کو روز بروز زیادہ زبردست اور مضبوط بناتا رہا۔ لیکن جسطرح خلافت عباسیہ میں امین اور مامون کے جھگڑوں میں عرب اور بنی عباس امین کے طرفدار تھے اور عجمی مامون کو چاہتے تھے اور آسے اپنا کہتے تھے کیونکہ اس کی ماں مراجل عجمیہ تھی اسی طرح روم میں رومی بت پرست مقسنطیوس کے طرفدار تھے اور مسیحی لوگوں کو قسطنطین سے زیادہ محبت تھی۔ جسے وہ اپنا سمجھتے تھے کیونکہ مسیحیہ عورت کا لڑکا تھا۔ قسطنطین نے دیکھا کہ جیسا سچا جوش اور جیسی مستعدی وجانبازی آج کل عیسائیوں میں ہے بت پرستوں میں نہیں مسیحیوں کی استمالت شروع کی۔ اور آسمان پر ایک نورانی صلیب دیکھ کے صلیبی جھنڈا بنایا جس کے آگے مسیحی دوڑ دوڑ کے سر جھکا دیتے تھے اس سے پیشتر مسیحیوں نے صلیب کو اپنا دینی شعار نہیں قرار دیا تھا۔ مگر قسطنطین کی روحانی آنکھوں نے رومیوں ہی کے مذاق ایک بت آسمان پہ دیکھ کے عیسائیوں کو دکھایا انہیں دیکھتے ہی حضرت مسیح کی شہادت و مصلوبیت یاد آ گئی اور دوڑ دوڑ کے اسکے آگے جوش اور خروش سے سر جھکانے لگے۔ یہ ۳۱۲ء کا واقعہ ہے،

آخر قسطنطین صلیبی جھنڈا اور جانباز مسیحیوں کا زبردست لشکر لئے ہوئے رومۃ الکبریٰ پر

چڑھ آیا حریف کو شکست دے کے قتل کیا - اور رلر طبر کے رومتہ الکبریٰ میں داخل ہوا مگر یہاں کے لوگوں نے جو اپنے قدیم مذہب کے دلدادہ تھے اِس کا استقبال نہایت سرد مزاجی سے کیا - اور اُنسے وہ گرمجوشی نہیں ظاہر ہوئی جس کو قسطنطین چاہتا تھا - یہ دیکھ کے اُسے رومتہ الکبریٰ سے نفرت ہوگئی - اور مشرق کا سفر کر کے پرانے شہر بزنطیم میں آیا - اور اُسے خوب آباد کرنا شروع کیا جسکا نام اُس کی یادگار میں قسطنطنیہ قرار پایا -

اب قسطنطین ساری مملکت روم کا شہنشاہ تھا - اور کسی کی مجال نہ تھی - کہ اُس کی برابری کا دعویٰ کر سکے اُس کی ماں جو باپ کے زمانہ سے نکالی ہوئی تھی قصر شہنشاہ میں آئے والدۂ سلطان بنی جس کا قسطنطین نہایت ہی ادب و لحاظ کرتا تھا - اور قسطنطنیہ میں جو آج تک جو یہ طریقہ جاری ہے کہ شہنشاہ کی ماں اصلی مالک سلطنت اور ملکہ بھی سب سے زیادہ واجب التعظیم تسلیم کیجاتی ہے غالباً یہ ہلیناہی کے زمانہ کی سنت ہے اس میں شک نہیں کہ دین اسلام کے رو سے بھی ماں کی ویسی ہی تعظیم ہونی چاہیے جیسی کہ قسطنطنیہ میں کی جاتی ہے - لیکن کسی اور اسلامی سلطنت و مملکت میں بادشاہ کی ماں کو ویسا امتیاز نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ وہاں دیکھا جاتا ہے،

اب تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد قسطنطین کو اپنا سب سے بڑا فرض یہ نظر آتا تھا کہ عیسائیوں کے احسان کا معاوضہ کرے جنکی جانبازی سے اُسے سلطنت ملی تھی - اس بارے میں اُس کی مشیر اُس کی ماں ہلیناہی تھی جو کھلی مسیحیہ تھی -

قسطنطین اعظم کی نسبت بعض لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ وہ عیسائی ہوگیا تھا - مگر اِسکا کوئی ثبوت نہیں موجود ہے بے شک اُسنے عیسائیوں کی بیحد طرفداری کی، بیت المقدس میں جگہ جگہ اُنکے لئے کنیسے اور عبادت خانے تعمیر کرا دئے - سلطنت روم کے قوانین میں عیسائیوں کے متعلق جو سختیاں تھیں دُور کر دیں - اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ عیسائیوں کی حالت اسوقت تک بالکل غیر منتظم تھی، ان کے عقائد و مسائل میں باہم سخت اختلافات پڑ گئے تھے قسطنطین نے نیقیہ میں عیسائیوں کی سب سے پہلی دینی کونسل منعقد کی - جس میں تمام ملکوں کے اسقف اور پوپ شریک ہوئے اور قرار دیا گیا کہ ایک مسیحی کے کیا عقیدہ ہونے چاہئیں اور تثلیث کا مسئلہ بھی کونسل نے تسلیم کیا اور جو اسقف موحد تھے اور تثلیث کے مخالف تھے خارج دین قرار دئیے گئے

اس کونسل میں قسطنطین خود بھی شریک ہوا۔ مگر اسی طرح جیسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں کبھی لفٹنٹ گورنر بہادر آجاتے ہیں۔ باوجود عیسائیوں کی ایسی طرفداری کے اُس نے رومیوں سے اپنے تعلقات منقطع نہیں کیئے تھے۔ سینٹ صوفیا جو آج کل مسجد ہے۔ اور اس سے پہلے کنیسہ تھی اسی قسطنطین کی بنائی ہوئی ہے جسے اُس نے مسیحیوں کے لیئے نہیں بلکہ علم کی دیوی کے مندر کی حیثیت سے تعمیر کرایا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے تو قسطنطین کا نام اپنے سینٹوں (ولیوں) کی فہرست میں درج کر لیا اور بت پرستوں نے اسی خوشی سے اپنا ایک دیوتا تسلیم کر لیا۔

بیت المقدس اور ارض فلسطین میں مسیحیوں کے خوش کرنے کے لیئے اس نے جو کچھ کیا اپنی ماں ہلینا کے ذریعہ سے کیا۔ وہ ایک عقیدت کیش زائرہ کی وضع سے ادب و تعظیم کے ساتھ یہاں آئی جہاں جہاں حضرت مسیح کے تشریف لے جانے کا حال سُنا یا جن جن مقامات سے آپ کا کچھ بھی تعلق ثابت ہوا وہاں خود گئی۔ اور مناسب مقامات پر گرجے بنوائے۔ بیت اللحم میں آپ کے مولد پر کالوری کی پہاڑی پر یعنی آپ کے مقتل پہ نیز اُس مقام پر جسے عیسائی آپ کا مدفن بتاتے تھے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوائیں اور جس قدر اُن زیارت گاہوں کی طرف اُس نے توجہ کی اُسی قدر اصلی حرم یعنی مسجد اقصیٰ کی جانب سے بے پروائی کی گئی۔ اس لیئے کہ ارض یہودا کے اصلی عیسائی جو اس کی قدر کرتے تھے فلاکت زدہ تھے اور رومی و یونانی عیسائیوں کو اس سے سخت عداوت تھی۔ کیونکہ جیسی آزادی وہ چاہتے تھے وہ اس وقت تک نصیب ہی نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ یہود کی پرانی شریعت اور قدیم چیزوں کو کلیۃً ترک نہ کر دیا جاتا۔

ہلینا یہاں بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ آئی تھی۔ صاحبزادہ نے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی۔ اب والدۂ محترمہ نے یہاں پہونچکے خواب میں زمین کے نیچے وہ اصلی صلیب دیکھ لی جس پر حضرت مسیح مصلوب کیئے گئے تھے۔ چنانچہ اس کے اشارہ سے کالوری کی پہاڑی پر کھودا گیا تو زمین کے اندر سے تین صلیبیں برآمد ہوئیں۔ حضرت مسیح کے ساتھ دو ڈاکو بھی مصلوب کیئے گئے تھے لہذا اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ یہ وہی تینوں صلیبیں ہیں۔ مگر اس امر کا فیصلہ کرنا باقی تھا کہ ان میں سے کون صلیب حضرت عیسیٰ والی ہے اور کون ڈاکوؤں والی ہیں۔ آخر خوش اعتقادی نے اس کا بھی تصفیہ کرا دیا۔ ان تینوں [illegible] صلیب [illegible] ایک [illegible] کے سرہانے

رکھی گئی اور جس صلیب کی باری میں وہ مریض اچھا ہو گیا سمجھ لیا گیا کہ وہ اصلی صلیب جس پر حضرت مسیح لٹکائے
گئے تھے یہی ہے یورپ میں اس صلیب کی بڑی شہرت ہوئی اور اس کے لیے بڑی بڑی خونریزیاں ہوئیں
اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے بعض معزز زائرین کو دیے جاتے جو یورپ کے اکثر گرجوں میں اصلی صلیب کے
نام سے قائم کیے جاتے - اور ان کے سامنے لوگ جا جا کے سجدہ کرتے آخر یورپ میں اتنی صلیبیں بن گئیں
کہ اگر وہ ایک جگہ جمع کی جائیں تو پورے جنگل کی لکڑیوں سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہوتی -

الغرض یہ ہلینا ہی کے حسن کا کرشمہ تھا جس نے قلمرو روم میں مسیحیوں کو امن و امان دلوائی - اور
چند روز بعد دولت روم کو مسیحی دولت بنا دیا - بیت المقدس میں صدہا عالیشان گرجے تعمیر کرائے
اور آخر یورپ سے پرانے دین کو بالکل مٹا دیا - وہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں ۲۴۷ء کے قریب پیدا
ہوئی تھی ۲۷۴ء میں جبکہ اس کی عمر ۲۷ برس کی تھی - اس کے بطن سے قسطنطین اعظم پیدا ہوا -
۳۱۲ء میں جبکہ اس کی عمر ۶۵ سال کی تھی قسطنطین تخت و تاج روم کا مالک ہوا ۳۲۱ء میں
جبکہ وہ ۷۴ برس کی تھی بیت المقدس کی زیارت کو آئی - اور یہاں کے گرجے بنوائے - اور ۳۲۷ء
میں ۸۰ برس کی ہو کے دنیا سے رخصت ہو گئی -

وہ عیسائیوں کی ملکہ اسلیے تھی جس طرح یہود کو ایک یہودیہ لڑکی کے ملکہ بن جانے سے بڑا
عروج حاصل ہو گیا تھا ویسے ہی ہلینا کے ملکہ بن جانے سے مسیحیت کے دن بھرے دن ہی نہیں بھرے
بلکہ عقیدہ بھی درست ہوئی کیونکہ عیسائیوں کے مذاق کی اصلی مسیحیت وہی ہے جو نیقیہ کی کونسل
میں اصلی مسیحیت اور ذریعہ نجات قرار پائی اور ظاہر ہے کہ اگر ہلینا نہ ہوتی تو وہ کونسل بھی نہ ہوتی اور
کونسل نہ ہوتی تو شاید عیسائیوں کو اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہوگا کہ سچا دین اور سچی صراط مستقیم
فنا ہو گئی تھی لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مسیحی اسی کونسل اور اسی ملکہ کی وجہ سے سچی توحید کی برکتوں سے محروم ہو گئے

سجاح

بنی اسرائیل میں صدہا پیغمبر پیدا ہوئے مگر کوئی ایسی عورت نہیں نظر آتی جس نے کبھی جھوٹوں
بھی نبوت کا دعوی کیا ہو - بت پرست اقوام میں دیویاں تو ہزاروں بن گئیں مگر نبیہ کوئی نہیں بنی - بابل
میں سمیرامیس ملکہ تھی جو مظہر الہی قرار پا کے قوم کی قابل تعظیم و پرستش دیوی بن گئی - یورپ میں ہزارہا نفوس

اور ولیہ عورتوں میں سے اکیلی ایک جون آف آرک ایسی عورت ہے جس پر الہامات کا اتنا زیادہ اور ایسا گہرا اثر پڑا کہ اس سے پیمبری کی شان سی نمایاں ہونے لگی۔ مگر صاف الفاظ میں نبوت کا دعویٰ اس نے بھی نہیں کیا لیکن عرب کے خصائص میں ایک یہ بات بھی ہے کہ اس میں ایک ایسی عورت بھی پیدا ہوئی جو صریح الفاظ میں نبوت کی دعویدار تھی اور جس کا نام سجاح ہے،

یہ حارث بن سعید بن عقفان کی بیٹی تھی۔ ہوازن کے مختلف قبائل میں سے بنی تمیم میں پیدا ہوئی تھی۔ اور قبیلہ بنی تغلب سے ننہالی قرابت رکھتی تھی۔ عرب کے شمال و مشرق میں اس سرزمین میں اس کا نشو و نما ہوا تھا جو میان دو آب یعنی دجلہ اور فرات کے بیچ میں واقع ہے جسے یونانی اگلے دنوں مسوپوٹامیا کہتے تھے اور فی الحال دریاؤں کے وسط میں ہونے کے باعث الجزیرہ کہلاتی ہے

سجاح بڑی عاقلہ حکیمہ عالمہ اور فصیحہ و بلیغہ تھی۔ اور اسی کے ساتھ اولوالعزم بلند حوصلہ اور نہایت ہی مستقل مزاج تھی۔ اسکے حسن و جمال کے متعلق ہمارے پاس کوئی خاص شہادت موجود نہیں ہے لیکن اس کی باتوں میں اگلے زمانے کی کاہنہ عورتوں کے سے تحکم کی شان پائی جاتی ہے اور ایسے خوبصورت جملے منہ سے نکلتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول جھڑتے ہیں جو لوگوں کو گرویدہ کر لیتے۔ اور جو شخص اس کی گفتگو سنتا مطیع و منقاد ہو جاتا۔ اور اس کے ساتھ مسلّم یہ تھا کہ ابھی شباب کا زمانہ تھا جبکہ الفاظ کو دلبری اور دلربائی میں اس کے ناز و انداز اور چشم و ابرو سے بھی مدد مل جاتی۔

ان دنوں عرب کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ جناب سرور کائنات صلعم سفر آخرت فرما چکے تھے تمام صوبجات عرب اور تقریباً کل قبائل دین اسلام قبول کر چکے تھے اور ایک روحانی تہذیب کے ساتھ سارے عربوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو چکا تھا جن کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا تھا۔ کہ بجائے کسی قسم کے خراج کے زکوٰۃ کی رقم مدینہ طیبہ میں بھیجا کریں تاکہ وہ رقم ملکی مصالح اور تمدنی ضرورتوں میں خرچ ہوا کرے۔ جناب ابو بکر صدیق رض جو خلیفہ ہوئے۔ [illegible] مختلف قبائل عرب میں یہ شک پیدا ہوا کہ اب حضرت رسالت کے بعد بھی زکوٰۃ کی رقم مدینہ میں بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے۔

اس شک کے ساتھ ہی مختلف مقامات میں کئی شخص پیدا ہو گئے جنہوں نے بجائے خود نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور جو لوگ رقم زکوٰۃ کے بھیجنے میں تامل کر رہے تھے [illegible]

اور سارے عرب میں بغاوت کی آگ سی لگ گئی۔ صرف ایک مکہ معظمہ تو سر اطاعت جھکائے رہا جو مخالفت کا پورا جوش ابتدائے بعثت ہی میں دکھا چکا تھا۔ باقی تمام بلاد عرب بغاوت پر آمادہ ہو گئے صاف صاف کہنے لگے کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے اور پھر داعیان نبوت نے اس آتش فساد پر اور تیل ڈالنا شروع کیا۔

یہاں مدینہ کی یہ حالت تھی کہ اس عام شورش اور ہر طرف پھیلی ہوئی بغاوت کو خطرناک تصور کر کے تمام صحابہ اور بڑے بڑے صاحب الرائے لوگ دب جانے پر آمادہ تھے حضرت عمر کا سا سخت مزاج شخص بھی ابوبکر صدیق کو یہی مشورہ دیتا تھا کہ فی الحال یہی مصلحت ہے کہ جو لوگ ادائے زکوٰۃ میں عذر کرتے ہیں۔ ان سے تعرض نہ کیا جائے مگر ابوبکر صدیق اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے کہ خدا کی قسم میں تو جو تنے کا ایک تسمہ بھی جیسے یہ لوگ آنحضرت صلعم کی زندگی میں دیتے ہوں اور اب نہ دیں گے ہرگز نہ چھوڑونگا اور اس کے لیے ان سے لڑونگا تم اگر ساتھ نہ دو گے تو اکیلا جا کے مقابلہ کروں گا۔ مگر اسے گوارا نہ کروں گا کہ اسلام کا ایک رکن ٹوٹ جائے"

جبکہ مدینہ میں یہ حالت تھی جالیجہ ایک طرف۔ اسود عنسی ایک طرف۔ اور مسیلمہ کذاب ایکطرف نبوت کے دعوے کر کے اپنے اپنے ہم وطنوں اور قبیلوں کو توڑ توڑ کے مدینہ کے مخالف بنا رہے تھے سجاح بھی اپنے وطن الجزیرہ سے بنی تمیم دیگر قبائل ہوازن اور اپنے ننہالی قرابتداروں بنی تغلب کا ایک لشکر عظیم لے کے روانہ ہوئی کہ حجاز کے پیغمبر امی (صلعم) کے مقابلہ میں اپنی نبوت کا آوازہ بلند اور ابوبکر صدیق سے مقابلہ کرے۔ ہذیل بن عمران جو بنی تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا۔ دین مسیحی کو چھوڑ کے سجاح پر ایمان لے آیا اور اس کے ساتھ ہی دیگر قبائل کے اور بھی بہت سے صاحب اثر سردار اس کے مطیع و منقاد بن کے اس کا کلمہ پڑھنے لگے زیاد بن ہلال بنی ایاد کے لوگوں کے ساتھ عقہ بن ہلال بنی نمر کے ساتھ سلیل بن قیس بنی شیبان کے ساتھ آ کے اس کے لشکر میں مل گئے اور سجاح کے جھنڈے کے نیچے ایک بڑا بھاری لشکر جمع ہو گیا۔ لیکن ان لوگوں میں باہمی رقابت و عداوت ایسی تھی کہ سب کا ساتھ آخر تک [illegible] اور یہ حالت تھی کہ اگر اسکے کہنے پر عمل کیا گیا۔ تو وہ بگڑ گیا۔ اور اسکی بات [illegible] گئی۔ تو یہ [illegible]

آخر آ [illegible] [illegible] کے انہیں ابھار کے بھی [illegible]

حملہ کریں۔ بنی رباب بھی مقابلہ کو تیار ہو گئے۔ اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں دونوں طرف کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ مگر قتل و خون کے بعد ان لوگوں سے صلح ہو گئی۔ اور سجاح اپنے لشکر کو لیکے مقام نباج میں پہونچی۔ یہاں یہ مصیبت آپڑی کہ اس میں خزیمہ جہمی نے اُس کے لشکر پر ناگہاں حملہ کرکے اُس کے کئی زبردست اور اعلیٰ درجہ کے افسروں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن سجاح کی حکمت عملی اب بھی کامیاب ہوئی اُسکے قیدیوں کو رہائی ملی اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ سجاح اس سرزمین کو چھوڑ کے کسی اور طرف کا قصد کرے اب سجاح اپنے عظیم الشان لشکر کو لیکے آگے بڑھی تو ارض یمامہ میں پہونچی۔

یمامہ میں قبیلۂ بنی حنیفہ آباد تھا جن لوگوں کو مسیلمہ کذاب نے بہکا کے اپنی نبوت کا معتقد بنا لیا تھا۔ انہیں وہ عجیب عجیب سجعیں سُناتا تھا۔ اور نئے نئے احکام جاری کرتا تھا۔ اور نبوت کی نقل کر نہیں اپنے تمام معاصر مدعیان رسالت پر تفوق لے گیا۔ چنانچہ اُس کی شریعت کا ایک حکم یہ تھا کہ جس کسی کا کوئی جیتا جاگتا بیٹا موجود ہو اُسے دوسری شادی نہ کرنا درکنار اپنی منکوحہ بی بی سے مقاربت کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر بیٹا مرجائے۔ تو اُس وقت تک جائز ہے کہ جب تک دوسرا بیٹا نہ پیدا کرا لے۔

مسیلمہ نے جب سجاح کی نبوت اور اُس کے لشکر عظیم کے سر پر آپہونچنے کی خبر سُنی تو بہت گھبرایا اور ڈرا کہ ایسا نہ ہو میرے گرد و پیش کے قبائل اُس سے جا ملیں۔ اور میری کرکری ہو۔ اپنی قوت کو سجاح کے مقابلہ میں کم پاتا تھا۔ اور مقابلہ کی جرأت نہ ہوتی تھی لیکن چونکہ کیادی و مکاری میں کمال رکھتا تھا۔ اس لیئے دوسری وضع پر چلا سجاح کے لیئے تحفے اور ہدیے بھیج کے اُس کی استمالت کی۔ اور اُس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا۔ اور جب اُسے یوں راضی کر چکا تو پیام بھیجا کہ "مجھے تم سے ملنے کی بڑی آرزو ہے اگر اجازت دو تو حاضر ہوں"۔ سجاح نے اجازت دی اور بنی حنیفہ میں کے چالیس ہوشیار آدمیوں کو ساتھ لے کے سجاح کے پاس گیا۔ اُس سے محبت کے ساتھ ملا۔ اُس کی صورت و سیرت پر غور کیا۔ اُسکی حالت کا اندازہ کیا۔ اور دل میں سمجھ گیا۔ کہ یہ عورت اس بلا کی ہے اور اپنے پیروؤں پر ایسا اثر رکھتی ہے کہ فوج کشی کے ذریعہ سے جیتنی پانا دشوار ہے یہ ظالم فوج کشی سے نہیں۔ بلکہ حسن و عشق کے کھیل میں زیر ہونے والی ہے اُس کی اس کمزوری کا راز دریافت کرکے مسیلمہ نے خواہش کی کہ وہ آپ میری دعوت قبول کریں۔ اور میرے خیمہ میں تشریف لا کے مجھے سرفراز فرمائیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ میرے آپ کے دونوں کے آدمی خیمہ سے دور رہیں۔ سجاح نے وعدہ کیا

اور مسیلمہ وعدہ لے کے چلا آیا۔

اب یہاں آ کے اس نے دلہنوں کا سا ایک پُر تکلف سُرخ خیمہ کھڑا کرایا اپنے مذاق اور امکان کے مطابق اسے اسی طرح سجا چکا کے حجلہ عروسی بنایا جس طرح زلیخا نے حضرت یوسف کے دل پر فتح پانے کے لیئے اپنا کمرہ آراستہ کیا تھا۔

مسیلمہ نے اپنے خیمہ کو خوب سجایا۔ اس میں خوشبوئیں سُلگائیں عطر لگایا۔ اور اس خیمہ کو ایسا بنا دیا کہ پاس ہی کھڑے ہو جایئے تو خوشبو کی لپٹیں چلی آتی تھیں۔

یہ حجلہ عروسی تیار تھا کہ سجاح ملنے کو آئی۔ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگدے فرش پر بٹھایا۔ اور اپنی قوت سے عشق بازی کا کام لینے لگا کہا "بتایئے آپ پر کیا وحی اُتری ہے؟" سجاح بولی "نہیں پہلے آپ اپنی وحی سُنایئے میں پھر عورت ہوں (اور آپ مرد ہیں)" اس جواب سے مسیلمہ سمجھ گیا کہ سجاح اپنی نبوت میں کمزور ہے اور میرا کچھ نہ کچھ دباؤ ضرور مانتی ہے۔ بولا مجھ پر تو وحی اُتری ہے "الم تر کیف فعل ربک بالحبلی۔ اخرج منہا نسمۃ تسعی من بین صفاق وحشا" چونکہ یہ وحی کسی حد تک سجاح کے مذاق کے مطابق نہیں بولی "اور کوئی وحی بھی سنایئے" مسیلمہ نے جب دیکھا کہ سجاح نے اتنی لوک جھوک کو گوارا کر لیا تو حوصلہ بڑھا۔ اور بولا "اور خدا نے مجھ پر یہ آیتیں بھی نازل کی ہیں:" الم تر ان اللہ خلق النساء افواجًا۔ وجعل الرجال لہن ازواجًا۔ فنولج فیہن ایلاجًا۔ ثم تخرج ما نشاء اخراجًا فینتجن لنا انتاجًا" اس بے تکلف سورۃ اور دل کو ہیجان میں لانے والی وحی نے سجاح پر پورا اثر کیا۔ بولی "اشہد انک نبی اللہ" (میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ بیشک نبی ہیں) اب کیا تھا مسیلمہ کو منہ مانگی مراد ملی۔ بولا "سنو خدا تعالیٰ نے آدھی زمین مجھے دی تھی اور آدھی قریش کو۔ مگر قریش نے ناانصافی کی جس کی وجہ سے خدا نے اُن کا وہ نصف حصہ اُن سے چھین کے تمہیں عطا کیا اور میں کمال اشتیاق سے کہتا ہوں کہ کیا مناسب نہ ہو کہ ہم تم دونوں شادی کر لیں؟

ترجمہ: کیا تو خدا کو نہیں دیکھتا کہ غول کے غول عورتوں کے پیدا کیئے مردوں کو ان کا جوڑا بنایا جو ان میں دخول کرتے ہیں پھر ان میں سے جب چاہتے ہیں بچہ نکالتا ہے۔ اور ہمارے لیئے نتیجہ بخش ثابت ہوتی ہیں (۱)

(۱) کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیرے پروردگار نے حاملہ کے ساتھ کیا کیا؟ اس سے ایک زندہ جان نکالی جو دوڑتی پھرتی ہے۔ اور جھلی اور احشا میں سے نکل کے آتی ہے۔

اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے؟"

سجاح کے دل پر مسیلمہ کا جادو پورا چل چکا تھا بولی "مجھے منظور ہے" مسیلمہ نے مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو کے کہا "تو پھر دیر کا ہے کی ہے۔ آؤ" اور اب گستاخی کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ اس نے چند نہایت ہی مخش شعر پڑھے جنہوں نے سجاح کو بھی اس کی طرح بالکل مست و دیوانہ بنا دیا۔ الغرض دونوں کی رضامندی نے "چٹ منگنی پٹ بیاہ" کی مثل پوری کر دکھائی۔ اور بغیر کسی سے پوچھے گچھے اکیلے ہی اکیلے عقد نکاح کر لیا۔ ان دونوں پیغمبروں کی امتیں ملاقات کے فیصلہ کا انتظار کر رہی تھیں۔ اور یہاں یہ دونوں پر شوق صاحبان امت دولہا دلہن بنے حجلہ عروسی کے مزے لوٹ رہے تھے اور شوق وصال ایسا بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک خیمہ سے باہر نہ نکلے تیسرے دن سجاح رخصت ہو کے اپنے معتقدوں میں گئی تو ان لوگوں نے جو انتظار کرتے کرتے بے صبر ہو رہے تھے صورت دیکھتے ہی پوچھا "مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟" بولی "وہ نبی برحق ہے لہذا میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے شادی کر لی" لوگوں نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا "مہر کیا قرار پایا؟" گھبرا کے بولی "یہ پوچھنا تو میں بھول گئی" سب نے کہا "تو اسی وقت جا کے اپنے مہر کا فیصلہ کیجئے" سب کے مجبور کرنے سے اسی وقت پلٹی لیکن یہاں آ کے دیکھا تو مسیلمہ بھاگ کے اپنے قلعہ میں ہو رہا تھا۔ اور دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ دل میں سہما ہوا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے اس فعل کو سجاح کے ساتھ اپنی تحقیر و توہین خیال کر کے مجھ پر یورش کریں سجاح نے اطلاع کرائی اور بلوایا تو اس کو اس قدر خوف غالب تھا کہ باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی کوٹھے پر آ کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا "اب کس لیے آئی ہو؟" سجاح نے کہا "میرا مہر تو بتاؤ آخر مہر میں کچھ دو گے یا نہیں؟" بولا "ہاں مہر ضرور ملے گا۔ تمہارا موذن کہاں ہے اسے بلواؤ" فوراً سجاح کا موذن شبث بن ربعی ریاحی حاضر ہوا جس سے مسیلمہ نے کہا "جاؤ تمام مومنین میں پکار دو کہ محمد (صلعم) خدا کے پاس سے جو پانچ نمازیں لائے تھے ان میں سے دو عشا اور فجر کی خدا نے سجاح کے مہر میں مومنین پر سے معاف کر دیں"

یہ مہر پا کے سجاح واپس چلی تو اس کے اصحاب کبار میں سے عطارد بن حاجب عمرو بن اہیم غیلان بن خرشہ اور وہی اس کا موذن شبث بن ربعی ہمراہ رکاب تھے اور خاموش تھے

عطارد نے اپنی حالت پر غور کیا تو استعجاب سا معلوم ہوا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

اَمسَت نبیتنا انثیٰ نطوف بہا — واصبحت انبیاء الناس ذکرانا[ع]

اب مسیلمہ سے صلح تو ہو ہی گئی تھی صلح کے شرائط میں گفتگو شروع ہوئی۔ مسیلمہ نے کہا کہ تم علاقہ یمامہ کا ایک سال کا محصول لو اور چلی جاؤ۔ اس میں سے نصف میں اسی وقت دیتا ہوں اور نصف کیلئے تم اپنا کوئی مختار چھوڑ جاؤ۔ چند روز میں وہ بھی دے دیا جائے گا۔"

سجاح نے یہ شرط قبول کی۔ اپنے معتمد علیہ لوگوں میں سے ہذیل عقہ اور زیاد کو یمامہ میں چھوڑا اور خود اپنے تمام لشکر کے ساتھ ارض جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے آئی تھی تو مسیلمہ سے شادی کر کے واپس کیوں چلی گئی۔ حالانکہ خود مسیلمہ بھی اسی دھن میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد اسے یہ خیال ہوا کہ اب ساری ذمہ داریاں مسیلمہ کے سر ہیں۔ اور اسی کا کام ہے کہ سارے عرب پر قبضہ کر کے جو ملک میرے نامزد کیا ہے میرے حوالہ کرے۔

مگر وہ ادھر گئی ہی تھی کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے خالد بن ولید علم اسلام لیے ہوئے یمامہ میں آ پہنچے۔ اور اگرچہ نہایت ہی سخت لڑائی ہوئی جس میں بعض وقت صحابہ رسول اللہ کو ناکامی کی جھلک نظر آنے لگتی تھی لیکن آخر میں اسلام کی فتح ہوئی مسیلمہ کذاب مارا گیا اور جن لوگوں کو سجاح ملک کی نصف آمدنی لینے کیلئے چھوڑ گئی تھی وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے مسیلمہ کے بعد ہی باقی تمام مفرور اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہوا اور پھر سارے عرب پر ویسی ہی حکومت قائم ہو گئی جیسی کہ جناب سرورِ کائنات صلعم وفات کے وقت چھوڑ گئے تھے،

سجاح کو پھر کبھی فوج جمع کرنے یا کشتی کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ بنی تغلب میں ٹھہر کے نہایت ہی امن و امان اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگی یہاں تک کہ جناب معاویہ کا زمانہ آیا اور ایک سال قحط پڑا جس میں معاویہ نے بنی تغلب کو بصرے میں آباد کرایا جن کے ہمراہ سجاح بھی بصرہ میں آ کے مقیم ہوئی۔ اور اس نے اور اس کی ساری قوم نے دین اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد سجاح سے پوری دینداری ظاہر ہوئی۔ اور خاتمہ بالخیر ہوا مرتے دم تک

ع ہماری پیغمبر ایک عورت ہے جسے ہم لیے لیے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اور سب لوگوں کے پیغمبر مرد ہیں۔

جو صحابہ رسول اللہ میں تھے۔ اور اُن دنوں بصرے کے حاکم تھے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

بہرحال سجاح تو نبی نہ ہی مگر دنیا میں نام کر گئی اور وہ کام کیا جو آج تک دنیا کی اس ساری عمر میں کسی عورت سے نہ ہو سکا تھا۔

میڈم ڈی اسٹائل

اس خاتون کا پورا نام "این جرمن ڈی اسٹائل" تھا "این" در اصل عبرانی نام ہے جس کا تلفظ اُس زبان میں تو حنہ تھا مگر فرنگستان کے مغربی تصرفات نے اسے بگاڑ کے "این" بنا دیا ہے۔ یہ خاتون ملک فرانس کی ایک معزز اور صاحب اثر عالمہ و فاضلہ اور مصنفہ گران پایہ تھی۔ اُس کا باپ "نیکر" شاہ فرانس لوئی شانزدہم کے دربار میں وزیر خزانہ کی معزز خدمت پر سرفراز تھا شہر پیرس میں سنہ ۱۷۶۶ء میں وہ پیدا ہوئی۔ باپ کی امارت اور خوش مذاقی سے اُسے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانے اور بہت ہی نکھرا شائستہ مذاق حاصل کرنے کا موقع مل گیا جسکی بدولت تعلیم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے قابلیت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ کئی ڈراما اور ناول تصنیف کیے جو ملک میں قدر کے ہاتھوں سے لیے اور دلچسپی کے ساتھ پڑھے گئے۔

آخر اُس کے عنفوان شباب حسن و جمال اور اُس کے ساتھ اُس کے علمی مذاق نے سوئٹزرلینڈ کے سفیر متعینہ دربار فرانس "بیرن ڈی اسٹائل ہولسٹین" کو اُس کے جمال و کمال کا ایسا دیوانہ بنا دیا کہ باوجود بہت سن رسیدہ اور معمر ہونے کے اُس نے خوشامد درآمد کر کے اور اطاعت و وفا کیشی کے لمبے چوڑے وعدے کر کے آخر کار این کا سادہ اور بھولا دل جیت ہی لیا۔ اور شادی ہو گئی جس میں دولہا جس قدر معمر تھا اُسی قدر دولہن کمسن اور بچہ تھی۔

شادی کے بعد ۱۷۸۸ء میں جبکہ این کی عمر بارہ ہی برس کی ہوئی چاہیئے اُس کی کتاب "روسون کی تحریروں اور اسکے خصوصیات پر چند خطوط" شائع ہوئی جس نے فرانس کی پبلک پر بے انتہا اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ اسی کتاب کی وجہ سے وہ فرانس کی ایک مقبول عام مصنفہ بن گئی

اس کے بعد جب حکومت فرانس میں انقلاب ہوا۔ اور آزادی کی دلدادہ رعایا نے اپنے تاجدار اور حکمران کے مخالف ہو کے سرتابی و بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور تو بگڑ کر امرا و عہدہ داران سلطنت

کسطرح اس شائستہ خاتون کے سفیر کی بی بی تھی جس سے آزادی پسند اور مدعی جمہوریت فرانسیسیوں سے دوستانہ تعلقات تھے اس لیئے اُسے پیرس میں رہنے کی اجازت دی گئی اس انقلاب میں وہ ابتدا اًر آزادی کے دعویداروں کی دل سے ہمدردی تھی - اور اس انقلاب و بغاوت کو نہایت پسند کرتی تھی - لیکن جب اُسنے فرانس کے شاہی خاندان کی تباہی و بربادی دیکھی - اور یہ نظر آیا کہ شاہزادوں اور اُن کے اعزہ و اقارب کے ساتھ کیسا بہیمیت کا سلوک کیا جاتا ہے تو اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوا - اور اس کے ساتھ ہی وہ مدعیان آزادی کی بےعنوانیوں اور دست درازیوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی - اب شاہی خاندان کی ہمدردی کا خیال اُسکے دل میں اس قدر جوش زن تھا کہ نہایت جرأت سے کام لے کے اپنی کتاب "ملکہ کے مقدمہ پر نظر" کمال آزادی اور بیباکی کے ساتھ چھپوا کے شائع کر دی - جس میں ملکہ میری انٹوانٹ کی جانبداری کی تھی - اور اُسکی بے گناہیوں کا ثبوت دیا تھا - اس کی اشاعت سے لوگ اس قدر برافروختہ ہوئے - اور اس طوفان بےتمیزی کے دور میں اُسے اپنے متعلق ایسے خطرے اور اندیشے معلوم ہوئے کہ سوا جلاوطنی اختیار کرنے کے بچاؤ کی اور کوئی صورت نظر آتی تھی چنانچہ فرانس کو چھوڑ کے باہر چلی گئی -

اس کے بعد جب "ڈاکٹری" مجلس حکومت قائم ہو گئی - اور فرانس کا بدامنی کا زمانہ ختم ہوا تو وہ پھر پیرس میں آئی - اب اُسے پالٹکس سے بڑا شوق تھا - پوری پوری اسٹیٹسمین بنی ہوئی تھی حکومت و تمدن کے حلقوں میں اسکا بے حد اثر تھا - اور مجلس حکومت کے ارکان میں جیسے خیالات یا جو پالیسی چاہتی پھیلا دیتی - اپنی دانائی و ذہانت سے وہ نپولین کے اصلی مقاصد و اغراض کو پہلے ہی سے سمجھ گئی تھی اور ملک میں اُسے سب سے زیادہ خطرناک شخص خیال کرتی تھی جس کی وجہ سے نپولین بوناپارٹ اپنی اولوالعزمی و بلند حوصلگی کے راستہ میں اُسے ہمیشہ مزاحم پاتا - اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیئے وہ جتنی باتیں کرتا اور جو تدبیریں سوچتا اُنکو وہ سخت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی اور لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کر دیتی - اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کامیاب سپہ سالار فرانس نپولین بوناپارٹ جیسے ہی کونسل اول یعنی مدارالمہام سلطنت مقرر ہوا - عہدہ کا چارج ہاتھ میں لیتے ہی اُسنے سب سے پہلے جو احکام جاری کیئے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ "میڈم ڈی اسٹائل" (راین) شہر پیرس

خارج البلد کر دیجائے"۔ اس حکم میں نپولین نے اس خاتون کی نسبت کمال تہذیب سے یہ الفاظ لکھے تھے "اس حوصلہ مند اور جادو بیان خاتون کے لیئے ساری دنیا کھلی پڑی ہے - صرف ایک دار السلطنت فرانس کو میں اپنے واسطے رکھے لیتا ہون" نپولین کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس خاتون کی فصاحت و بلاغت کا وہ کسقدر قائل تھا - اور اس کے اثر سے کسقدر ڈرتا تھا

اس حکم کے بعد اس کا پیرس میں ٹھہرنا غیر ممکن تھا - چنانچہ وہ بارہ وطن کو خیرباد کہہ کے اُسنے سوئٹزرلینڈ اور اِٹالیہ کا سفر شروع کیا۔ مختلف شہرون اور علاقون میں گئی وہان کے لفریب مناظر دیکھے - وہان کی دلچسپیوں سے لطف اُٹھایا - اور وہان کے عادات و اطوار سے واقف ہوئی جن چیزون کا ثبوت اُسکے مشہور ناولوں "ڈیفین"، کورِن سے ملتا ہے،

اس کے بعد سنہ ۱۸۱۰ء میں یکایک اس کی مشہور و معروف کتاب "جرمن"، پیرس میں شائع ہوئی جہان خود اُسے آنے کی اجازت نہ تھی - اس کتاب میں اُسنے جرمن والون کے اطوار و عادات علم و فضل - اور اُن کے پولیٹکل ارادون کی مکمل تصویر دکھائی ہے - حکومت فرانس کو یہ کتاب اپنے مقاصد و اغراض کے بالکل خلاف نظر آئی اشاعت کے ساتھ ہی نپولین کے وزیر پولیس نے اُس کی دس ہزار جلدین پکڑ لیں - میڈم ڈی اسٹائل اُن دنون شہر "کوپٹ" مین تھی - جو جنیوا کی جھیل کے کنارے ہے - پیرس سے نکلنے کے بعد اسی مقام کو اس نے اپنا مستقر قرار دیا تھا اپنی کتابون کے پکڑے جانے کا حال سُنتے ہی اُس نے زور و شور سے اعتراض کیا کہ کیا یہ کارروائی بالکل خلاف ضابطہ ہے - اس کا جواب وزیر پولیس نے یہ دیا کہ "آپ کی یہ کتاب کوئی فرانس کی قومی تصنیف نہیں ہے - اور اسی لیئے میں نے اس کی اشاعت بند کر دی ہے - سابق میں آپ کا جو طرز عمل رہا اُس کا نتیجہ آپ کی جلاوطنی ہے - میں خیال کرتا ہون - کہ فرانس کی آب و ہوا آپ کے مزاج کے موافق نہیں - اس لیئے کہ ہم لوگ ابھی اتنے ذلیل نہیں ہوئے کہ جن قومون کی آپ مدح خوان ہیں اُنھیں سے اپنے لیئے نظیرین تلاش کرین"

اب چونکہ فرانس کی پولیس نے سختی کے ساتھ اس کے حرکات و سکنات کی نگرانی شروع کر دی تھی - اس لیئے اُس نے مملکت فرانس کو چھوڑ دیا - اور اُن کی ریشہ دوانیون کے حلقہ سے بھاگ کے ملک روس میں پہونچی - اور وہان سے چل کے انگلستان میں آئی -

اس کے بعد اُس کی جو کتاب شائع ہوئی اُس کا نام "دوسالہ جلاوطنی" ہے اس میں نہایت ہی جوش کے ساتھ نپولین اور اس کی حکومت کی مخالفت کی ہے، اور اُسے دھمکیاں دی ہیں پھر ۱۸۱۴ء میں نپولین کی علیحدگی کے بعد وہ پیرس میں واپس آئی۔ اور جب شہنشاہ مذکور "البا" سے واپس آیا تب بھی اُسے پیرس میں رہنے کی اجازت رہی۔ اس کے بعد جب مجلس "بوربون" قائم ہوئی تو وہ فرانس چھوڑ کے سوئٹزرلینڈ میں چلی گئی۔ اور یہی زمانہ ہے جب سے اُس نے پالٹکس میں دخل دینا چھوڑ دیا۔

سوئٹزرلینڈ میں عزلت گزین ہونے کے چند روز بعد اُس کے شوہر "بیرن ڈی اسٹائل" نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس نے مخفی طور پر "مسیو روکا" نام ایک شخص کے ساتھ عقد کر لیا اور اسی طرح سوئٹزرلینڈ کے گوشۂ عافیت میں عزلت گزین رہی۔ اس عزلت گزینی کا زمانہ اس نے اپنی مشہور کتاب "انقلاب فرانس پر نظر" کی تصنیف و تدوین میں صرف کیا۔ مگر وہ اس کی زندگی میں نہیں شائع ہو سکی۔ اس آخری تصنیف میں اس نے فرانس کی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے زمانہ کی تصویر بڑی چابکدستی سے دکھائی ہے اور اس دور کے جن جن لوگوں سے اُسے سابقہ پڑا تھا اُن کے وضاع و اطوار کا مرقع بنا کے ناظرین کی نظر کے سامنے پیش کر دیا ہے

مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ یہ کتابیں بھی اُسکی تصنیف ہیں "جذبات کا اثر" "خودکشی" "خیال آفرینی"، یہ تینوں کتابیں دراصل عالمانہ مضامین ہیں۔ جو ان سبجکٹوں پر قلمبند کیے گئے ہیں۔

الغرض میڈم ڈی اسٹائل اپنے عہد کی نہایت ہی قابل مصنفہ اور مدبرہ تھی جس کی کتابیں ہمیشہ مدوح رہینگی آخر اُسی سوئٹزرلینڈ کی خلوت گزینی میں ۱۸۱۷ء میں اُس نے دنیائے فانی کو رخصت کیا اور اُن خوش نصیبوں میں جا ملی جنہوں نے اُس ناموری کی زندگی کے شوق میں اس بیہودہ زندگی کو چھوڑ دیا ہے،

جون آف آرک

(فرانس کی مظلوم حامیۂ وطن)

یوں تو ہر ملک اور ہر قوم میں صدہا نامور عورتیں گزری ہیں جنہوں نے اپنے حسن و جمال

کی قوت سے زمانہ کو مسخر کرلیا - اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھا دیئے مگر جون آف آرک کی شان و وضع کی عورت چراغ لے کے ڈھونڈھیئے تو بھی ساری دنیا میں نظر نہ آئے گی - اس کی سرگذشت جیسی دلچسپ اور حیرت خیز ہے ویسی ہی جگر خراش اور خون رلانے والی بھی ہے،

پندرھویں عیسوی صدی کے آغاز میں مملکت فرانس کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی تھی - شاہ چارلس ششم بالکل فاتر العقل اور مجنون تھا - نہ اُس کے سنبھالے نظام مملکت سنبھلتا تھا - اور نہ بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام ہو سکتی تھی - اُس کا اکلوتا بیٹا ڈوفین نالائق، خوشامدیوں میں گھرا ہوا تھا - اور اُس پر طرہ یہ کہ لوگوں کو اُسکی نسبت باپ کے حلالی بیٹے ہونے میں شبہ تھا - کیونکہ ایک معاہدے کی رو سے سارے حقوق شاہی انگلستان کے بادشاہ ہنری پنجم کو دے دیئے گئے - اور وہ جائز وراثت سے محروم کر دیا گیا - ادھر ڈوفین یعنی چارلس ہفتم کے بنی اعمام اور بھائیوں نے اپنے جتھے باندھ کے ارادہ کیا کہ خود ہی ملک کے مالک بن جائیں خصوصاً ڈیوک آف برگنڈی جو انگریزوں سے ملا ہوا تھا سلطنت کی ہوس کے ساتھ بعض خاندانی نزاعوں کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا - مگر امرا کے سوا عام رعایا چارلس ششم کے بیٹے ڈوفین ہی کی طرف دار تھی - اور اُسی کو حقیقی وارث سلطنت تصور کرتی تھی - ان سب امور کا نتیجہ یہ تھا کہ فرانس کے امرا اور شاہزادوں میں جھگڑے چھڑے ہوئے تھے - دوسری طرف سے انگریزوں کے لشکر نے فرانس کی فوجوں کو شکستیں دیں - اور یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرتے چلے جاتے تھے - آخر کار انگریزوں نے شہر اورلیان کا محاصرہ کر لیا - محصورین کی حالت نازک ہو رہی تھی - اور سلطنت کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا -

ایسے نازک وقت میں ان تمام دشواریوں کے دور کرنے اور فرانس کو تباہی سے بچانے کیلئے خدا نے عجیب و غریب لڑکی جون آف آرک پیدا کی جو ساری دنیا میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

یہ ایک فرانس کی نوعمر دوشیزہ حسین و نازنین تھی جس کا نام .... تھی - زلفیں مشرقی حسینوں کی طرح سیاہ تاباں اور مشکیں تھیں - اور آنکھیں بھی بجائے نیلگوں اور نیلوفری ہونے کے جادو نگاہ ہندوستان مشرق کی طرح خوب کالی اور نہایت ... تھیں - اُس کے بے مثل حسن و جمال سے دلبری کا پورا کمال نمایاں تھا - اور اُسکی ...

اپنی دلربائی کی قوت سے سارے عالم کے مسخر کرنے کا دعویٰ رکھتی تھیں۔

ملک فرانس میں دریائے اوربن کے کنارے ڈومرمی نام ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اس میں جیک آف آرک نام ایک کسان رہتا تھا جو اپنی بی بی ازابو کے ساتھ بستی کے دوسرے لوگوں کے دیکھتے کسی قدر معزز و ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس تھوڑا سا غیر پیداوار سرمایہ تھا۔ مویشیوں کے دو ایک گلے تھے۔ اور اس کے ساتھ خدا نے تین بیٹے دیئے تھے۔ اور دو بیٹیاں۔ انھیں دو بیٹیوں میں سے ایک جون آف آرک تھی جسے لوگ چھوٹی بہن بتاتے ہیں۔ اور بعض بڑی۔

جون آف آرک ۵ ار جنوری ۱۴۱۲ء کو پیدا ہوئی تھی۔ جب ننھی سی بچی تھی اکثر باپ کی بکریاں چرانے کو گاؤں کے اطراف و جوانب میں چلی جاتی۔ اس کی ماں ازابو نے کسی خانقاہ میں تعلیم پائی تھی جس کی وجہ سے اس پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ اور وہی تعلیم اس نے اپنی بیٹیوں کو بھی دی۔ سینا پرونا۔ کاڑھنا۔ چرخہ کاتنا سکھانے کے ساتھ ساتھ اس نے انہیں دعا و عبادت۔ زہد و تقویٰ۔ اور پاکدامنی و عفت شعاری کی اعلیٰ تعلیم دی۔ خصوصاً ابتدا ہی سے جب کہ بیٹیاں اس کے پاس بیٹھا سینا پرونا سیکھتیں تو وہ انہیں سچی ولیوں اور شہیدوں اور بزرگان دین کی داستانیں سنایا کرتی۔

یہ باتیں دوسری بہن پر تو معمولی اثر کرتی تھیں۔ مگر جون کے دل پر فطری استعداد کے باعث عجیب قسم کا اثر ہوا۔ پانچ ہی برس کی تھی کہ ان واقعات کی فکر میں اس پر ایک استغراق اور مراقبہ کا سا عالم طاری ہو جاتا۔ اور کبھی کبھی ان بزرگوں کی صورتیں متشکل ہو کے اس کے خیال کی آنکھوں کے سامنے آکے کھڑی ہو جاتیں۔ اور چند ہی روز میں اسے بار بار نظر آنے لگا کہ عالم خیال میں فرشتے اور روحیں آکے اس سے ملتی اور باتیں کرتی ہیں مگر ان کیفیتوں کو اس نے اپنے پر اسرار سینہ میں مخفی رکھا اور ماں باپ یا کسی پر بھی کوئی بات نہ ظاہر ہونے دی۔

اب وہ تیرہ برس کی نوخیز و سرو قامت دوشیزہ تھی۔ ایک دن گاؤں کے گرجے کے قریب اپنے گاؤں کی نگہبانی کرتی۔ اور ہاتھ میں کوئی کپڑا لیے کاڑھ رہی تھی کہ ناگہاں آنکھوں کے سامنے نور چمکا پھر ایک نورانی پیکر آسمان سے اترتا نظر آیا جس نے قریب آکے کہا "جون! اچھی لڑکی بن!" اس واقعہ سے وہ سہم گئی اور نہایت حیران و پریشان اور بدحواس و ہیبت زدہ تھی۔ مگر ان روحانی مظہروں کا سلسلہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔ بار بار ایسی ہی چیزیں نظر آتیں جن کے ذریعہ سے اسے ہدایت کی جانے لگی۔

کہ "اٹھ! خدا نے جس کام کیلیے تجھے پیدا کیا ہے اُسے پورا کرا جا۔ اور بادشاہ فرانس کی مدد کر۔ کیونکہ
تو ہی ملک کی پشت و پناہی کریگی"۔ یہ باتیں سن کے وہ اور زیادہ سہم گئی بعض اوقات کانپتی،
تھرتھراتی اور اپنی بےبسی پر رونے لگتی۔ اور تبسم فشان سے آنسو پونچھ کے کہتی "مجھ سی غریب
ناتوان و ناکارہ لڑکی کیا کر سکتی ہے؟ میں نہ گھوڑے پر سوار ہونا جانتی ہوں۔ نہ تلوار چلانا
جانتی ہوں۔ پھر فرانس کی کیا خاک مدد کروں گی؟"۔

اب اُس میں ضبط کا یارہ نہ تھا۔ دلی جذبات کے ظاہر کرنے کیلیے بیتاب تھی مگر کسی سے
کچھ کہتے ہی نہ بنتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔ اور اپنے ایک عزیز ہم سن لڑکے سے جس کا نام جرارڈ تھا اور
ایک ایسے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ جہاں کے لوگ شاہ فرانس کے خلاف اور ڈیوک آف برگنڈی
کے طرفدار تھے اُسنے دبی زبان میں کہا "اگر تم برگنڈی کے طرفدار نہ ہوتے تو میں تم سے ایک بات
کہتی!" جرارڈ دل ہی دل میں جون کے رخ زیبا کا فریفتہ ہو رہا تھا یہ کلمات سنکے خوش ہوا اور
سمجھا کہ "غالباً میری طرح یہ بھی میری طرف مائل ہے شادی کا تذکرہ چھیڑے گی" مگر وہ ہزار
پوچھتا رہا جون نے کچھ نہ بتایا۔ اور لب تک آئی ہوئی بات کو پھیر دیا۔

وہ نورانی صورتیں جو اُسکے پاس آیا کرتیں انھوں نے اُسے یہی بتایا تھا کہ مقام دوکولر کے کپتان
کے ذریعہ سے تو بادشاہ فرانس چارلس ہفتم سے مل۔ اسی جگہ میں تھی کہ اس کپتان سے کیونکر ملوں کہ اتفاقاً ڈربونڈ
لکسزارٹ نام اُسکا ایک رشتہ دار اُسکے والدین سے ملنے کو آیا۔ جو مقام دوکولر کے قریب ہی رہتا تھا جون نے
تنہائی میں موقع پا کے اُس سے التجا کی کہ چند روز کیلیے آپ مجھے اپنے ساتھ لیتے چلیے۔ اور ابا جان سے کہہ
کر دیجیے۔ کہ چچی اماں (آپ کی بی بی) نے مجھے بلایا ہے ڈیورنڈ نے جون کی یہ خواہش پوری کر دی اور
اُسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ وہاں پہونچ کے ایک دن جون نے جی کڑا کر کے ڈیورنڈ سے کہا "آپ
دوکولر کے کپتان کے پاس میرا اتنا پیغام پہونچا دیجیے کہ مجھے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس پہنچا دیں
اسلیے کہ میں اُنکی مدد کرنے اور انگریزوں کو فرانس سے مار کے نکال دینے کی اہم خدمت پر مامور ہوئی ہوں"
ڈیورنڈ یہ باتیں سنکے حیرت زدہ ہو گیا۔ پھر اُس کی حالت اور کیفیت دریافت کی۔ اور گو یہ باتیں اُسے
نہایت لغو نظر آتی تھیں۔ مگر اُسکا پیغام لیکے کپتان کے پاس چلا گیا۔ کپتان نے سنتے ہی ایک قہقہہ
لگایا اور کہا "تمھاری عقل جاتی رہی ہے اُس چھوکری کے دو دھولیں لگاؤ۔ اور اُسکے گھر بھیجدو۔"

انگریزوں کا مقابلہ اور ایک کنواری لڑکی! بھلا کوئی سمجھ میں آنے کے قابل بات ہے؟" ڈیبورنڈ نادم ہو کے واپس آیا۔ اور کپتان کا جواب صاف صاف جون سے بیان کر دیا۔

اب جون بظاہر تو خاموش رہی مگر دل کو کسیطرح قرار نہ آتا تھا۔ ناکام و نامراد باپ کے گھر میں واپس آئی۔ اب اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ باپ کو بھی خبر ہو گئی اور اُسکے دل میں خیال گذرا کہ معلوم ہوتا ہے جون کے دل میں آوارگی کے خیالات پیدا ہو گئے ہیں اور بدکار و بداخلاق فوجی سپاہیوں میں جا کے رہنا چاہتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی مارے غیرت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور یہ حالت تھی کہ کبھی خودکشی پر آمادہ ہو جاتا۔ اور کبھی بیٹی کی جان لینے پر۔ مگر جون نے ان باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ کیونکہ اُسے محبت وطن کی دُھن بندھی ہوئی تھی۔ اور روحانی قوت نے اُسمیں ہمت۔ حوصلہ۔ جرأت۔ شجاعت۔ سپہگری۔ شہسواری۔ ملک گیری اور علم و فضل کے تمام کمالات پیدا کر دیئے تھے آخر دو ایسے نوعمر ساتھی بھی مل گئے جو اُسکے طرفدار اور حامی و مددگار بنے۔ اور انہیں ساتھ لے کے ۲۳ فروری سنہ ۱۴۲۹ء کو جب اُسکی عمر ہنوز ۱۶ یا ۱۷ برس کی تھی۔ وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اہل وطن نے روکا کہ راستہ دشوار اور آجکل ملک میں انگریزی لشکروں کے پھیلے ہوئے کے باعث خطرناک ہو رہا ہے مگر اُسنے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ "میں ایسے خطروں کی برداشت کرنے ہی کیلئے پیدا ہوئی ہوں" سفر پر قدم رکھتے وقت مردانے کپڑے پہن لیئے ہتھیار لگائے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئی۔ اور وطن کو خیرباد کر دی

چارلس ہفتم ان دنوں شہر شینون میں تھا۔ جہاں اُسکے گرد فضول مصاحبوں صدہا عورتوں اور بہت سے تباہ کرنے والے ناعاقبت اندیش افسروں کا ہجوم تھا راستہ میں طرح طرح کے خطرے دیکھ کے جون راتوں کو سفر کرتی۔ اور دن کو کسی پناہ کی جگہ ٹھہر جاتی۔ گیارہ دن کی دشت نوردی کے بعد یہ سفر ختم ہوا۔ اور وہ شینون کے قریب فیبربوا نام ایک گاؤں میں ٹھہر گئی۔ یہاں سے اس نے بادشاہ چارلس کو اپنے آنے کی خبر کی۔ اور کہلا بھیجا کہ میں آپ کے تخت کو بچاؤں گی۔ شہر اورلیان پر سے انگریزوں کا محاصرہ اٹھاؤنگی۔ اور مقام رائمز میں آپ کو تاج شاہی پہناؤں گی۔" جس سے وہ محروم کر دیا گیا تھا۔

جون کے قاصد نے بادشاہ کی باریابی حاصل کر کے جیسے ہی یہ پیغام پہونچایا بادشاہ کو غصہ سا آ گیا کہ ایک کم سن چھوکری۔ اور میری امداد کا دعویٰ۔ پھر ایک زہرخند کے ساتھ بولا "اچھا میں تو اس بارے میں وزیروں سے مشورہ کر لوں تو جواب دوں۔" وزیروں اور مشیروں کے سامنے یہ معاملہ

پیش کیا گیا تو ایک گروہ نے اس درخواست کا مضحکہ اڑایا اور ایک گروہ کی رائے قرار پائی کہ اُسے اپنی
تدبیرین عمل میں لانے کا موقع دیا جائے کیونکہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں نظر آتا۔ تین دن تک ان
لوگون میں بحثیں ہوتی رہیں۔ اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خود بادشاہ موافق و مخالف
گروہون کے بین بین تھا۔ آخر اُس کے دل میں آئی کہ اچھا کوئی امر طے کرنے سے پہلے میں اُس سے مل کے
اُسے آزما تو لوں۔ فوراً قاصد واپس گئے کہ جون کو لے آئیں۔ اور اُن کے جانے کے بعد اُس عجیب
غریب حسینہ لڑکی سے ملنے کے لئے اُس نے دربار مرتب کیا تو اپنی جگہ اپنے کسی افسر کو اپنے کپڑے
پہنا کے صدر میں بٹھا دیا اور خود نہایت ہی ناموزون وضع کے کپڑے پہن کے درباریون میں مل گیا۔ جون آئی
حاضرین دربار کی صفون چیرتی ہوئی صدر میں آئی۔ صدر نشین کو دیکھا۔ پھر تمام حاضرین کے چہرون پر
ایک اجمالی نظر ڈالی اور لپک کے خود چارلس ہفتم کے سامنے پہونچی۔ ادب سے سر جھکا دیا۔ اور بولی
"پروردگار بادشاہ کی عمر دراز" چارلس نے کہا "میں بادشاہ نہیں بادشاہ وہ صدر میں بیٹھے ہیں"
جون نے ادب سے عرض کیا "بادشاہ تو آپ ہی ہیں اور میں ایک غریب لڑکی ہون جو روح القدس
کی جانب سے اس خدمت پر مامور ہوئی ہون کہ آپ کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کرون"

جون کی سادگی۔ خوبصورتی۔ اور اُسکی باتون نے چارلس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ امرائے دربار سے
الگ تخلیہ میں جا کے اُس سے ملا۔ اس موقع پر جون نے ایسی باتیں بتا دین جو چارلس کے خیال میں
اُسکے سوا دنیا بھر میں کسی کو نہیں معلوم تھیں۔ اس ملاقات کے بعد بادشاہ دربار میں برآمد ہوا
اور تمام وزرا و امرا سے کہا "مجھے تو اس پاکدل لڑکی کی سچائی کا پورا یقین ہو گیا تاہم تم سب لوگون
کے اطمینان کے لیے میں اس کا اور امتحان کرتا ہوں" یہ کہہ کے اُس نے شہر کے بڑے بڑے مقتدایان
دین اسقفون۔ عالمون۔ اور مختلف علوم کے باکمالون کو جمع کر کے جون کو اُن کے سامنے پیش کیا کہ جس
مسئلہ کو چاہیں اُس سے پوچھیں۔ عالموں نے مشکل سے مشکل مسئلے چھیڑے اور سب کا ایسے صحیح
و برجستہ جواب جون نے اپنے فصیح و بلیغ الفاظ اور دلکش لب و لہجہ میں دیے کہ سب اُس کے علم و فضل
کے سامنے عاجز آگئے اور سارا دربار معتقد ہو گیا۔

اب کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں باقی تھی۔ اور چارلس تو اُس کا عقیدت کیش مرید ہی بن
گیا تھا۔ فوراً اُس نے شاہانہ [illegible] اور کہا آپ کا [illegible] فوج کشی کے لیے روانہ

ہوجانا چاہیئے" اور جون اُس کی افسری کے فوراً روانہ ہوگئی - اب جون کی عجیب شان تھی ایک ہاتھ میں
نیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں شاہی علم زر دوزی سے آراستہ - آپ زرہ بکتر سے آراستہ آپ زرہ بکتر سے آراستہ
شانوں پر بکھرائے گھوڑے پر سوار فوج کے آگے آگے جارہی تھی - سپاہیوں کے دلوں میں شاید خیال
گذرا ہو کہ یہ گھوڑے تک پر بھی سوار نہیں ہوئی دشمنوں سے کیا مقابلہ کریگی - مگر اس نے تھوڑی ہی دیر
چابک سواری کے ایسے کمالات دکھا دیئے کہ کل ہمراہی سوار مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے -

شہر اورلیان کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی - انگریز بہت ہی سختی سے محاصرہ کیئے ہوئے
تھے شہر والوں میں ذرا بھی دم نہیں باقی رہا تھا اور جو فرانسیسی لشکر انگریزوں سے مقابلہ کر رہا تھا
اُس کے حوصلے پست تھے - اور کچھ بنائے نہ بنتی تھی - اور سلطنت میں اتنی قوت نہیں باقی رہی تھی کہ
محصورین کی کمک کر سکے ایسی حالت میں جون آف آرک شاہی گارد کو لیئے ہوئے جوش و خروش کی
پہونچی - یہاں پہنچکے لڑائی کا آغاز اُسنے اس طور سے کیا کہ اپنی فوج میں سے تمام زانیہ عورتوں کو
نکلوا دیا سپاہیوں کو زناکاری سے توبہ کرا کے اُن کے دل پاک و صاف کیئے - پھر اُن کے دلوں میں
اُمید و رجا کی شمعیں روشن کیں - اور سب سے کہا "بس خدا پر بھروسا رکھنا" اس کے بعد اُسنے
ایسی سختی سے حملہ کیا کہ پہلے ہی دن کی لڑائی میں اہل شہر کی اُمیدیں مضبوط ہوگئیں - انگریزوں
میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور لڑائی کا رنگ بدل گیا -

لیکن سچ یہ ہے کہ اُن دنوں فرانس والے نہایت ہی نالائق ہو رہے تھے - اور اس قابل
نہ تھے کہ خدا اُن کی دستگیری کیلیئے جون آف آرک کے ایسے فرشتۂ رحمت کو بھیجتا - انگریزوں میں
تو یہ خیال مشہور ہوا کہ یہ عورت جادوگرنی ہے جس سے وہ ہیبت کھانے لگے مگر فرانسیسی افسروں نے
ناشکری کا پہلا اظہار یہ کیا کہ ایک عورت کی ماتحتی اور اُس کے مشوروں پر عمل کرنے کو حقارت و
ذلت سمجھے - اور خود بادشاہ کے شاکی ہوئے کہ ایک گنوار چھوکری کو ہم پر سردار مقرر کیا ہے - اور
انتہا ہی ہے اُن کی وضع یہ تھی کہ جون کی مخالفت کرتے - اُسکے احکام کے خلاف کارروائیاں کرتے
اُسکی تذلیل و تحقیر کے لیے سازشیں کرتے اور محض اُسکی عداوت کے خیال سے لڑائی کا رنگ بدلنے
اور قومی سلطنت کے ذلیل کرانے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتے جون ان سب باتوں کو دیکھتی اور
سمجھتی تھی - مگر حمایت وطن میں اُس کے قدم کو ذرا بھی لغزش نہ ہوتی -

بہرحال جون نے انگریزوں سے مقابلہ شروع کیا تو ان کے حواس جاتے رہے اور آغاز جنگ ہی میں انھیں اپنی کامیابی مشتبہ نظر آنے لگی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ یہ اگر جادوگرنی نہیں تو کوئی فرشتہ ہے جو دشمنوں کی مدد کیلئے آسمان پر سے اتر آیا ہے۔ اب جون نے خود حملہ کا قصد کیا۔ سفید براق کپڑے زیب بدن کیئے۔ کالی کالی زلفیں پیٹھ پر پھیلا ہوئیں۔ نقرۂ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ ایک ہاتھ میں نیزہ اور ایک میں علم لیا۔ اور شاہی گارد کو لے کے بیری بول دیا۔ یہ ایسا زبردست حملہ تھا کہ انگریزوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور پریشان و بدحواس بھاگے۔ اس کے بعد اور لیان میں اس نے انگریزوں کو تابڑ توڑ شکستیں دیں۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے بہت نقصان اٹھا کے محاصرہ چھوڑ دیا۔ اور روانہ ہو گئے۔

اس کی اس کامیابی پر فرانسیسی افسران فوج کے دلوں میں آتش حسد اور بھڑکی خصوصاً اس لیئے کہ ان کی مخالفت نے بھی جون کی فتحمندی میں فرق نہ آنے دیا۔ جون فتح حاصل کر کے شہر "ربکوا" میں گئی کہ بادشاہ کو مژدۂ فتح سنائے اب اس کی اسقدر شہرت ہو گئی تھی کہ تمام اہل فرانس اسکے نام پر فریفتہ اور اسکی زیارت کے مشتاق تھے۔ جدھر سے اس کا گذر ہوتا ہزارہا خلقت کا انبوہ اسکی صورت زیبا دیکھنے کے لیئے جمع ہو جاتا جوش و خروش سے اس کی تعظیم کے لیئے جھکتے اس کے قدم چومتے۔ جو خاک اس کے پاؤں سے چھو جاتی۔ اسے چومتے اور متبرک خیال کرتے شہر بلوا والوں نے بڑی ہی گرمجوشی سے اسکا استقبال کیا۔ اور بادشاہ نے مژدۂ فتح سننے کے بعد اظہار شکرگزاری کیلیئے اسے اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔ مگر جون نے قطعاً انکار کیا اور کہا "یہ وقت کوشش اور جان کھپانے کا ہے۔ نہ مزے اڑانے اور دعوتیں کھانے کا"

روح القدس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میرے سفر آخرت کرنے کا وقت قریب آ گیا ہے اور دو سال سے زیادہ زندگی نہیں باقی ہے، اس لیئے فوراً شہر رائن میں چلیئے تاکہ میں آپ کو اپنے ہاتھ سے تاج شاہی پہنا دوں۔ اس کے بعد خدا جو چاہے کرے" اس طریقہ سے اس نے چارلس ہفتم کو مجبور کر دیا کہ بہت جلد اس کے ساتھ شہر رائن کیطرف کوچ کرے۔

آخر چارلس ہفتم کو ساتھ لیکے وہ بڑے کروفر سے اور عجیب شان و شوکت کیساتھ روانہ ہوئی۔ بادشاہ کے آگے آگے سفید کپڑے پہنے، زلفیں بکھرائے سفید گھوڑے پر سوار

اور فرانس کا علم ہاتھ میں لیے ہوئے وہ تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ انسان نہیں کوئی فرشتہ ہے جو مملکت فرانس کی حمایت اور شاہ چارلس کی پشت پناہی کیلئے آسمان سے اُتر آیا ہے یہ شاہی لشکر ایک قسم کی روحانی عظمت کی شان دکھاتا ہوا شہر جارجو کے قریب پہنچا جس پر انگلستان والوں کا قبضہ تھا انگریز پہلے تو اس قدر غالب آچکے تھے کہ اپنے آپ کو سارے ملک فرانس کا مالک تصور کرتے تھے اور انہیں اپنی فتح میں ذرا بھی شک و شبہ نہ تھا۔ مگر اب جون کی کارروائیوں نے اُن کی اس کامیابی کی رفتار میں ایک فوری انقلاب پیدا کر کے انہیں پسپا کرنا شروع کر دیا تھا اور اُن کے دلوں پر جون کی ہیبت بیٹھ گئی تھی تاہم انگریزوں کی حمیت نے اس بات کو گوارا نہ کیا شہر کو بسلامت فرانسیسیوں کے حوالہ کر دیں وہ مزاحمت کے لیئے تیار ہوئے اور جون نے اُن پر بلا تامل جوش و خروش سے دھاوا کیا اُسکی جانبازی نے فرانسیسی سپاہیوں کے مردہ دلوں میں نئی زندگی پیدا کی خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ جون آف آرک بغیر اسکے کہ ذرا بھی ہچکچائے اور اسکے قدم کو کچھ بھی لغزش ہو جھنڈے کو ہلاتی ہوئی سیڑھی لگا کے شہر پناہ پر چڑھ گئی تو سب نے جان پر کھیل کے چاروں طرف سے یورش کر دی۔

لیکن خود جون جب سیڑھی کے اوپر کے زینہ تک پہونچی اور شہر پناہ پر قدم رکھنے کو تھی۔ کہ ناگہاں سیڑھی لڑھک کے نیچے آ رہی۔ اور اس کے ساتھ ہی جون آف آرک بھی کھائی کے اندر نیچی گرنے میں کچھ ایسی چوٹ آئی کہ جون کو غش آ گیا۔ مگر ہوش آتے ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔ اٹھ کھڑی ہوئی گرد جھاڑ کے اوپر آئی۔ اور فوج کو للکارا کہ ”بہادرو اسی حملہ پر لڑائی ختم ہے۔ اور فتح تمہارے ہاتھ ہے!“ ان سحر آگین الفاظ نے سب میں کچھ ایسا بلا کا جوش پیدا کر دیا کہ سر ہتھیلیوں پر رکھ کے بڑھے اور آناً فاناً میں انگریزوں کو مغلوب کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد شہر انگریزوں کے قبضہ میں نہ تھا۔

اس معرکہ کے بعد انگریزوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور انہیں کلیتہً مایوسی ہو گئی چنانچہ اُنکے سپہ سالار اعظم ٹالبوٹ نے خود بھی مصلحت دیکھ کے فرانس کے تمام شہروں پر سے اپنا قبضہ اٹھا لیا۔ اور سارے انگریزی لشکروں کو جو مختلف اطراف اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ یکجا کر کے دار السلطنت پیرس کا ارادہ کیا۔

دوسری طرف جون آف آرک برابر شکستیں دیتی اور فتحوں پر فتحیں حاصل کرتی بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور اس کے مقابل کسی جگہ انگریزوں کا قدم نہ ٹکتا تھا۔ آخر وہ شہر ریمز میں پہونچی

جہاں ۱۷ جولائی سنہ ۱۴۲۹ء کو اس نے بڑے ہی اہتمام اور نہایت تزک و احتشام سے شاہ چارلس
کو تاج شاہی پہنایا۔ تاجپوشی کے وقت جون حسب معمول سفید لباس پہنے اور علم ہاتھ میں لیے تخت
کے آگے کھڑی تھی۔ بادشاہ کو تاج مقتدائے دین نے پہنایا۔ اور اُسکی کمر میں تلوار جون نے اپنے ہاتھ سے باندھی

ان سب باتوں کو وہ ایک عجیب خلوص اور جوش مسرت سے اپنے ایک دینی اور روحانی فرض
کی طرح بجالائی اور جب تمام رسوم تاجپوشی ادا ہو چکے تو اُس پر ایک رقت کا عالم طاری ہوا۔ آنکھوں میں
آنسو بھر آئے۔ فوراً جھک کے چارلس کے قدموں سے لپٹ گئی۔ اپنے گرم آنسوؤں سے اُس کے قدم
دھوئے اور نہایت جوش کے ساتھ بولی "اب حضور کی فتح پوری ہو گئی۔ اور میں نے جو کہا تھا۔
کر دکھایا بس اب مجھے آزاد کیجیے کہ خوش خوش اپنے گھر جاؤں اپنے اُسی سنسان گاؤں اور
گوشہ تنہائی میں ٹھہر کے چرخا کاتوں۔ اور باپ کی بھیڑیں چراؤں جن مشغلوں میں کہ میں اس سے پہلے
مصروف تھی" چارلس نے یہ کلمات سن کے کہا "دیکھو اب میں اپنے اُس حامی اور پشت پناہ قوم
کو چھوڑ سکتا ہوں جس نے قوم کو ہلاکت سے بچایا ہے؟ اب ملک کی ترقی اور قوم کی بہبود تمہارے
ہی دم قدم سے وابستہ ہے اور مجھ سے نہ ہوگا کہ کامیابی کے بعد تمہارا دامن ہاتھ سے چھوڑ دوں"

بادشاہ کا یہ جملہ ساری قوم کی آرزوؤں کا ترجمان تھا۔ اس لیے کہ اب فرانس کی ساری
خلقت کو جون سے بے حد عقیدت تھی۔ اور سوا چند امرا اور فوجی افسروں کے جن لوگوں کو جون کے
ساتھ بغض و عناد تھا سارے اہل فرانس جون ہی کی رفاقت میں اپنی فلاح سمجھتے تھے اُس کے
جھنڈے کے گرد انہیں تمام بزرگان سلف اور ولیوں کی روحیں نظر آتی تھیں۔ بادشاہ کے روکنے
سے وہ رک تو گئی۔ مگر اُسی گھڑی سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسرت و شادمانی ہمیشہ کیلیے
اُس کے دل سے رخصت ہو گئی۔ اور گویا وہ بالکل بدل گئی۔ اب اُس میں نہ وہ قومی حمیت نظر
آتی تھی اور نہ وہ اگلی جوانمردی و شجاعت۔ نہ وہ رویائے صادقہ تھے اور نہ وہ الہام اور روحانی
مکاشفات۔ اُس کی سیرت و طبیعت اُس کے اوضاع و اطوار۔ اور اُس کے افعال و اقوال میں
ایسا حیرت انگیز انقلاب ہو گیا کہ اُس کی باتیں سن کے اور اُس کی حالت دیکھ کے لوگوں کو تعجب
ہوتا تھا۔ اب بجائے اُس جوش اور اولوالعزمی کے وہ طرح طرح کے اوہام اور رکیک خیالات میں
مبتلا اور اپنی حالت پر ایسی متحیر نظر آتی ہر وقت رویا کرتی اور جیسے وہ ساری قوت الٰہی اُس سے سلب ہو گئی تھی

مگر یہ مزاجی انقلاب دیکھنے پر بھی بادشاہ نے اُسے اپنے پاس سے نہ جانے دیا اور آخر اُسنے
رائن کے گرجے سے اپنے اسلحہ پھر لے کے جسم پر آراستہ کیے شہسواروں کی فوج بنائی اور معرکآرائی
کے لیئے روانہ ہوئی۔ لیکن خرابی یہ تھی کہ ادھر تو خود جون اس طرح بدل گئی تھی۔ اور اُدھر اُمرائے
فرانس کے دلوں میں اُس کا بغض اور بڑھ گیا تھا۔ اس لیئے کہ بادشاہ کو جون پر مہربان اور مہربانیں
اُس کا مطیع فرمان دیکھ کے وہ آتش حسد سے جلے مرتے تھے۔ وہ اُس پر طعن و تشنیع کرتے روز اُس
پر جھوٹے اتہام لگاتے۔ اُس کے کارناموں کو برائی کے لباس میں دکھاتے۔ اُسے بدنام کرتے۔
اور لشکریوں کو اُس کی طرف سے بدظن کر کر کے نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ کرتے۔ یہاں تک کہ اُسکے
دامن پر بدکاری کے دھبے لگانے میں بھی محسن کش امرائے فرانس نے دریغ نہ کیا۔ جون کا معمول
تھا کہ اب سوا شریف و پاکدامن خاتونوں اور پاکدامن نتوں کے اور کسی کی صحبت میں نہ بیٹھتی
کسی مرد سے خلا ملا نہ رکھتی۔ معزز اور آبرو دار عورتوں میں اپنی راتیں بسر کیا کرتی۔ اور کسی کو
اُس پر الزام لگانے کا کوئی موقع نہ مل سکتا۔ مگر اُس پر بھی بد طینت اور ناسپاس امرائے فرانس
نے اُس کے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ وہ نہایت سختی کے ساتھ اُن کے الزاموں کی
تردید کرتی۔ مگر سچ یہ ہے کہ فرانس والوں نے اپنی افترا پردازیوں اور ناحق شناسیوں سے اُس کے
بے لوث اور پاک صاف دل کو بڑے بڑے چرکے دیئے۔ اور جون کی نیک نفسی اس مزاجی انقلاب
کے بعد بھی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اُسنے اپنے ہاتھ سے کسی کو آزار پہونچانا نہیں گوارا کیا بادشاہ
اور لشکری سب اُسکے ساتھ تھے اور اُس کے اختیار میں تھا کہ جس افسر کو چاہتی قتل کی سزا دلواتی
یا ایک معمولی اشارے سے مروا ڈالتی۔ مگر اُس سے یہ نہ ہو سکا کہ چاہے کیسا ہی دشمن اور اتہام
لگانے والا ہو۔ اُس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اس بارے میں سخت سے سخت غصہ کے موقع
پر بھی اُس کی تسلیم و رضا میں فرق نہیں آیا۔

اب جون نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ خاص پیرس پر حملہ کر کے انگریزوں کو
شکست دے اور فرانس کے دارالسلطنت کو اپنے قبضہ میں لائے اس ہدایت کے مطابق
چارلس لشکر لے کے چلا۔ اور جون ہمراہ رکاب ہوئی تا بڑا تو ڑ کوزج کر کے شاہی لشکر پیرس کے
گرد اُترا۔ راستہ میں بھی کئی فتحیں ہوئیں۔ اکثر شہروں نے خود ہی سر اطاعت جھکا دیا۔ آخر شاہ

چارلس کے اشارے سے اُس نے مقام سینٹ اونورے پر دھاوا کیا۔ جہاں کہ دشمنوں کا پڑاؤ تھا
اگرچہ جون نے کبھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے نہیں قتل کیا۔ اور نہ کسی پر تلوار نیزے یا کسی حربے سے
وار کیا۔ مگر حملہ آوری میں ہمیشہ سپاہیوں سے آگے رہتی اور سب سے پہلے حریف کے قلعہ پہ
جا پہونچتی تھی۔ اسی میدان میں وہ کئی بار زخمی ہو کے گری اور غش آ گیا اور پھر یہ معمول تھا کہ جب
غش سے سکون ہوتا اور ہوش و حواس بجا ہوتے تو بادشاہ سے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگتی
مگر چارلس نے کسی طرح منظور نہ کیا اور آخر میں کہا "تمہارے اعلیٰ خدمات کے صلہ میں تمہارے
گاؤں کی مالگذاری معاف کر دی جائے گی۔ اور کوئی بات اعلیٰ درجہ کی معزز خدمت تمہارے
سپرد کی جائے گی" گو کہ ان وعدوں کا اُس پر کچھ اثر نہ پڑ سکتا تھا مگر بادشاہ کے اصرار سے
مجبوراً اُسے شاہی رفاقت اور درباداری کی زندگی اختیار کرنا ہی پڑی۔

اس کے بعد بہت سے واقعے پیش آئے جن میں اگرچہ کامیابی ہوتی مگر امرائے فرانس کی
فتنہ پردازیاں اور جون کے بدنام کرنے کی کارروائیاں بدستور جاری تھیں۔ بلکہ روز بروز بڑھتی
ہی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ چارلس نے اُس کے ذمہ یہ خدمت کی کہ فوج لے
کے جائے اور انگریزوں کو شہر کومپین سے مار کے نکال دے۔ یہ شاہی حکم پاتے ہی وہ مسلح ہو کے
روانہ ہوئی۔ اور شہر پر پہونچ کے جوش و خروش سے حملہ کی تیاریاں کرنے لگی۔ اس موقع پر
فرانسیسی افسروں کی ناپاک سازشوں کا یہ اثر نمایاں ہوا کہ اُس نے فوج کو حملہ کا حکم دیا
اور یورش کرنے کیلئے بڑھی تو فوج والوں نے بجائے اس کے کہ اُس کے حکم پر عمل کریں انحراف کیا
اسی قدر نہیں بلکہ وہ جون کی نسبت اہانت و اتہام کے الفاظ زبان پر لائے جون نے اپنی توہین کا
تو کچھ خیال نہیں کیا مگر انہیں حملہ کے لئے ابھارا اور خود دشمنوں کی طرف بڑھی۔ اب وہ تنہا دشمنوں
کی طرف بڑھتی چلی جاتی تھی اور گویا تن تنہا قلعہ پر قبضہ کر لینے کی آرزومند تھی۔ مگر ہمراہیوں نے
کسی طرح ساتھ نہ دیا۔ بلکہ شکست کھا کے بھاگے۔ ناگہاں فرانسیسیوں ہی کے ایک گروہ نے
جو انگریزوں کا طرفدار تھا۔ اُسے گھیر لیا۔ اور گھوڑے سے کھینچ کے گرفتار کر لیا۔ اور کمال ناشکری
و احسان فراموشی سے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ جو کہ جون کے خون کے پیاسے اور اُسے بڑی بھاری
خطرناک جادوگرنی تصور کرتے تھے۔ جون کی گرفتاری کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگ اُس کی زیارت

کرانے لگے۔ عوام میں تو ہمدردی کا جوش تھا۔ اور غربا اُسکی اسیری پر آہ و زاری کر رہے تھے مگر امرائے فرانس کی یہ حالت تھی کہ گویا جون کے سب سے بڑے جانی دشمن وہی تھے۔ اُنہوں نے فوراً انگریزوں سے صلح کر لی۔ بلکہ اپنی عجیب غریب بے نفس محسنہ کو اُن کے حوالہ کر کے اُنکے مطیع فرمان بنگئے

اب علانیہ دھڑلّے سے جون کی ہر بات پر اعتراض ہو رہا تھا۔ اُس کی ہر ایک کارروائی پر نکتہ چینیاں ہو رہی تھیں۔ اور اُس کے طرح طرح کے نام رکھے اور اُسے ہر قسم کے الزام دئے جاتے تھے۔ اور وہ نہایت استقلال و جوانمردی سے بغیر اس کے کہ تیوریوں پر ذرا بھی بل آئے۔ یا کسی قسم کی فکر ہی چہرہ سے ظاہر ہو اپنے قیدخانہ میں خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اور تو اور قوم فرانس کی دنائت و ذلت کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا۔ کہ خود شاہ چارلس جسے اُس نے بادشاہ بنایا۔ اب کمال ناشکری کے ساتھ اُسکا دشمن تھا۔ اور دیگر اُمرا کی طرح وہ بھی جون کے نام کی توہین کرتا اور اُسے طرح طرح کے عیب لگاتا تھا۔ پیرس والے جون کے سب سے زیادہ خلاف تھے اور انگریزوں کو بار بار اُبھارتے تھے۔ کہ جون زندہ نہ چھوڑی جائے اور اُسے نہایت ہی سخت سزا دیجائے چنانچہ وہ اسیروں کی طرح فرانس کے قلعے جان دی لکسں برگ میں رکھی گئی۔ انگریزی عدالت کے سامنے اُس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور شاہ انگلستان ہنری نے اِس مقدمہ کی سماعت کے لیے دو جج مقرر کیے۔ اِس مقدمہ کے دوران میں وہ ۱۶ مرتبہ اجلاس کے سامنے لاکے پیش کی گئی اور ہر بار اُس سے عجیب استقلال ظاہر ہوتا تھا اور تمام الزامات کا وہ ایسا معقول جواب دیتی کہ کسی کو جواب دیتے نہ بن پڑتی۔ آخر جب اُسے کوئی الزام نہ عائد کیا جاسکا تو صرف اس بنا پر کہ وہ جادوگرنی ہے اُسے حبس دوام کی سزا دے دیگئی۔ اور صرف روٹی اور پانی اُس کی غذا مقرر ہوئی۔

اسی سلسلہ میں اُس سے قسم کھلا کے عہد لیا گیا۔ کہ اب کبھی مردانے کپڑے نہ پہنونگی اور یہ حلف لینے کے دو چار روز بعد یہ چالاکی کی گئی کہ جب وہ سوتے کے کپڑے پہن کے سو رہی تو کسی نے چپکے سے جاکے اُس کے کپڑے غائب کر دیئے اور اُن کی جگہ ایک مردانہ جوڑا رکھدیا گیا۔ صبح کو جاگنے کے بعد جب اُس نے خوابگاہ کے کمرے سے نکلنا چاہا تو مردانہ کپڑوں کے سوا اور کوئی لباس نہ ملا۔ مجبوراً اُنہیں کپڑوں کو پہن کے خوابگاہ سے نکلی۔ ساتھ ہی چاروں طرف کے لوگوں نے شور کیا کہ تم نے اپنی قسم اور اپنے عہد کے خلاف کیا اور اسی لباس میں اُسے حاکم کے

سامنے پکڑے گئے۔ اور اس بات کی شہادتیں پیش کیں کہ اس نے پھر مردانے کپڑے پہنے اور حضور کے ملاحظے کیلئے ہم اُسے مع اس لباس کے لے آئے ہیں مجسٹریٹ نے باضابطہ کارروائی کرکے غریب جون پر دروغ حلفی کا جرم عائد کیا۔ اور اس کی سزا یہ تجویز کی کہ زندہ آگ میں جلا دی جائے جو کہ اُن دنوں عموماً جادوگرنیوں اور ڈائنوں کی مروج سزا تھی۔ جون نے نہایت ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے یہ حکم سنا اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "تمہارے اس حکم کی اپیل اُس خدائے عالم و دانا کے عرش اعلیٰ کے سامنے پیش کروں گی ؟"

اس قدر جلد قتل کی سزا کی زیادہ وجہ یہ بھی تھی کہ اگرچہ فرانس والوں نے گرفتار کرکے اُسے انگریزوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ مگر برابر اصرار کر رہے تھے۔ کہ اُسے جلد قتل کی سزا دی جائے۔ انگریزوں کو اگرچہ جون کی کوششوں سے بے حد نقصان پہونچ چکا تھا۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ اگر جون آف آرک نہ اُٹھ کھڑی ہوئی ہوتی۔ تو انھوں نے پورا ملک فرانس فتح کرکے چارلس کو ہمیشہ کیلئے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہوتا۔ تاہم انگریز شاید بذات خود اُسے اس بے رحمی کی سزا نہ دیتے مگر فرانس والوں کی ناشکری احسان فراموشی اور نالائقی بے حمیتی نے انگریزوں کو مجبور کرکے اُن کے ہاتھ سے ایک ایسا یادگار زمانہ ظلم کرا دیا۔ جو خود اپنے طور پر اُن سے نہ ہو سکتا تھا۔

اب اس سزا کی تعمیل کا اہتمام ہونے لگا۔ فرنچ امرا سنگدل اور بے رحم تماشائیوں کی طرح جمع ہوئے۔ فرانس کی بے بس رعایا اپنی بدبختی پر روتی اور آنسو بہاتی ہوئی جمع ہوئی ایک بڑی بھاری چتا بنائی گئی۔ اور اس پر جون لا کے کھڑی کر دی گئی کہتے ہیں کہ موت کی اس نازک گھڑی میں اُس کے ہاتھ سے صبر و تحمل کی باگ نکل گئی۔ خوبصورت اور نازک چہرے پر بجائے متانت و استقلال کے حسرت برس رہی تھی۔ اور بار بار لبوں سے آہ نکل جاتی تھی پھر جب چتا میں آگ لگا دی گئی۔ اور شعلے اُس کے قریب پہونچے اور اُس کے بند بند میں چرکے دینے لگے۔ تو وہ ایسی دردبھری آواز میں چیختی۔ اور اُس حضرت رب العزت کی درگاہ میں فریاد کرتی تھی کہ پتھر کا کلیجہ موم ہوا جاتا تھا۔ عام تماشائی زار و قطار رو رہے تھے مگر نہ اثر ہوتا تھا تو بے رحم امرائے فرانس کے دلوں پر۔

یہ ایسا حسرتناک اور جگر پاش پاش کرنے والا منظر تھا کہ دشمنوں کی آنکھوں سے

بھی آنسو جاری ہوگئے۔ خود کارڈنل بونور (نائب پوپ) جو تعمیل حکم کرانے کے لیے آیا تھا۔ اُس کے
دل پر بھی خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایسی پیاری صورت کے دم بھر میں مٹا دینے کا اس قدر اثر ہوا
کہ اس منظر کو نہ دیکھ سکا اور اُدھر سے منھ پھیر لیا۔ اور اُسکی آنکھوں سے ایک سیلاب جاری تھا جس
چتا پر باندھ کے جون جلائی گئی۔ وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کسی میں کسی قسم کا ہمدردی کا جوش بھی پیدا
ہوتا۔ تو وہ اُس کی کچھ مدد نہ کرسکتا۔ آخر دم بھر میں شعلوں نے اُس کی سینہ شگاف چیخیں موقوف
کرکے اُسے ہمیشہ کے لیے خاموش کیا۔ پھر اُسے جلا کے خاک کر دیا۔ اور جلنے کے بعد اُس کی خاک
دریائے سین کے اوپر ہوا میں اڑا دی گئی تا کہ اُس کے جسم کا ذرہ بھی کسی کے ہاتھ نہ آسکے۔ لیکن اُس
عہد کے سنگدل بے عقلوں نے اُسکی فانی تصویر تو مٹا دی۔ مگر اُس کے روشن نام کا مٹانا امکان سے باہر تھا
بے گناہی کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوتی ہی ہے اور ظالموں کو اپنا ظلم ضرور محسوس ہو
جاتا ہے مگر اُسوقت سوا پچھتانے کے کچھ نہیں کرسکتے۔ جون آف آرک کے جلائے جانے کے ۲۴ برس
بعد پیرس کے بشپ (لاٹ پادری) اور ریزرونشہ الکبری کے بشپ نے آزادی سے یہ فتویٰ
جاری کیا کہ جون کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا۔ وہ غیر منصفانہ اور سراسر ظالمانہ تھا۔ اور اُس کے ساتھ
ہی فرانس کے ادنیٰ و اعلیٰ سب لوگ جون کے بیگناہ قتل کیے جانے پر پچھتانے اور کف افسوس ملنے لگے۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ / ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا تھا فرانس والوں کو اپنے دامن پر اُس یادگار زمانہ خون ناحق کا دھبہ
زیادہ اُبھرتا نظر آتا تھا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ اس ناحق شناسی کے بار کو اپنے سینہ پر سے کیونکر
ہٹائیں؟ آخر ۱۸۲۰ء میں جون کے وطن ڈومری میں اُسکی ایک سنگین مورت بنا کے نصب کی گئی
پھر دوسری مورت خاص اُس مقام پر بنا کے قائم کی گئی۔ جہاں وہ چتا پر رکھ کے جلائی گئی تھی اسکے
چند روز بعد ایک مورت خاص پیرس میں ایک عمدہ موقع پر کھڑی کی گئی۔ جو اُس کی سب مورتوں
سے زیادہ عمدہ اچھی اور مکمل تھی۔ اس کے بعد ۱۸۵۱ء میں شہر اورلیان والوں نے جنکے علاقہ میں
جون کا وطن ڈومری واقع تھا۔ اپنے وہاں اُس کی ایک مورت بنا کے قائم کی۔ اور ہر سال ۸ مئی
کو اُسکی یاد تازہ کرنے کے خیال سے ایک میلہ کرنے لگے۔ جو آجتک جاری ہے اس موقع پر جلسہ
کیے جاتے اور اُنمیں ان ظالموں کی مذمت میں پرجوش و پرسوز نظمیں پڑھی جاتی ہیں۔

جنہوں نے کمال سنگدلی سے اُس سچی حامیہ وطن کو اس بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا۔ اس سلسلہ کے جاری ہوتے ہی اُس کی مظلومی کی تصویر دکھانے کیلئے ڈراما تصنیف ہوئے اور وہ یورپ کے تھیٹروں میں دکھائے گئے۔ ناول شائع ہوئے۔ اور ہر طرف سے اُس سچی، پاک نفس حامیہ وطن کی طرفداری میں آوازیں بلند ہوئیں۔ یہاں تک کہ ساری دنیا نے تسلیم کرلیا کہ جون نہایت ہی پاک دل اور سچی شہید قوم تھی۔ اور اُس کے قتل کرنے والے بدترین ظالم و سنگدل۔